# سُلطان محمود غزنوی

الماس ایم اے

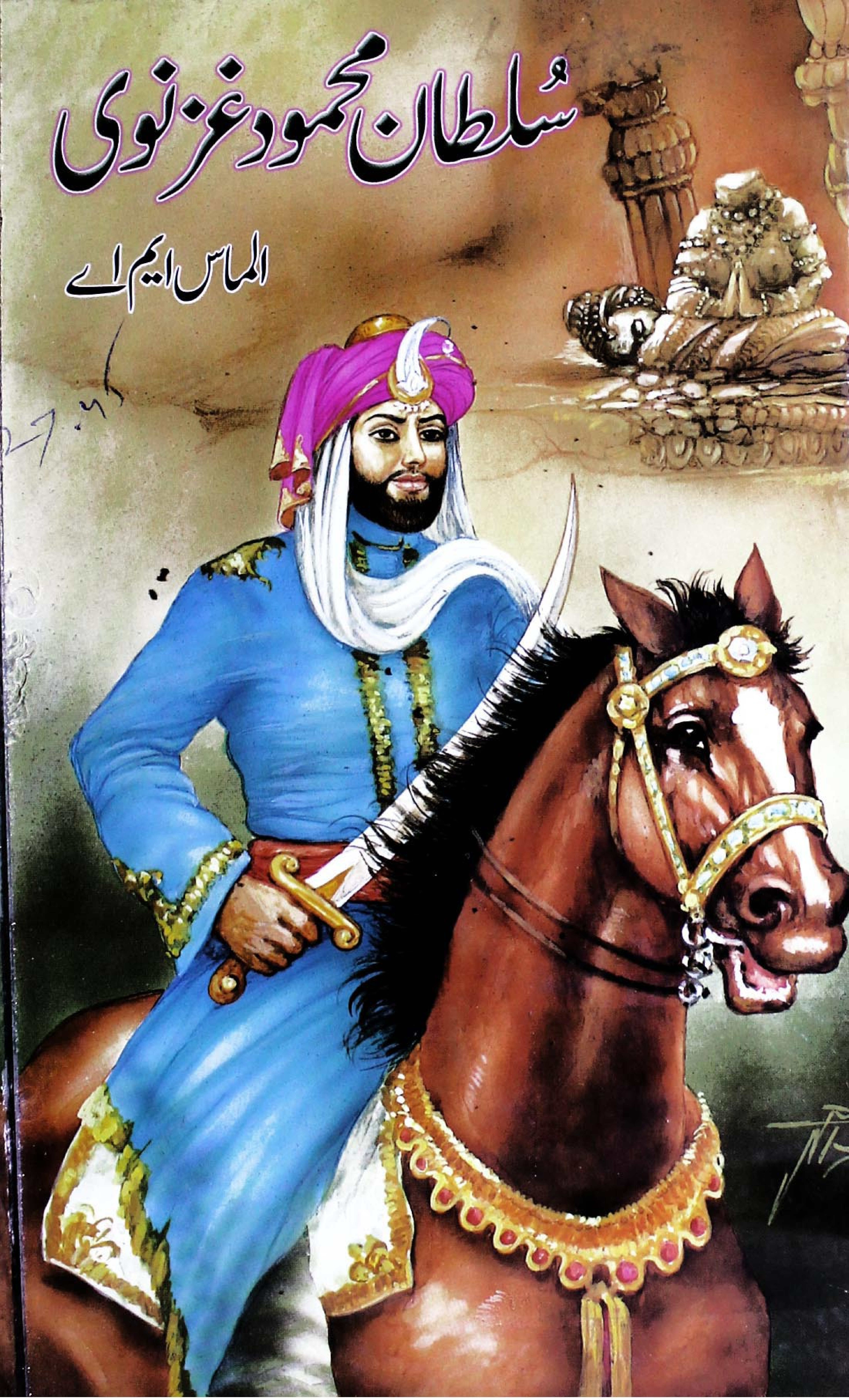

Marfat.com

Marfat.com

# سلطان محمود غزنوی

الماس ایم اے

Marfat.com

Marfat.com

ایک عظیم فاتح کی ولولہ انگیز داستان

# سلطان محمود غزنوی

الماس ایم اے

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 , 042-37668958
www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

Marfat.com

98266

معیاری اور خوبصورت کتابیں

باہتمام محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ایڈیشن .................... 2011ء

مطبع .................... نیئر اسد پریس لاہور

ڈیزائن .................... ذاکر

کمپوزنگ .................... کلاسکس گرافکس

قیمت .................... -/300روپے

Marfat.com

# تعارف

یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی، غزنوی خاندان کا سب سے نامور بادشاہ تھا۔ اُس نے غزنوی حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کیا کہ ڈیڑھ صدی تک اس خاندان کے بادشاہ ایران، افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ محمود غزنوی ایک زبردست فاتح بادشاہ تھا اور اپنے دل میں سچے دین اسلام کی حرارت رکھتا تھا۔ ان فتوحات اور ایمان کی پختگی کی بنا پر خلیفہ اسلام قادر باللہ نے اُسے ''سلطان'' کا لقب دیا اور امین الملت اور یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا۔

سلطان غزنوی نے 396ھ میں سب سے پہلے سیستان فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کیا۔ پھر 401ھ میں ''غور'' پر حملہ کر کے محمد سوری اور اُس کے بیٹے حسن کو قید کر کے لایا۔

405ھ میں خوارزم پر حملہ کر کے اس کو اپنی سلطنت کا جز بنایا۔

407ھ میں ماورالنہر اور اس کے دیگر شہروں مثلاً سمرقند، بخارا کا الحاق اپنی حکومت سے کیا۔

410ھ میں ''رے'' پر حملہ کر کے مجد الدولہ بن فخر الدولہ کو شکست دی اور اُسے گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔

اس کے بعد عراق، عجم اور اصفہان کے بہت سے علاقے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیے۔

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر متعدد حملے کیے جن میں پشاور، پنجاب اور سومنات بہت مشہور ہیں۔ یہاں سے اُس نے بہت سی دولت حاصل کی اور غزنی لے گیا۔

Marfat.com

سلطان ایک بہترین با ذوق آدمی تھا۔ سیاست کے ساتھ اُس کو مذہب، معاشرت، طب اور حکمت سے بہت زیادہ شغف تھا۔ شاہنامہ کے مصنف فردوسی، طوسی، حکیم بوعلی سینا، مشہور شاعر اور فلاسفر ناصر خسرو اور ابو ریحان شہاب الدین اُس کے زمانہ میں ہوئے۔

الماس ایم۔اے

Marfat.com

اُس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔

وہ تمام دن اُس گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھومتا اور شکار کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ جنگل کے ساتھ ایک چھوٹے سے میدان سے گزر رہا تھا کہ اُس کی نظر ایک ہرنی پر پڑی۔ ہرنی اپنے بچے کے ساتھ کلیلیں کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا گھوڑا ہرنی کے پیچھے ڈال دیا۔ ہرنی اور اُس کا بچہ گھڑ سوار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر سرپٹ بھاگے۔

ہرنی تو زقندیں بھرتی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی مگر اُس کے بچے سے زیادہ نہ بھاگا گیا۔ شاید وہ پہلی مرتبہ ماں کے ساتھ میدان میں آیا تھا۔ پس وہ تھک کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ سوار، ہرنی کے بچے کے پاس پہنچا اور اُس نے اطمینان سے جھک کے بچہ گود میں اٹھا لیا اور زین کے ساتھ فتراک سے ہلکا سا کس دیا اور پھر اپنے راستے پر چلنے لگا۔

سوار اپنے گھوڑے کو دلکی چال سے آگے بڑھاتا تھوڑی دُور پہنچا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ اُس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بچہ چھوڑ کر بھاگنے والی ہرنی اُس کے پیچھے بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اُس کی نظریں فتراک سے کسے ہوئے اپنے بچے پر تھیں اور اُس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ آنسو بہا رہی ہو۔

سوار کا دل ممتا کا یہ منظر دیکھ کر لرز اٹھا اور اس نے ایک لحہ توقف کے بغیر فتراک کا بند ڈھیلا کیا اور گھوڑا روک کر ہرنی کا بچہ زمین پر چھوڑ دیا۔ اس وقت بچے کا بے تابی سے اپنی ماں کی طرف بھاگ کے جانا، پھر ہرنی کا اُسے کمالِ محبت سے چومنا چاٹنا ایک ایسا منظر تھا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سوار گھوڑا بڑھا کر ہرنی کے بالکل قریب پہنچ گیا لیکن اُس نے یا اُس کے بچے نے دُور بھاگنے کی بالکل کوشش نہ کی بلکہ ہرنی، سوار کو

Marfat.com

بار بار تشکر آمیز نظروں سے دیکھتی اور پھر اپنے بچے کو چومتی تھی۔

یہ رحم دل سوار امیر ناصر الدین سبکتگین تھا جس کے ہونہار بیٹے سلطان محمود غزنوی نے تاریخ اسلام میں ''بت شکن'' کا خطاب پایا۔ جس دن ہرنی کا یہ واقعہ پیش آیا اُسی رات سبکتگین کو بشارت ہوئی اور آنحضرت نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''اے سبکتگین! تو نے آج ایک بے زبان پر رحم کیا ہے وہ بارگاہِ ایزدی میں بہت مقبول ہوا ہے۔ تجھے چاہئے کہ آئندہ بھی یہی طریق اختیار کرے اور رحم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔''

ایک روایت میں ہے کہ شہزادہ محمود نے اپنی جوانی کے ابتدائی زمانے میں باپ کی زندگی ہی میں غزنی کے اندر ایک باغ لگوایا تھا جو حد درجہ سرسبز اور شاداب تھا۔ اُس نے اس میں ایک نہایت شاندار عمارت تعمیر کرائی تھی۔ جب یہ باغ اور عمارت بن کر تیار ہوئے تو سلطان نے اپنے والد اور دوسرے ارکانِ دولت کو وہاں مدعو کیا۔ امیر سبکتگین نے باغ اور عمارت کو دیکھا تو بیٹے سے کہا۔

''اگرچہ یہ باغ اور عمارت بہت خوبصورت ہیں لیکن ایسی چیزیں تو تمہارے ملازم بھی بنوا سکتے ہیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت کا تو یہ تقاضہ ہے کہ وہ ایسی عمارت کی بنیاد ڈالیں جس کی مثال پیدا نہ کی جا سکے۔''

سلطان محمود گھبرا گیا۔ مگر ادب سے دریافت کیا۔ ''بابا جان! وہ کون سی عمارت ہے جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں؟''

سبکتگین نے جواب یا۔ ''اس عمارت سے مراد ''اہل علم کے دل'' ہیں۔ ان کے دل ایسے زرخیز ہیں کہ اگر تم ان میں اپنی محبت اور احسان کے بیج بوؤ گے اور وہ بارآور ہوں تو ان کے پھل ایسے ہوں گے جن کے چکھنے سے تمہیں دین و دنیا کی سعادت کی لذت ملے گی اور تمہارا نام روزِ حشر تک زندہ رہے گا۔''

سبکتگین نسلاً ایران کے بادشاہ یزدجرد کے خاندان سے تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یزدجرد قتل کیا گیا تو اُس کی اولاد ترکستان کی طرف بھاگ گئی اور وہاں وہ ترکوں میں گھل مل گئی۔ چنانچہ سبکتگین انہی کی اولاد تھا۔ سبکتگین کے ابتدائی حالات کے بارے

Marfat.com

میں کہا جاتا ہے کہ ایک سوداگر جس کا نام نصر حاجی سوداگر تھا وہ سبکتگین کو ترکستان سے افغانستان لایا تھا اور اسے الپتگین کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ الپتگین نے اُس کے چہرے پر عقل و دانش اور شوکت کے آثار دیکھ کر اُسے اپنے خاص لوگوں کے حلقے میں شامل کرلیا۔غزنی کی جنگ میں اُسے لشکر کا امیر الامرا بنایا اور اپنی طرف سے وکیل مطلق قرار دیا۔

الپتگین کے انتقال پر اُس کا بیٹا ابو اسحاق بادشاہ ہوا مگر وہ جلد ہی انتقال کر گیا اور لوگوں نے سبکتگین کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ سبکتگین نے ابو اسحاق کی بہن سے شادی کی تھی۔

امیر سبکتگین کے حالات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ''بت شکن'' سلطان محمود غزنوی کی طرف آتے ہیں۔ اس لئے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی جنگی قابلیت اور عظیم فتوحات کی بنا پر خالدؓ بن ولید، عمرؓ بن العاص، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، سکندر اعظم، صلاح الدین ایوبی، چنگیز خان، امیر تیمور، نپولین، اٹیلا دی ہُن کی صف میں ایک نمایاں مقام پر کھڑا نظر آتا ہے۔

مغربی مؤرخین نے اس عظیم فاتح کی جنگی قابلیت کو کبھی اُجاگر نہیں کیا۔ یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ گزشتہ دو سو سال سے برصغیر کی مسلم تاریخ کو جس انداز میں مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے وہ علمی بد دیانتی کی بدترین مثال ہے۔ انگریز ہمارا ازلی اور ابدی دشمن ہے چنانچہ سر ہنری ایلیٹ نے 1857ء کی جنگ آزادی سے پہلے ہی مسلم تاریخ کے اصلی ماخذوں کو فارسی اور عربی سے انگریزی میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایلیٹ کے بعد اس کام کو ڈاؤسن نے جاری رکھا اور 1877ء میں برصغیر کے مسلمانوں کی ایک نئی تاریخ ترتیب پا گئی۔ اس ضخیم تاریخ کی ترتیب کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا اسے ایلیٹ نے خود اس کتاب کے دیباچہ میں صاف صاف الفاظ میں لکھ دیا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

''اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلم عہد کو اس طرح سیاہ رنگ میں
پیش کیا جائے کہ اس پس منظر میں عوام پر برطانوی دور کی

Marfat.com

فیاضیاں اور برکتیں ظاہر ہوں۔"

چنانچہ اس بد دیانت نے قدیم ماخذوں کے وہ حصے جو مسلم حکومتوں میں ملک کی ثقافت اور تہذیب و تمدن پر روشنی ڈالتے تھے، انہیں حذف کر دیا اور جنگ و جدل کی تاریخ کو اپنے مخصوص انداز میں ترجمہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برصغیر کا مسلم دورِ حکومت محض قتل و غارت کی خونیں داستان بن کر رہ گیا۔

بد قسمتی سے مسلم تاریخ پر جو تحقیقی کام ہوا اس کی بنیاد ایلیٹ اور ڈاؤسن کی وہی تاریخ تھی جو انہوں نے 1877ء میں مرتب کی تھی۔ پس بچوں کو جو درسی کتب پڑھائی گئیں انہیں پڑھ کر ہمارے مسلمان بچے اپنے آباؤ اجداد کو ظالم اور لٹیرا سمجھنے لگے۔ چنانچہ غیر مسلم مؤرخین مثلاً جادو ناتھ سرکار، مہاجن دتہ، موجمدار سیٹھی اور انگریزوں نے محمود غزنوی کی فتوحات کو مختصر بیان کیا۔ البتہ لوٹ مار، قتل و غارت وغیرہ کو اجاگر کیا اور محمود غزنوی کو لالچی اور ظالم فاتح کے طور پر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

ہم محمود غزنوی پر لگائے گئے متعصبانہ الزامات کا جواب دینے کی پوری کوشش کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ سلطان محمود غزنوی کو بت شکن کی بجائے بت فروش کہنے کی کس طرح ناپاک کوشش کی گئی۔

سبکتگین کا فرزند محمود یکم نومبر 971ء کو پیدا ہوا۔ اُس کی پیدائش کی رات اُس کے باپ نے خواب دیکھا کہ اس کے مکان کے آتش دان سے ایک بڑا درخت پیدا ہوا جس کے سائے تلے پوری دنیا آ گئی۔ جب اُس کی آنکھ کھلی تو وہ خواب کی تعبیر کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُسی وقت اُسے محمود کے پیدا ہونے کی اطلاع دی گئی۔ بیٹے کا نام اُس نے خود محمود رکھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ محمود کی پیدائش کی اطلاع سبکتگین کو دریائے چناب کے کنارے واقع شہر سوہدرہ (وزیر آباد) میں ملی تھی۔ اُس وقت وہ مقامی ہندو حکمران سے برسر پیکار تھا۔

روایت ہے کہ وہ دن حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کا دن تھا۔ چونکہ حضورؐ کی پیدائش کے وقت خانہ کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے تھے، ایران کا آتش کدہ جس میں ہزاروں سال سے آگ روشن تھی وہ اچانک بجھ گیا تھا اور قیصر کسریٰ کے کئی کنگورے گر گئے تھے۔

Marfat.com

حضورؐ نے تمام زندگی کفر و باطل کے خلاف جنگ کی تھی اور بتوں کو برباد کیا تھا اس لئے سبکتگین نے اللہ سے دُعا کی۔

''اے پروردگار! میرے بیٹے کو بت شکن بنا۔''

اُس وقت شمالی ہند کا سب سے بڑا راجہ جے پال تھا۔ اُس کی سلطنت ایک طرف جلال آباد، لمغان اور پارہ چنار تک اور دوسری طرف کشمیر کے جنوبی پہاڑی علاقہ سے لے کر ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالسلطنت ہنڈ (صوابی) کے نزدیک تھا۔ راجہ بھرت لاہور کا راجہ تھا مگر جے پال کے بیٹے آنند پال نے اُسے شکست دی تھی اور دریائے بیاس تک قبضہ کرلیا تھا۔ راجہ بھاٹیہ بھیرہ، خوشاب اُور پنڈی بھٹیاں کا راجہ تھا۔ راجہ بھاٹیہ کے علاقے میں بھٹنڈہ بھی شامل تھا۔

محمود بچپن ہی سے دلیر اور ایک اچھا شہسوار تھا۔ اس لئے سبکتگین اُسے ہمیشہ لڑائی میں ہمرکاب رکھتا تھا۔ راجہ جے پال نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا تھا کیونکہ راجہ کو سبکتگین کے دُور مار کرنے والے دستوں نے بہت نقصان پہنچایا تھا اور وہ جلد سے جلد ان کا تدارک کرنا چاہتا تھا۔

اس کی اطلاع جب سبکتگین کو پہنچی تو اُس نے بھی مقابلہ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ اُس وقت شہزادہ محمود مشکل سے سولہ سال کا تھا۔ اس عمر ہی میں اُسے اتنا جنگی تجربہ ہو چکا تھا کہ اُس نے باپ کو مشورہ دیا۔

''بابا حضور! ہمارا لشکر راجہ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس کے لئے ہمیں پہلے سے دفاعی مورچے تیار کرنے چاہئیں۔''

''دفاعی مورچوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' سبکتگین نے دریافت کیا۔

محمود نے وضاحت کی۔ ''بابا حضور! میں چاہتا ہوں کہ دشمن کے آنے سے پہلے ہمیں پہاڑی علاقوں میں ابھی سے دفاعی مورچے بنا لینے چاہئیں۔ تاکہ جب دشمن وہاں پہنچے تو ہمارے لڑاکا دستے اچانک مورچوں سے نکل کر دشمن پر حیران کن حملہ کریں اور اسے جوابی کارروائی کا موقع نہ دیں۔''

''شاباش محمود! مجھے تم سے یہی توقع تھی۔'' باپ نے خوش ہو کے کہا۔ ''میں نے تیری

Marfat.com

پیدائش پر خدا اور اس کے رسولؐ سے یہی دُعا کی تھی کہ جس طرح نبی پاکؐ نے اپنی تمام زندگی باطل کو شکست دینے میں لگا دی تھی اسی طرح تو بھی اس کفرستانِ ہند سے باطل کے خاتمے میں اپنی زندگی کی بازی لگا دے۔ میں بڑے فخر سے اس وقت یہ پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ تو میرے ادھورے کاموں کو مکمل کرے گا اور تاریخ اسلام اور تاریخ عالم میں اپنا نام روشن کرے گا۔''

پس دفاعی مورچوں کے لئے گنڈامک اور غوربند کا پہاڑی علاقہ چن لیا گیا۔ دونوں فوجوں کا تصادم غالباً جلال آباد کے جنوب میں گنڈامک اور غوربند کے درمیان ہوا۔ یہ جنگ تین روز تک جاری رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ راجہ کے لشکر کو عددی برتری حاصل تھی۔ نقصان اٹھانے کے باوجود وہ میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا۔ امیر سبکتگینؒ کے دستوں نے بڑھ بڑھ کے حملے کئے لیکن وہ راجہ کو شکست نہ دے سکے۔

ہم مسلمان ہیں اور معجزوں پر ہمارا ایمان ہے۔ مسلمان کافروں کے مقابلہ پر جب بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزاتی طور پر محفوظ رکھا اور ان کی پوری مدد کی۔ اس موقع پر بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

تیسرے دن کی لڑائی کے بعد دونوں طرف کی فوجیں اپنی اپنی خیمہ گاہ میں واپس جا چکی تھیں کہ ایک اسلامی پہاڑی مورچے کے قریب مقامی لوگوں کا ایک گروہ نمودار ہوا۔ محافظ دستے نے اُنہیں گھیر لیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔

گروہ کے ایک آدمی نے کہا۔ ''ہم لوگ ہندو ہیں۔ اسی علاقے کے رہنے والے ہیں اور مسلمان امیر سبکتگین سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''مگر تم امیر سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' ایک اکھڑ قسم کے محافظ نے سختی سے پوچھا۔

اُس آدمی نے جواب دیا۔ ''یہ بات ہم صرف تمہارے امیر کو بتائیں گے۔''

آخر محافظ اُس گروہ کو امیر سبکتگین کے پاس لے گئے۔ امیر کو جب معلوم ہوا کہ آنے والے ہندو ہیں اور اسی علاقے کے رہنے والے ہیں تو اُس نے اُنہیں خوش آمدید کہا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔

اُس گروہ کا شاید ایک ہی آدمی فارسی میں گفتگو کر سکتا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''اے امیر!

Marfat.com

اگر آپ ہماری بات کا اعتبار کر لیں تو ہم آپ کو ایک ایسی ترکیب بتائیں گے جس سے آپ کے لشکر کو فائدہ پہنچے گا اور آپ راجہ کو شکست دے سکیں گے۔''

امیر نے جرح کے انداز میں پوچھا۔''چلو ہم تمہاری بات کا اعتبار کریں گے مگر پہلے تم یہ بتاؤ تم ہم سے اس کا کیا صلہ مانگو گے؟''

اُس آدمی نے زور دے کے کہا۔''ہم بھگوان کی قسم کھا کے کہتے ہیں کہ ہم آپ سے کوئی صلہ نہیں لیں گے۔''

امیر سبکتگین حیران ہوا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اُس نے بیٹے کی طرف دیکھا۔ محمود بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ آخر امیر نے کہا۔''اگر تم واقعی ہمارے ہمدرد ہو اور کسی معاوضہ کے بغیر کچھ بتانا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے۔ ہم تمہاری باتیں پوری توجہ سے سنیں گے۔''

وہ آدمی کہنے لگا۔''اے امیر! راجہ جے پال کی خیمہ گاہ کے نزدیک ایک چشمہ ہے۔ اگر اُس میں کوئی گندی چیز ڈال دی جائے تو وہ آپ ہی آپ اُبل پڑتا ہے، بادل گرجنے لگتے ہیں اور بجلی کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ پھر اس قدر سرد ہوائیں چلتی ہیں کہ انسان تو انسان مویشی تک ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں۔ اگر آپ یہ عمل کریں تو راجہ جے پال تنگ آ کر بھاگ جائے گا۔''

امیر کے خیمے میں محمود کے علاوہ اور کئی سردار جمع تھے۔ اُن سب کو اس بات پر بہت حیرانی ہوئی۔ ایک سردار نے تو بے تکلف کہہ دیا۔

''اے امیر! یہ سب جھوٹ اور بکواس معلوم ہوتا ہے۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔''

''ایسا مت کہو سردار!'' امیر نے اُسے ٹوکا۔''کیا میدانِ بدر میں ابر رحمت کا نزول نہیں ہوا تھا؟ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ، یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر یہ لوگ بے لوث معلوم ہوتے ہیں اور ان کی یہ ترکیب فوراً آزمائی بھی جا سکتی ہے۔''

یہ کہہ کر امیر نے اُس گروہ کی طرف دیکھا۔ گروہ کے ترجمان نے فوراً اس کی تائید کی۔ اُس نے کہا۔

Marfat.com

''امیر! آپ اسے ابھی آزما سکتے ہیں۔ وہ چشمہ دور سے ہم آپ کو دکھا سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' امیر نے کہا۔ ''ہم چند سپاہیوں کو تمہارے ساتھ بھیجتے ہیں۔ تم انہیں چشمے کی نشاندہی کر دینا، باقی انتظام ہم کر لیں گے۔ تمہارے باقی ساتھی اس دوران ہمارے پاس رہیں گے۔''

پس امیر نے اپنے چار سپاہی ایک آدمی کے ساتھ روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ کچھ نجس چیزیں لیتے جائیں اور چشمے پر پہنچ کر وہ نجاست اس میں پھینک دیں۔ اُنہیں گئے تقریباً دو گھنٹے گزرے تھے کہ کھلے آسمان پر یکایک بادل چھا گئے، بجلی کوندنے لگی، پھر موسلا دھار بارش کے ساتھ سرد ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے طوفانِ بادوباراں آ گیا ہو۔

اس دوران امیر کے چاروں سپاہی اور وہ آدمی بھی بارش میں بھیگے اور سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے واپس آ گئے۔ امیر کو یقین ہو گیا کہ یہ گروہ اللہ کے فرشتوں کا ہے جس نے ان کی مدد کے لئے انہیں بھیجا ہے۔

ادھر سرد ہواؤں اور برفباری کے طوفان نے جے پال کے لشکر کو اچانک گھیر لیا۔ اُن کے ہاتھی، گھوڑے اور دوسرے جانور شدید سردی اور برف باری سے بے جان ہونے لگے۔ اس سے ہندو فوج میں بد دِلی اور افراتفری پیدا ہو گئی۔ راجہ کے لئے دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ صبح ہوتے ہی اسلامی لشکر نے اُن پر زبردست دھاوا بول دیا۔ بے شمار ہندو مارے گئے۔ مجبوراً راجہ کو سبکتگین سے صلح کرنا پڑی۔

شرائط صلح میں اُس نے ڈھائی لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی تاوان کے طور پر ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ جزیہ اور سالانہ خراج کی ادائیگی کے وعدے پر جے پال کو رہائی ملی۔ اُس نے اپنے چند سالار ضمانت کے طور پر امیر کے پاس چھوڑ دیئے۔ امیر سبکتگین نے چند سردار اور ایک فوجی دستہ تاوان وصول کرنے کے لئے راجہ کے ساتھ کر دیا۔ لیکن راجہ نے اپنے ملک میں پہنچنے کے بعد بدعہدی کی اور مسلمان سرداروں اور فوجی دستے کو قید کر لیا۔

امیر کو راجہ کی اس بدعہدی کی اطلاع ملی تو اُس نے فوراً ایک لشکر تیار کیا اور ہندوؤں کے خلاف جہاد کا بگل بجا دیا۔ جے پال نے اس دوران ہندوستان کے تمام راجاؤں کو

Marfat.com

مدد کے لئے پیغامات بھیجے۔ اس کے جواب میں راجاؤں نے اپنے اپنے فوجی دستے مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔

اب راجہ جے پال اور امیر سبکتگین کی فوجیں ایک بار پھر آمنے سامنے ہوئیں۔ یہ جنگ جلال آباد کے جنوب مشرق میں پہاڑی علاقے میں لڑی گئی۔ جے پال کے زیر کمان فوج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ جب امیر نے ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ کر ہندوؤں کا لشکر دیکھا تو وہ ایک سمندر کی طرح دُور دُور تک لہرا رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں امیر کا لشکر اس کی نصف تعداد سے بھی کم تھا۔

امیر سبکتگین ایک بڑا تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس نے دشمن کے لشکر کی ذرا بھی پروا نہ کی اور فوراً ایک نئی جنگی حکمت عملی اختیار کی۔ اس نے اپنے چند ہزار سواروں کا ایک بڑا دستہ الگ کیا پھر باقی لشکر کو پانچ پانچ سو سواروں کے دستوں میں تقسیم کیا پھر انہیں حکم دیا کہ وہ سب دشمن کے عقب میں پہنچ جائیں۔ پھر اسکیم یہ تھی کہ پانچ پانچ سو سواروں کے دستے باری باری پشت سے دشمن پر حملہ کریں اور تھوڑی دیر جنگ کے بعد واپس ہو جائیں اور دوسرے دستے کو جنگ کے لئے بھیج دیں۔ یوں دشمن اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا کہ امیر کو متواتر کمک پہنچ رہی ہے اور اُس کے لشکر کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

جنگ شروع ہوئی تو امیر سبکتگین، محمود غزنوی اور دوسرے سردار چند ہزار سواروں کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح دشمن پر جھپٹے اور اُن کے سمندر میں غوطہ لگا کر انہیں قتل کرنے لگے۔ جے پال ابھی اپنے پورے لشکر کو حرکت بھی نہ دے پایا تھا کہ اُس کی پشت پر مسلمان سواروں نے حملہ کر دیا۔ اُن کی تعداد اگرچہ صرف پانچ سو تھی مگر وہ دور تک پھیل کر حملہ آور ہوئے تھے اس لئے ان کی تعداد کا راجا کو اندازہ نہ ہو سکا۔

جے پال کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ کا لشکر تھا اس لئے اس نے پشت کے اس حملے کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیا پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہندو فوج کے دوسرے بازو پر مسلمان سواروں کے ایک تازہ دم دستے نے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بھی بالکل اچانک تھا جس سے ہندو لشکر میں خاصی ابتری پھیلی مگر وہ پھر جم کر لڑنے لگے۔ ان کے جمتے ہی

Marfat.com

دوسری جانب سے تازہ دم غزنوی سواروں نے ایک نیا حملہ کر کے ہندوؤں کو حیرت میں ڈال دیا اور انہیں یقین ہونے لگا کہ امیر سبکتگین کو برابر کمک پہنچ رہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم لشکر میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اُس وقت امیر سبکتگین کے اشارے پر پانچ پانچ سو سواروں کے تمام دستوں نے راجہ جے پال کے لشکر پر چاروں طرف سے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اس حملے نے ہندو لشکر کے حوصلے پست کر دیے اور اس نے مقابلے سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس بھاگ دوڑ میں بے شمار ہندو قتل ہوئے۔

امیر کے لشکر نے دریائے نیلاب (سندھ) تک ان کا تعاقب کیا اور اس قدر ہندو مارے گئے جن کا اندازہ مشکل تھا۔ اس جنگ میں دریائے سندھ سے پشاور کے جنوب میں دور تک کا علاقہ مسلمانوں کے پرچم تلے آ گیا۔ ان علاقوں میں سبکتگین کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہوا۔ اس کے بعد امیر نے 11 ہزار کا ایک دستہ پشاور میں چھوڑا اور افغانی اور خلجی صحرانشینوں کو زیر کرتا ہوا غزنی واپس ہوا۔

امیر سبکتگین نے بیس برس حکومت کرنے کے بعد شعبان 387ھ مطابق 997ء میں انتقال کیا۔ سبکتگین کے انتقال کے وقت دارالسلطنت غزنی میں محمود غزنوی کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل موجود تھا۔ اس نے فوراً حکومت سنبھال لی۔ امیر اسمٰعیل، سبکتگین کی دوسری بیوی یعنی الپتگین کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ چنانچہ پرانے سرداروں نے ایک تو اس خیال سے کہ اسمٰعیل، امیر الپتگین کا نواسہ ہے دوسرے اس سے کہ اسمٰعیل نے سرداروں کو اپنی طرف کرنے کے لیے خزانے کا منہ کھول دیا تھا۔ پس ان سب نے اسمٰعیل کی حمایت کی اور وہ امیر غزنی بن گیا۔

سبکتگین کے انتقال کے وقت محمود نیشا پور میں تھا۔ وہاں سے اس نے چھوٹے بھائی کو ایک برادرانہ خط لکھا جس میں تحریر کیا:۔

''امیری اور بادشاہت کے لیے عقل و شعور کے علاوہ انسان کو سنجیدہ اور عمر رسیدہ ہونا چاہئے۔ چونکہ تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اور تمہاری عقل و دانش بھی تمہاری عمر کے مطابق ہے اس لئے غزنی میرے

Marfat.com

حوالے کر دو تا کہ میں تمہارے لیے بلخ اور خراساں سے باغیوں کو نکال باہر کروں۔''

لیکن امیر اسمٰعیل نے اس کے خط پر کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ محمود اپنے چچا اور سب سے چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک لشکر جرار اکٹھا کر کے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ دارالحکومت کے قریب پہنچ کر اس نے پھر سلسلہ جنبائی کی اور جنگ سے بچنا چاہا مگر اسمٰعیل نہ مانا۔ آخر جنگ ہوئی اور محمود کامیاب و کامران ہوا۔ اس نے اسمٰعیل کو ایک قلعہ میں قید کر کے آرام و آسائش کے تمام انتظامات کر دیئے۔

غزنی کا تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد محمود نے خود کو اس کام کے لیے وقف کر دیا جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا تھا اور جس کی دعا اس کے باپ سبکتگین نے کی تھی یعنی باطل کے خلاف جہاد۔ اس کی مجاہدانہ زندگی پر ایک نظر ڈالنے سے عجب صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان پر اس کے سترہ حملے تو بہت مشہور ہیں مگر ان کے علاوہ بھی اس نے بے شمار جنگیں لڑیں اور ہر جگہ کامیابی نے اس کے قدم چومے۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمود کی تقریباً نصف زندگی میدانِ جنگ میں گزری ہوگی اور وہ جہاد کے علاوہ دنیا میں کوئی اور نمایاں کام نہ کر سکا ہوگا۔

مگر سلطان محمود کے متعلق یہ اندازہ درست نہیں۔ اس لیے کہ جس طرح سلطان محمود غزنوی ایک مکمل شہسوار اور کامل شمشیر زن تھا۔ اسی طرح وہ درباری زندگی میں علم و ادب اور دانش و ہنر کا پرستار اور خدمت گزار نظر آتا ہے۔ اس لیے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے جنگی کارناموں کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس کی علم دوستی اور فن سے دلچسپی کے سلسلے میں کچھ ذکر کر دیا جائے۔

شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ شاعری اگرچہ ابتدا کے ظہور سے روز افزوں ترقی کرتی دکھائی دیتی ہے لیکن فارسی شاعری غزنوی دورِ حکومت میں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ فردوسی، اسد طوسی، عنصری، کلیم سنائی، منوچہری و امغانی وغیرہ میں سے ہر شخص اقلیم سخن کا بادشاہ تھا اور تمام شعراء کرام غزنوی دور کی یادگار ہیں۔

محمود اپنے باپ کی زندگی ہی میں نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب

Marfat.com

حاصل کر چکا تھا۔ پھر تخت نشینی کے بعد اسے بغداد کے دربار خلافت سے ''یمین الدولہ'' کا لقب ملا تھا۔ اس کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیوں کی بازگشت برصغیر کے درو دیوار سے آج بھی سنائی دیتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ''محمود'' جس طرح فاتح اور کشور کشا تھا۔ اسی طرح وہ علم وفضل میں کمال رکھتا تھا۔ جواہر حضیہؒ کے مصنف نے اسے فقہا میں شمار کیا ہے۔ ''فقہ'' میں خود محمود کی ایک مبسوط کتاب موجود ہے۔

محمود نے غزنی میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا۔ جس میں تمام دنیا کے نوادر موجود تھے۔ ملک میں جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے ان میں سے بیشتر کو محمود نے بلا کر اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔ ان میں ابو ریحان البیرونی بھی تھا۔ جو متعدد فنون میں بوعلی سینا کا ہم پایہ اور ہمسر تھا۔ بوعلی سینا کو بھی محمودؒ نے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تھی لیکن انہیں کچھ وہم پیدا ہو گیا تھا اس لیے وہ نہیں آئے تھے۔

شاعری کے سلسلے میں محمود نے خاصی شاہانہ توجہ دی اور اس کے لیے ایک مستقبل محکمہ قائم کیا تھا۔ جس کی تصنیف ''کتاب الہند'' اس دور کی ہندو معاشرت کی آئینہ دار ہے۔ محمود نے عنصری کو اس محکمہ کا افسر اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ شاعری کے تمام تذکرے اس بات پر متفق ہیں کہ محمود کے خوانِ کرم سے چار سو شاعر پرورش پاتے اور فارسی شاعری کو چار چاند لگاتے تھے۔

ایک مرتبہ جب شہزادہ مسعود خراساں سے غزنی آیا تو شعراء نے دربار عام میں قصائد پیش کئے تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار درہم اور زینبی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے گئے۔ محمود کی یہ فیاضیاں صرف مدح پرستی کی غرض سے نہیں بلکہ فن ادب و تاریخ کی ترقی کی غرض سے تھیں۔ اس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا کہ عجم اگرچہ مٹ گیا مگر اس کے کارنامے آج تک نہ مٹ سکے۔

اسلامی فتوحات اگرچہ مسلمانوں کے مذہبی کارنامے ہیں لیکن مسلمان خالدؓ بن ولید اور ضرار بن ازور کے بجائے رستم و سہراب کے نام سے زیادہ آشنا ہیں اور یہ سب کچھ صرف فردوسی کے شاہنامے کی وجہ سے ہے۔

Marfat.com

عنصری نے 180 اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا جس میں سلطان محمود کی تمام جنگیں بڑی تفصیل سے بیان کیں۔ اسدی طوسی نے فارسی لغت تدوین کی۔ تاریخ اور اخلاق کے علاوہ محمودی شعراء نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کی باتیں چاہیں نظم کر سکتے ہیں۔ واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہارِ جذبات، قدرتی مناظر کی تصویر، غرض شاعری کی جتنی اقسام ہیں سب ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ صرف غزل پر زیادہ توجہ نہ دی گئی۔

محمودی شعراء اگرچہ بے شمار ہیں لیکن جن ناموروں کو محمود نے اپنے ندیموں میں شامل کیا تھا اور جو آسمانِ سخن کے سبع سیارہ تھے وہ یہ ہیں۔

(1) عنصری، (2) فردوسی، (3) اسدی، (4) عسجدی،

(5) غفاری، (6) فرخی، (7) منوچہری

محمودی شعراء کے اس مختصر تذکرہ کے بعد ہم پھر سلطان محمود غزنوی کے جنگی کارناموں کی طرف آتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں کہا گیا کہ سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملوں میں صرف سولہویں حملے کا تفصیلی حال بیان کیا جائے گا کیونکہ یہ حملہ سومنات پر ہوا تھا اور محمود غزنوی نے اس حملے میں۔ ''بت شکن'' کا لقب اختیار کیا تھا۔

پس اب ہم ان حملوں کا مختصر حال بیان کر رہے ہیں۔ اس کے اختتام پر سولہویں حملے کا تفصیلی حال پیش کیا جائے گا۔

امیر سبکتگین کے دورِ حکومت میں افغانستان کا کافی حصہ ہندوستان کا علاقہ تھا یا وہاں کے لوگ شمالی ہند کے ہندو راجاؤں کے باجگذار تھے۔ امیر سبکتگین نے راجہ جے پال سے کچھ علاقے چھین لئے تھے مگر ان کے انتقال پر وہ پھر ان علاقوں پر قابض ہو گیا تھا۔ ان دنوں ہندوستان بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ پنجاب اور سرحد میں جے پال کی حکومت تھی۔ سولنکی، گجرات میں حکمران تھے۔ چوہان اجمیر میں، تومار دہلی میں، پوار مالوہ میں، بھاٹیہ بھیرہ میں، پری ہراس قنوج میں، پوروس بنگال میں اور چنڈال، بندیل کھنڈ میں حکومت کرتے تھے۔ برہمنوں کی اونچی ذات سیاست پر چھائی ہوئی تھی۔

اس وقت بتوں اور مندروں کی تعداد ان گنت تھی۔ مذہبی جوش نمایاں تھا کیونکہ

Marfat.com

مسلمانوں کے خلاف سب کو یکجا کرنے کا یہی سب سے بڑا حربہ تھا۔ ملتان پر اگرچہ ایک مسلمان حکمران تھا مگر وہ بڑی حد تک مرتد ہو چکا تھا۔ اور وہ جے پال اور بھاٹیہ کے زیر اثر تھا۔ ہند کے راجاؤں کی مجموعی افواج کسی بھی بڑے حملہ آور کو شکست دینے کے لیے کافی تھیں۔ ان کے پاس جنگی ہاتھی، رتھ، لاتعداد سوار اور پیادہ فوج تھی۔ پھر یہ ان کا اپنا دیکھا بھالا ملک تھا اور فوج کو پوری مملکت سے اچھی طرح واقفیت تھی جبکہ حملہ آور کی راہ میں دشوار گزار دریا، پہاڑ اور صحرا حائل تھے جن کی دیکھ بھال اور انتظام کم فوج سے خاطر خواہ طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی نے مندروں اور بتوں کی پرستش کی بے شمار داستانیں سن رکھی تھیں۔ ہندوؤں کے مضحکہ خیز اعتقادات، پجاریوں اور پنڈتوں کی عیاشیوں اور مکاریوں کی بے شمار داستانیں عام تھیں۔ پورے ہندوستان میں حیا سوز رسومات کا دور دورہ تھا۔ راجے مہاراجے تک اپنی بیٹیوں کو بتوں کی عبادت اور پنڈتوں کی خدمت کے لیے مندروں میں بھیج دیتے تھے۔ وہاں یہ معصوم اور خوبصورت دیوداسیاں، ہٹے کٹے پنڈتوں کی شہوانی خواہشات کا نشانہ بنتی تھیں۔

ایسے حالات میں ایک مرد مجاہد، اشاعت اسلام کی تڑپ رکھنے والا بت شکن ہی برصغیر کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر نعرہ توحید بلند کر سکتا تھا۔ محمود جانتا تھا کہ پورے ہندوستان کو ایک ہی حملے میں زیر کرنا ممکن نہیں اور نہ ہر علاقہ پر حملہ کرنا فوجی نقطہ نظر سے مناسب تھا۔ چنانچہ اس نے تمام حملے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بار بار کئے جن سے حسب منشاء نتائج حاصل ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کی تجاویز حالات کے مکمل جائزے پر مبنی ہوتی تھیں اور اس کی فوج ہر قسم کی رکاوٹ مثلاً دریا، پہاڑ، سردی گرمی اور ریگستان پر قابو پانے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس کی عسکری قابلیت کا اعتراف متعصب ترین ہندو دور میں بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ دتا اور موجمدار کہتے ہیں۔

"محمود بلاشبہ دنیا کے چند عظیم فوجی لیڈروں میں سے ایک تھا۔"

پہلے حملے (1001ء) میں اس نے درہ خیبر، جلال آباد اور بنوں کے علاقے فتح کر

Marfat.com

لیے۔ اس سال 27 نومبر کو پشاور کے آس پاس جے پال کے ساتھ رکنا پڑا جس میں غزنوی شمشیرزنوں نے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ کاٹ کر دشمن کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

حملہ نمبر 1:۔ جلال آباد اور بنوں مطابق 390ھ (1000ء)

امیر سبکتگین نے راجہ جے پال سے پشاور کا علاقہ اور کابل اور درہ خیبر کا درمیانی علاقہ جنگ کر کے حاصل کیا تھا۔ مگر امیر کی موت پر راجہ نے یہ علاقے اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔ سلطان محمود نے تخت نشین ہوتے ہی بڑی برق رفتاری سے چند سرحدی شہروں اور علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس میں صوبہ لمغان یعنی درہ خیبر کا مغربی علاقہ جلال آباد شامل تھا۔ راجہ اس حملہ کا جواب نہ دے سکا، البتہ پشاور پر قبضہ نہ ہو سکا۔

حملہ نمبر 2:۔ پشاور اور ہنڈ 92-391ھ (مطابق 02-1001ء)

محمود کے تجزیئے کے مطابق ہندوستان کے بت کدوں کو برباد کرنے اور دعوتِ اسلام پھیلانے کے لیے دریائے سندھ تک کا علاقہ فتح کرنا اور راجہ جے پال کی فوجی قوت کو کچلنا نہایت ضروری تھا۔ شروع سردی میں محمود نے اپنی فوج کے پندرہ ہزار بہترین سوار منتخب کیے۔ اسے جاسوسوں نے خبر دی تھی کہ راجہ جے پال کی فوج میں بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیدل اور تین سو جنگی ہاتھی ہیں۔ راجہ بھاٹیہ کی فوج بھی اس کے ہمراہ تھی۔

چنانچہ دونوں لشکروں کا سامنا پشاور کے قریب ہوا۔ 8 محرم 392ھ مطابق 27 نومبر 1002ء کو راجہ جے پال نے اپنی فوج کی صفیں درست کیں۔ ہر طرف ڈھول بج رہے تھے۔ جنگی ہاتھی سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے سوار اور رتھ سوار تھے۔ محمود نے تیر اندازوں کو بازوؤں پر رکھا اور جب دشمن کے جنگی ہاتھی، سوار اور پیادے اس کی زد پر آ گئے تو تیر اندازوں نے ہاتھیوں پر تیروں کی بارش کر دی۔ شمشیر زنوں نے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ ڈالیں اور بہتوں کو لنگڑا کر دیا۔ دوپہر سے پہلے ہی محمود نے سواروں کے ساتھ جوابی حملہ کیا اور نعرہ تکبیر بلند کر کے آگے بڑھا اور دشمن گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اب پندرہ ہزار ہندوؤں کی لاشیں میدان جنگ میں پڑی تھیں۔ جے پال گرفتار ہوا

Marfat.com

تاہم سلطان محمود نے بھاری تاوان جنگ وصول کر کے اسے خراج کی ادائیگی کے وعدے پر رہا کر دیا اور پشاور سے ہنڈ تک کے سارے مندر اور بت برباد کر دیئے پھر چند حفاظتی دستے وہاں چھوڑ کے غزنوی واپس چلا گیا۔ راجہ جے پال نے لاہور آتے ہی ندامت کے مارے چتا (آگ) میں کود کر خودکشی کر لی۔ مرتے وقت اس نے اپنے جانشیں آنند پال کو سلطان محمود سے ٹکر نہ لینے کی وصیت کی۔

حملہ نمبر 3:۔

بھیرہ کے راجہ بھاٹیہ نے سلطان کے خلاف راجہ جے پال کی مدد کی تھی چنانچہ تیسرے حملے (1001-1004) میں اس کی سرکوبی ضروری ہوئی۔ سلطان کے اس حملے کا رخ بھیرہ کی طرف تھا۔ راجہ بھاٹیہ کے پاس ایک سو ہاتھی بھی تھے۔ چنانچہ اس نے قلعہ سے نکل کر سلطان کا مقابلہ کیا لیکن سلطان کے نیزہ بازوں اور تیر اندازوں نے ہاتھیوں کو اندھا اور لولا کر دیا۔ راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے بھی خودکشی کر لی۔

حملہ نمبر 4:۔ (ملتان، قرامطہ کے خلاف 394ھ مطابق 1007ء)

ملتان کا حکمران داؤد خود کو مسلمان کہتا تھا مگر اصل میں وہ قرامطہ کا پیروکار تھا۔ اس بے دین نے اسلام میں طرح طرح کی تبدیلیاں کر کے اسلام کی روح کو ختم کرنے کی کوشش کی چونکہ قرامطیوں میں شراب، زنا، جوا، قتل و غارت ہر چیز جائز تھی۔ اس لیے تمام بدمعاش اس میں شامل ہو گئے تھے۔ بڑی مشکل سے قرامطیوں کو ختم کیا گیا۔ انہوں نے تو اس قدر طاقت حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے خانہ کعبہ پر حملہ کر کے حجرِ اسود بحرین اٹھا لے گئے تھے۔ بہت سے قرامطی سندھ پہنچے تھے پھر وہاں سے ملتان آئے اور داؤد نے ہندوؤں کی مدد سے یہاں اپنی حکومت بھی قائم کر لی۔

سلطان نے قرامطہ کو ختم کرنے کے لیے ملتان پر حملہ کیا۔ اور داؤد وہاں سے بھاگ نکلا پھر سلطان کو اپنے مخالف ایلک خاں کی سرکوبی کے لیے غزنی واپس جانا پڑا۔

حملہ نمبر 5:۔ (بھیرہ، سکھ پال (نواسہ خاں) 395ھ مطابق 1008ء)

سلطان محمود نے بھیرہ فتح کرنے کے بعد وہاں سکھ پال جو نواسہ خاں کے نام سے مسلمان ہو گیا تھا۔ حکمران بنا دیا۔ مگر محمود کے واپس جاتے ہی وہ مرتد ہو گیا۔ محمود اس

98266

Marfat.com

وقت ایلک خاں کے خلاف کارروائی میں مصروف تھا۔ اسے اطلاع ملی تو 1008ء میں نہایت خاموشی سے بھیرہ روانہ ہوا۔ اس کی روانگی اور آمد کی خبر کسی کو کانوں کان نہ ہو سکی۔ محمود غزنوی اچانک ہی بھیرہ پہنچ گیا۔ اور اس مرتد کو گرفتار کر لیا۔ نواسہ خاں توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گیا اور محمود نے اسے معاف کر کے پھر بھیرہ کی حکمرانی اسے لوٹا دی۔

حملہ نمبر 6:۔ آنند پال، پشاور، وزیر آباد، نگر کوٹ 396ھ 1009ء

آنند پال محمود سے اپنے باپ کی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے بھارت کے تمام راجاؤں سے مدد مانگی۔ انہوں نے اپنے فوجی دستے بھیج دیئے، یوں 1009ء میں آنند پال ایک عظیم لشکر کے ساتھ پشاور کی طرف بڑھا۔ اسے تین ہزار وحشی گکھڑوں کی مدد بھی حاصل تھی۔ محمود فوراً اس کے مقابلے کو نکلا۔ ہندوؤں کی بھاری عددی اکثریت کے پیش نظر محمود نے اپنے لشکر کے گرد خندق کھدوائی۔ جنگ کے دوران وحشی گکھڑ خندق پار کر کے حملہ آور ہوئے مگر مجاہدین اسلام نے جان کی بازی لگا کر انہیں پیچھے دھکیل دیا۔

آنند پال کی فوج میں آگے ہاتھی تھے۔ وہ خود بھی ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ محمود کے نیزہ بازوں اور تیر اندازوں نے ہاتھیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ جنگ کے دوران ایک تیر آنند پال کو ایسا لگا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور ہاتھی اسے لے کر میدان سے نکل گیا۔ محمود کو فتح ہوئی۔ دشمن کی لاشوں سے میدان بھرا پڑا تھا۔

حملہ نمبر 7:۔ اگلے سال سلطان نے گجرات کا رخ کیا۔ یہ 400ھ اور 1010ء کا زمانہ تھا سلطان نے سیدھا گجرات کا رخ کیا جہاں آنند پال مقیم تھا۔ تھوڑی سی جنگ ہوئی تھی کہ آنند پال نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ راجہ نے تاوان جنگ کے علاوہ ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی تحفے میں دیا۔

حملہ نمبر 8:۔ محمود کے پہلے حملے کے وقت حاکم ملتان داؤد قرامطی، پنج ند بھاگ گیا تھا اور وہاں اس نے ایک فوج تیار کر لی تھی۔ محمود نے جاسوسوں کو چاروں طرف پھیلا دیا کہ اس کے آنے کی خبر کسی کو نہ ہو۔ دوسری طرف داؤد کے جاسوس محمود کی تلاش میں گھومتے پھر رہے تھے۔ محمود نے دراصل حاکم ملتان داؤد کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پس محمود کی ملتان روانگی اس قدر خفیہ اور برق رفتاری سے ہوئی کہ داؤد کے جاسوسوں کو

Marfat.com

اس کی مطلق خبر نہ ہوسکی۔ 1011ء میں محمود اچانک پنجند پہنچ گیا اور اس نے داؤد کی فوج کو گھیرے میں لے لیا۔

اب داؤد کو مجبوراً خود پیش ہونا پڑا۔ اس نے سلطان سے معافی مانگ لی اور دوبارہ مسلمان ہونے کی قسم کھائی۔ محمود نے اس کی قسم کا یقین کرلیا تاہم وہ داؤد کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔

یہ محمود کی آٹھویں مہم تھی۔

حملہ نمبر 9:۔ 401ھ مطابق 1012ء

ہندوؤں نے تھانیسر میں دشنو دیوتا کا تانبے کا بت نصب کیا ہوا تھا۔ ہندوؤں نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ بت آغاز عالم کے وقت سے وہاں موجود ہے۔ ادھر یہ خبر اڑا دی تھی کہ محمود تھانیسر پر حملہ کرنے والا ہے۔ محمود غزنوی اور آنند پال میں صلح ہوگئی تھی اس لیے آنند پال نے سلطان کو پیش کش کی کہ اگر تھانیسر پر حملہ نہ کیا جائے تو وہ اس کے بدلے میں دو ہزار سوار اور پچاس ہاتھی سلطان کو دے گا۔ سلطان نے یہ پیش کش قبول نہیں کی اور کہا۔

"بتوں کو توڑنے کا صلہ اسے جنت میں خدا کی طرف سے عطا کیا جائے گا۔"

دوسری طرف ہندوؤں کو محمود کے حملے کی خبر ہو چکی تھی اور انہوں نے فوجیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں مگر وہ اکٹھا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ محمود نے بڑی برق رفتاری سے 1012ء میں تھانبر (تھانیسر) پر حملہ کر دیا اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد تھانیسر پر قبضہ ہو گیا۔

محمود غزنوی نے دشنو بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔

حملہ نمبر 10:۔ مارگلہ، نندونہ کا قلعہ 405ھ مطابق 1014ء

آنند پال مر چکا تھا۔ اس کا بیٹا ترلوچن پال راجہ ہوا مگر وہ ایک کمزور طبیعت انسان تھا چنانچہ اس کا بیٹا بھیم پال حکومت چلاتا تھا۔ وہ بڑا بد دماغ اور متعصب تھا۔ اس نے راج پاٹ سنبھالتے ہی سلطان محمود کے ساتھ کیا گیا معاہدہ توڑ دیا۔ محمود کو علم ہوا تو وہ فوراً

Marfat.com

حملہ آور ہوا۔ بھیم پال بھاگ کر بال ناتو پہاڑ (مارگلہ) کے قلعہ نندونہ میں محصور ہو گیا۔ اسے دریائے جہلم کے ذریعہ کمک بھی پہنچ گئی۔ محمود نے قلعہ پر اتنے حملے کئے کہ فوج نے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ راجہ بھمبر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود کو مال غنیمت میں کئی ہاتھی اور کافی مقدار میں سونا ملا۔

حملہ نمبر **11**:۔ راجہ بھیم پال اور اس کے باپ ترلوجن پال نے راجہ کشمیر کے پاس پہنچ کے پناہ حاصل کی محمود کو علم ہوا تو اس نے **1016**ء لوہ کوٹ (کشمیر) پر حملہ کر دیا۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ مگر محمود کو سردی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس دوران بھیم پال اور ترلوجن وہاں سے بھاگ گئے اور راجہ کشمیر سنگرام نے صلح کی درخواست کی۔ محمود نے صلح کر کے قلعہ اسے واپس کر دیا اور غزنی لوٹ گیا۔

حملہ نمبر **12**:۔ انبالہ، دہلی، متھرا، قنوج، **407** ہجری مطابق **1012** عیسوی۔

دونوں بھگوڑے راجہ بھیم پال اور ترلوچن پال بھارت کے راجاؤں سے مدد کی بھیک مانگ رہے تھے۔ قنوج کے راجہ نے انہیں پناہ دی اور دہلی کے راجہ نے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ سلطان کو خبر ہوئی تو **1012**ء ایک لاکھ بیس ہزار لشکر کے ساتھ جہاد پر روانہ ہوا۔ ہنڈ اور منگلا ہوتا ہوا محمود انبالہ پہنچا۔ وہاں راجہ سنگرام اس کے ساتھ ہو گیا۔

غزنوی لشکر بڑی تیز رفتاری سے میرٹھ اور دہلی پر قبضہ کرتا ہوا انبالہ پہنچا، وہاں راجہ سنگرام اس کے ساتھ ہو گیا۔ اب اسلامی لشکر نے اور زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ میرٹھ اور دہلی پر قبضہ کرتا ہوا متھرا پہنچا جو ہندوؤں کے قول کے مطابق سری کرشن کی جنم بھومی تھی۔

محمود کے آنے کی خبر پا کر محافظ فوج فرار ہو گئی۔ متھرا میں ایک ہزار مندر تھے۔ وہاں سے پانچ سو من سونا حاصل ہوا۔ ایک بت کی آنکھ میں ''ارزق'' ہیرا جڑا ہوا تھا۔ متھرا سے محمود قنوج پہنچا وہاں کا راجہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد محمود نے جون پور اور بنارس فتح کئے اور پھر غزنی واپس ہو گیا۔

محمود کی فوج کے دوسرے حصے نے کنج پر حملہ کیا۔ وہاں ایک سفید ہاتھی تھا۔ محمود نے اس کا نام خداداد رکھا۔ واپسی پر اس نے غزنی میں عروس فلک نام کی ایک مسجد تعمیر کرائی۔

Marfat.com

حملہ نمبر 13، 14:۔ گوالیار کی فتح 410ھ مطابق 1023ء

1020ء مطابق 410ھ میں سلطان محمود نے گوالیار اور جمنا کے مغرب میں کئی اور شہر فتح کیے۔ گوالیار سے سلطان کو پانچ سو اسی ہاتھی اور بے شمار مال و دولت حاصل ہوئی۔

413ھ مطابق 1020ء میں سلطان نے سوات اور دیر کا رخ کیا جہاں بہت بلند و بالا پہاڑ اور چوٹیاں تھیں مگر سلطان نے کوئی پرواہ نہ کی۔ دونوں علاقوں پر حملہ کر کے قابض ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی سلطان نے کافرستان کا علاقہ بھی 1020-1021 میں فتح کیا تھا۔

حملہ نمبر 15:۔ کالنجر کا قلعہ ہندوستان کے چند عظیم قلعوں میں سے ایک مشہور اور مضبوط قلعہ تھا۔ اس پر حملے کے لئے سلطان نے لکی مروت، بھیرہ، بھرت پور اور گوالیار کا راستہ اختیار کیا۔ راجہ کالنجر کے پاس ایک لاکھ فوج اور پانچ سو جنگی ہاتھی تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو راجہ نے عیاری سے اپنے تین سو ہاتھیوں کو شراب پلا کر محمود غزنوی کے لشکر کی طرف ہنکا دیا۔ بدمست اور مخمور اور شراب میں چور یہ ہاتھی پہاڑ کی طرح سلطانی لشکر پر بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑے مگر سلطان کے نیزہ بازوں نے انہیں نیزوں پر رکھ لیا اور انہوں نے تاک تاک کر نیزے ہاتھیوں کی آنکھوں میں مارے اس کے ساتھ ہی انہوں نے نیزوں سے ہاتھیوں کی ٹانگوں کو زخمی کر کے انہیں لولا اور لنگڑا کر دیا۔ اس کے نتیجے میں یہ زخمی ہاتھی پلٹ کر اپنی ہی فوج کی طرف بھاگنے لگے۔ اور انہوں نے اپنی فوج کو کچلنا اور زخمی کرنا شروع کر دیا۔

راجہ کے لیے یہ زخمی ہاتھی مصیبت بن گئے۔ وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے فوراً صلح کی پیش کش کی جسے سلطان نے منظور کر لیا۔ راجہ نے صلح کے نتیجے میں زر و جواہر کے علاوہ تین سو ہاتھی سلطان کو تحفے میں دیئے۔

حملہ نمبر 16:۔ سومنات 415ھ مطابق 1021-1022ء

بھارت کے نقشہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اپنے پندرہ حملوں میں بہار اور بنگال کے سوا شمالی ہند کا پورا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ یہ بات شمالی

Marfat.com

اور جنوبی ہند کا ہر راجہ جانتا تھا۔ شمالی ہند والوں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ بہار اور بنگال بہت دور ہونے کی وجہ سے شاید محمود اُدھر کا رخ نہ کرے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سلطان محمود اس قدر دلیر مجاہد ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا سال باقی رہ گیا ہو جس میں سلطان لشکر لے کر جہاد کے لیے نہ نکلا ہو۔

ان باتوں کے پیش نظر راجاؤں کو یہ گمان ہوا کہ محمود جنوبی ہند کا رخ ضرور کرے گا۔ ان کے جوتشیوں نے بھی یہی بتایا تھا۔ ایک جوتشی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ محمود کے لشکر کا رُخ جنوبی ہند کی طرف ہوگا۔ ایک جوتشی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آئندہ محمود کے لشکر کا رخ جنوبی ہند اور خاص کر اجمیر کی طرف ہے اور وہاں مسلمان لشکر دکھائی دے رہا ہے۔

پس یہ بات پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ راجہ اجمیر نے سنا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اس قدر گھبرایا اور حواس باختہ ہوا کہ یہ سنتے ہی اپنی ملکہ کو فوج کے حوالے کر کے خود قلعہ سے فرار ہو گیا۔ جب راجہ بھی اپنی راجدھانی چھوڑ گیا تو شہر والے بھی ایک ایک کر کے ادھر اُدھر ہو گئے۔ اب مندر والوں کی باری تھی۔

مندر کے پانڈوں، پنڈتوں اور گرو گھنٹالوں نے سوچا کہ جب راجہ کو مندر کی فکر نہیں تو وہ اپنی جان کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں چنانچہ وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے۔ غرض یہ کہ ہر ایک کو اپنی جان کی فکر تھی مندر کو تو جیسے وہ بھول ہی گئے تھے۔

اجمیر کے بڑے مندر میں بہت سی دیوداسیاں تھیں۔ جن کے ماں باپ ثواب کے لیے انہیں مندروں میں بھجوا دیتے تھے اور پھر ان کی طرف سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیتے تھے۔ یہ پہاڑی دیوداسیاں گرو گھنٹالوں اور پانڈوں کی ہوس کا نشانہ بنتی تھیں مگر جب موت کا خطرہ پیدا ہوا تو یہ پانڈے اپنی دیوداسیوں سے منہ موڑ گئے اور انہیں مندر میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور وہ بیچاری چیختی چلاتی ہی رہ گئیں۔

ان دیوداسیوں میں ''رتنا سری'' نام کی ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔ ایک سال پہلے اس کا باپ اسے مندر کے حوالے کر گیا تھا۔ مندر کا مہا گرو رتن پانڈے تھا۔ اس نے جب سنا کہ لڑکی کا نام رتنا سری ہے۔ تو اس نے مندر میں اعلان کرا دیا۔

Marfat.com

''رتنا سری، رتن پانڈے کی سیوا (خدمت) میں رہے گی۔''

اس اعلان پر سب پانڈوں اور پنڈتوں نے سر جھکا دیئے۔ اس دن سے رتن سری، رتن پانڈے کی ملکیت ہو گئی۔ رتن سری نے پہلے ہی دن مندر کے رنگ ڈھنگ سمجھ لیے۔ باقی باتیں اس سے پہلے آنے والی دیوداسیوں نے اسے بتا دیں اور اسے صاف الفاظ میں تاکید کی۔

''رتن سری! مندر سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ جان سے جاؤ گی۔''

اور سمجھدار رتن سری نے رتن پانڈے اور مندر کے تمام حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔

یہ سب کچھ تو ادھر ہوا ہی کرتا تھا مگر سلطان کے لشکر کا ابھی تک دور دور تک پتہ نہ تھا مگر بزدل راجہ اور اس کے بزدل مندر کے پنڈت اور پانڈے اپنی جانیں بچا کے مندر کو چھوڑ بھاگے۔

اب مندر میں سوائے گرو کے اور کوئی دوسرا پنڈت باقی نہ رہ گیا تھا۔ دیوداسیاں رتن سری کی قسمت پر رشک کرنے لگی تھیں۔ کیونکہ اس کا مہا گرو اب تک مندر میں جما ہوا تھا۔ رتن سری اپنی جگہ سہمی سہمی اور خوفزدہ تھی۔

ایک دن رتن سری نے مہا گرو کو صبح سے دوپہر تک ایک ہی آسن پر دیکھا تو گھبرا گئی۔ اسے فکر ہوئی کہ کہیں مہا گرو بیٹھے ہی بیٹھے دوسری دنیا میں تو نہیں چلے گئے۔ چنانچہ اس نے جرأت کر کے آہستہ سے مہا گرو کے ننگے بدن کو چھوا انہوں نے جھٹ سے دونوں آنکھیں کھول دیں۔

گرو مسکرائے اور پوچھا۔

''رتن سری کیا بات ہے تو گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟''

''گھبرانے کی تو بات ہی ہے مہا گرو، میری جان پر بنی ہے اور آپ مسکرا رہے ہیں۔'' رتن سری نے ہولے ہولے کہا۔

مہا گرو بولے۔

''نہیں رتن سری تو بالکل نہ گھبرا۔'' مہا گرو نے اسے تسلی دی۔ ''تیرا خیال ہے کہ دوسرے بھگوڑوں کی طرح میں بھی تجھے چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟''

Marfat.com

''مہا گرو'' رتن سری نے جواب دیا۔ ''جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔ سب چلے گئے آپ بھی چلے جائیں گے تو میں کیا کروں گی؟''

''نہیں رتن سری تو بالکل نہ گھبرا۔'' مہا گرو نے اسے تسلی دی۔ ''تو نے اب تک میرا ساتھ تو دیا ہے۔ میں زندگی کے آخری وقت تک تجھے دھوکہ نہیں دوں گا۔ وقت آنے پر تجھے میری سچائی......''

اسی وقت مندر میں بھگدڑ مچ گئی۔ کئی دیوداسیاں ہانپتی کانپتی وہاں آئیں۔

ایک نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''مہا گرو، چند آدمی بھاگتے ہوئے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک لشکر ادھر بڑھا چلا آ رہا ہے۔''

گرو گھنٹال اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے پوچھا۔

''خبر لانے والے کہاں ہیں؟''

دیوداسی نے بتایا۔

''وہ تو خبر دینے آئے تھے اور اسی وقت لوٹ گئے۔''

گرو جی کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ایک دوسری دیوداسی نے پوچھا۔

''مہا گرو...... ہمارا کیا ہو گا؟''

مہا گرو نے انہیں تسلی دی۔

''تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ایک تو یہ بات مشہور ہے کہ مسلمان، بچوں عورتوں اور بوڑھوں، مندر کے پنڈتوں اور گروؤں کو کچھ نہیں کہتے۔ پھر بھی اگر تمہیں خوف ہے تو قلعہ کے دروازے پر جاؤ۔ اور آواز دو کہ ہمیں مہا گرو نے قلعہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا دروازہ تمہارے لئے کھل جائے گا۔''

''اور رتن سری آ'' ایک دیوداسی نے اس حسین دیوداسی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مہا گرو نے ہنس کر کہا۔

''یہ اس کی مرضی، تمہارے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔''

''میں مہا گرو کے ساتھ رہوں گی۔'' رتن سری نے انہیں صاف جواب دیدیا اور وہ

Marfat.com

سب کی سب قلعہ کی طرف چلی گئیں۔

اُدھر مہا گرو کا نام لینے سے قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور انہیں پناہ مل گئی۔

مہا گرو نے مندر کے تمام دروازے کھول دیئے اور ایک اونچی دیوار پر کھڑے ہو کر باہر کا نظارہ کرنے لگے رتن سری گھبرائی ہوئی ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔

سورج ڈھل رہا تھا جب سامنے سے گرد اڑی اور اسلامی پھریرے نمودار ہوئے۔ اسلامی لشکر گروہ در گروہ آگے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر لشکر سے چار سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے نکلے وہ مندر کی طرف آ رہے تھے۔ رتن سری کے پیر کپکپانے لگے۔ سوار مندر کے پہلو سے نکل کر آگے چلے گئے۔ شاید وہ قلعہ دیکھنے گئے تھے مگر وہ فوراً ہی واپس آئے پھر جب وہ مندر کے قریب سے گزرے تو انہوں نے بڑا کنواں دیکھا اور رک گئے۔

ایک سوار نے گھوڑے سے اتر کر کنویں میں جھانکا پھر واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو کچھ بتایا پھر وہ سب لشکر کی طرف چلے گئے۔

مہا گرو اور رتن سری دیوار پر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اسلامی لشکر آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کرے گا۔ مگر انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آگے بڑھتا ہوا اسلامی لشکر اچانک رک گیا۔ پھر تھوڑا پیچھے جا کر لشکریوں کے قیام کے لیے ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کا بازار لگ گیا۔

مہا گرو کو زیادہ تعجب اس بات کا تھا کہ اسلامی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کیوں نہیں کیا اور ذرا دور ہٹ کر کیوں پڑاؤ ڈالا۔ یہ بات اور تعجب خیز تھی کہ لاکھوں لشکریوں کے لیے صرف چند خیمے لگے تھے۔ باقی خیموں کے بنڈل بندھے پڑے تھے۔

مہا گرو کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ سمجھ گیا کہ اسلامی لشکر کی منزل اجمیر نہیں بلکہ کوئی اور جگہ ہے اور یہاں ان کا قیام عارضی ہے۔ اب مہا گرو نے کانپتی ہوئی رتن سری کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر مندر کے اندر آ گیا۔ پھر اس نے رتن سری سے کہا۔

''اب تمہارا کام شروع ہوا ہے۔ تمہیں اپنی وفاداری کا ثبوت دینا ہے۔ کیا تم اس کے لئے آمادہ ہو؟''

رتن سری نے پورے اطمینان سے جواب دیا۔

Marfat.com

''ہاں گرو میں تیار ہوں۔ میں آپ کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔''

''یہ بات ہوئی ناں'' مہاگرو نے اس کی تعریف کی۔ ''مسلمانوں کے لشکر نے یہاں آ کر قلعہ کا محاصرہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل منزل کوئی اور جگہ ہے۔ اب تمہیں اسلامی لشکر میں جانا ہے اور اپنی خوبصورتی، جوانی، چالاکی، چرب زبانی کے زور پر یہ معلوم کرنا ہے کہ اسلامی لشکر یہاں کیوں ٹھہرا ہے اور اس کا نشانہ کونسا شہر بننے والا ہے؟''

رتن سری گھبرا گئی۔ اس نے پوچھا۔

''میں وہاں گئی اور انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو میں کیا کروں گی؟''

''یہ باتیں تمہارے خود سوچنے کی ہیں۔ میں نے کہہ دیا کہ تمہیں اس کام کے لیے اپنی خوبصورتی اور جوانی کی بازی تک لگانی ہے۔''

رتن سری نے معصومیت سے پوچھا۔

''اور اگر انہوں نے میری عزت لوٹ لی تو؟''

''جو عزت لٹ چکی ہو وہ دوبارہ نہیں لٹا کرتی۔'' مہاگرو نے غصے سے جواب دیا۔ ''پھر ایشور اور دیوتاؤں کے لیے تو لوگ جان تک قربان کر دیتے ہیں۔''

رتن سری چڑ گئی اور سخت لہجے میں بولی۔

''مگر یہ بھی تو ہوا ہے کہ عورت نے اپنی عزت بچانے کے لیے اپنی جان بھی نچھاور کر دی۔''

مہاگرو کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ پھر بولا۔

''خیر تمہاری مرضی لیکن مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔''

رتن سری فوراً نرم پڑ گئی۔ اس نے کہا۔

''مہاگرو آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کے لیے جان سے بھی گزر جاؤں گی۔''

اسی وقت اسلامی لشکر کی طرف سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔

مہاگرو نے رتن سری سے کہا۔

''اب تمہارے کمال دکھانے کا وقت آ گیا ہے۔ کسی طرح اس آدمی کے ساتھ لگ کر

Marfat.com

اس سے یہ معلوم کرو کہ سلطان کے کیا ارادے ہیں؟''

رتن سری جانے کو تیار ہو گئی۔ اس نے چلتے وقت پوچھا۔

''میں آپ کو اطلاع کس طرح دوں گی؟''

''فکر نہ کر رتنا۔'' مہا گرو نے بڑے پیار سے کہا۔ ''جب تو لشکر سے کامیاب پلٹے گی تو میں تجھے اپنے سامنے کھڑا ملوں گا۔ چاہے تو آج واپس آئے یا کل میں اس لشکر کے ساتھ ساتھ ہوں گا۔''

رتن سری مندر سے نکلی اور بھاگتی ہوئی اس آدمی کے پاس پہنچی جو ادھر آ رہا تھا۔ وہ آدمی ایک جوان لڑکی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

رتن سری نے اس کے پاس پہنچ کر ہانپتے ہوئے کہا۔

''مجھے بچا لو جوان، میرا باپ ایک بوڑھے سے میری شادی کرنا چاہتا ہے۔''

یہ جوان جس کا نام بغرا خان تھا سلطان کی منجنیقوں کے ایک یونٹ کا حاکم تھا۔ اس منجنیق پر ستر آدمی کام کرتے تھے اور وہ تمام کے تمام بغرا خاں کے ماتحت تھے۔ بغرا خاں، جوان اور خوبصورت لڑکی کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔

اس نے کہا۔

''میں تمہیں بچا سکتا ہوں مگر ایک شرط پر۔''

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے جوان۔'' رتن سری نے جلدی سے جواب دیا۔

''تمہیں میرے ساتھ شادی کرنا ہو گی۔'' بغرا خاں نے فوراً اپنی شرط بیان کر دی۔

رتن سری نے ایک لمحہ سوچا پھر بولی۔

''مجھے منظور ہے۔''

بغرا خاں رتن سری کو اپنے ساتھ اپنے یونٹ میں لے گیا۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا۔ پھر بھی اس کے نائب نے پوچھا۔

''سردار تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے؟''

بغرا خاں نے جواب دیا۔

یہ سب تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ''پہلے تم پیش امام کو بلا کے لاؤ۔ کہنا کہ میرے استاد

Marfat.com

کو آپ سے ایک ضروری کام ہے۔''

اس کا نائب بھاگ کے گیا اور ساتھ میں امام کو لے کے آ گیا۔ بغرا خان نے پیش امام کو تمام حالات بتا دیئے اور درخواست کی کہ اسی وقت ان کا نکاح پڑھا دیا جائے۔ پیش امام کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے رتن سری کو اسی وقت مسلمان کیا اور بغرا خاں سے اس کا عقد کر دیا۔

Marfat.com

سومنات، بحیرہ عرب کے کنارے کاٹھیاوار میں ایک مشہور شہر تھا۔ سمندر کی ایک شاخ اس مقام تک پہنچتی تھی۔ جہاں سومنات کا مندر بنا ہوا تھا۔ چونکہ اس مندر میں سومنات کا بت نصب تھا اس لیے وہ مندر اور پورا شہر سومنات کے نام سے مشہور تھا۔ بعض تواریخ میں سومنات کو دریائے عمان کے کنارے آباد بتایا گیا ہے جو قطعی غلط ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی غلط ہے کہ سومنات کا بت حضور ﷺ کے زمانہ میں خانہ کعبہ سے لا کر اس جگہ نصب کیا گیا تھا۔

ہندو دیو مالا کے مطابق یہ بت ان کے دیوتا سری کرشن کے زمانہ سے اس جگہ نصب ہے۔ ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سری کرشن نے اس مقام پر دنیا اور اہل دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔

سلطان محمود غزنوی نے غزنی سے اپنی روانگی بہت پوشیدہ رکھی تھی سلطان محمود غزنوی وسط رمضان المبارک 415ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ ملتان پہنچا۔ آگے کا راستہ چونکہ بے آب و گیاہ تھا۔ اس لیے سلطان نے لشکر کے لیے بیس ہزار اونٹوں پر کھانے پینے کا سامان رکھوا کر آگے قدم بڑھائے۔

یہ خشک اور بے آب و گیاہ صحرا ختم ہوا تو سلطان کا لشکر اجمیر کی سرحد پر پہنچ گیا تھا۔ سلطان کو شاید سومنات پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے اس نے اجمیر کے قلعہ کو فتح کرنے کا قصد نہیں کیا بلکہ اس کے پہلو سے نکل کر آگے بڑھ گیا۔ راستے میں کچھ اور بھی قلعے نظر پڑے مگر سلطان پر خدا کی کچھ ایسی نظر تھی کہ کسی قلعہ نے بھی اسلامی لشکر کی مزاحمت کی کوشش نہیں کی بلکہ خود قلعہ والوں نے حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کیں۔

اس کے بعد سلطان کو بھی ہزدالہ جسے پٹن گجرات کہتے ہیں دکھائی دیتا ہے۔ جب

Marfat.com

سلطانی لشکر پٹن پہنچا تو وہاں کی پوری کی پوری آبادی گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں پوشیدہ ہو گئی۔ سلطان نے پٹن سے صرف غلہ حاصل کیا پھر وہ تیزی سے سفر کرتا ہوا سومنات کے نزدیک جا پہنچا۔ جب سلطان کا لشکر سمندر کی اس شاخ پر پہنچا جس کے کنارے سومنات آباد تھا تو اس نے دیکھا کہ سومنات کا شہر جو دراصل ایک قلعہ تھا بہت بلندی پر ہے اور لوگ قلعہ کی فصیل پر کھڑے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔

''اے ملیچھ مسلمانو! ہمارا دیوتا سومنات تم کو یہاں اس لیے کھینچ لایا ہے کہ تم سب کو ایک ساتھ ختم کر کے ان تمام بتوں کا بدلہ لیا جائے جو تم نے توڑے ہیں۔''

سلطان ان کی باتوں پر مسکرا دیا اور مسلمان لشکر نے ہاتھ ہلا ہلا کر فصیل پر کھڑے ہندوؤں کا مذاق اڑایا۔

دوسرے دن صبح کو سلطان نے قلعہ پر حملے کا حکم دیا اور اسلامی لشکر بڑی تیزی سے یلغار کرتا ہوا اس کی فصیل تک پہنچ گیا۔ ہندوؤں کو یہ یقین تھا کہ ان کا دیوتا مسلمانوں کو ایک اشارے میں ختم کر دے گا لیکن جب انہوں نے اسلامی لشکر کو فصیل کے نیچے دیکھا تو وہ بے حد گھبرائے، وہ نیچے اترے اور سومنات کے بت کے سامنے سجدے میں گر کر دعائیں مانگنے لگے۔

اس دوران اسلامی لشکر سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ گیا اور وہاں تمام دن دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ یہ قلعہ ایک بہت بڑا شہر تھا جس میں لاکھوں کی تعداد میں سومنات کے محافظ موجود تھے۔ وہ سب تلواریں کھینچ کھینچ کے مسلمانوں کے مقابلے پر آ گئے اور صبح سے شام تک جنگ کرتے رہے۔ مگر تمام دن کی جنگ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اندھیرا ہوتے ہی سلطان نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ سلطان فصیل سے اتر کر لشکر گاہ میں آ گیا اور تمام رات اللہ کی عبادت میں مصروف ہو کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتا رہا۔

دوسرے دن صبح کو سلطانی لشکر نے پھر قلعہ کی طرف یلغار کی اور لشکر فصیل تک پہنچ گیا۔ وہاں کل کی طرح مسلمانوں نے آج پھر سیڑھیاں لگائیں اور اوپر چڑھ گئے۔ ہندو

Marfat.com

یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے دیوتا نے واپس کر دیا ہے مگر جب دوسرے دن پھر وہ ان کے سر پر نازل ہو گئے تو بت پرستوں نے سومنات کے بت سے گلے مل مل کے مرنے مارنے کا عہد کیا اور پھر۔

مارو ...... مارو. کا نعرہ لگا کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا، مسلمان ان کے سر کاٹتے کاٹتے تھک گئے۔ جنونی ہندو کٹ کٹ کے گر رہے تھے مگر پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خود کو قربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سلطان محمود ان کے اس جوش و جذبہ کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

سومنات کے اندر تو یہ حال تھا اور ادھر باہر یہ کیفیت تھی کہ شہر اور قلعہ کی حفاظت پر جو لشکر مامور تھا وہ سب سمٹ کے مندر والوں کی مدد کو پہنچ گیا۔ یہ ''پرم دیو'' اور ''دابشلیم'' کے لشکر تھے جو اور زیادہ جوش سے لڑتے تھے۔ جنگ اس قدر تیز اور شدید ہو گئی کہ میدان میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

اس وقت سلطان نے محسوس کیا کہ اسلامی لشکر میں کچھ بددلی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں چنانچہ وہ فوراً ایک گوشہ میں پہنچا اور حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگی۔ لشکریوں نے سلطان کو سجدے میں دیکھا تو انہیں جوش آ گیا اور انہوں نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ہندوؤں کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

اس جنگ میں پانچ ہزار سومناتی مارے گئے۔ باقی چار ہزار پجاری اور لشکری کشتیوں میں بیٹھ کر سراندیپ (لنکا) کی طرف بھاگ نکلے۔ سلطان نے اس کا پہلے انتظام کر رکھا تھا۔ اس کی جنگی کشتیاں سمندر میں موجود تھیں انہوں نے سومناتی کشتیوں کو غرق کرنا شروع کر دیا۔

مکمل فتح کے بعد سلطان اپنے بیٹوں اور سرداروں کے ساتھ سومنات کے مندر میں داخل ہوا۔ یہ مندر خاصا وسیع تھا۔ اس کی چھت چھپن (56) ستونوں پر قائم تھی۔ سومنات کا بت پانچ گز (پندرہ فٹ) لمبا تھا۔ اس کا دو گز حصہ زمین کے اندر اور تین گز اوپر تھا۔ سلطان نے حقارت سے بت پر نظر ڈالی اور گرز لے کر اسے توڑنے کا قصد کیا۔

Marfat.com

اس وقت مندر کے بڑے پجاری نے سلطان سے درخواست کی۔

''اگر بادشاہ سلامت ہمارے بت کو نہ توڑیں تو ہم اس کے بدلے میں منہ مانگی دولت دینے پر تیار ہیں۔''

اس درخواست کے جواب میں سلطان محمود غزنوی نے جواب دیا۔

''اگر میں بت توڑنے کے بجائے اس کی قیمت وصول کروں تو میرے مرنے پر لوگ مجھے ''محمود بت فروش'' کہہ کر پکاریں گے اس لئے میں یہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ چاہتا ہوں مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے پکارا جائے۔''

یہ کہہ کر سلطان نے سومنات کے بت کو گرز مار کر اس کا بالائی حصہ توڑ دیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ بت کے اندر سے اس قدر جواہرات اور سچے موتی نکلے جن کا شمار کرنا ناممکن تھا۔ یہ بت شکن محمود کی ''نیک نیت'' کا نتیجہ تھا۔

سلطان محمود غزنوی نے 1000ء میں پہلی بار اپنے پرانے دشمن راجہ جے پال والی پنجاب، سرحد اور کشمیر پر حملہ کیا اور پشاور کے قریب راجہ جے پال کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور فتح پائی۔ پھر محمود غزنوی نے ملتان کے بے دین حاکم داؤد پر حملہ کرنے کے لیے ملتان کا رخ کیا تو راجہ آنند پال والی پنجاب نے اس کا راستہ روکنا چاہا۔ پھر جب مقابلہ ہوا تو راجہ آنند پال ڈر کر تیزی سے بھاگا اور کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ اب محمود ملتان پہنچا تو ابوالفتح نے اپنے برے عقائد کی معافی مانگی اور محمود نے اسے معاف کر دیا۔

محمود چاہتا تھا کہ اپنے قرب و جوار کے علاقے بھی فتح کرتا جائے لیکن اسے پتہ چلا کہ ترکستان کا امیر ایلک خاں ایک بڑے لشکر کے ساتھ خراساں پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے پس محمود نے فوراً ایک نومسلم سکھ پال کو مغربی پنجاب کا حاکم کیا اور نہایت تیزی سے خراساں پہنچا اور ایلک خاں پر حملہ آور ہوا۔ ایک خوفناک جنگ کے بعد محمود کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ ادھر آنند پال نے ہندوستان کے سارے راجاؤں کو محمود کے خلاف ابھارا اور وہ اجین گوالیار، کالنجر، قنوج اور اجمیر اور بیسوں دوسرے راجاؤں کی متحدہ فوجوں کو لے کر پشاور کی طرف چلا تاکہ محمود پر حملہ آور ہو لیکن محمود نے اس کی یلغار

Marfat.com

کی خبر سنی تو غزنی سے روانہ ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر کے ویہند کے مقام پر آنند پال کے لشکر جرار کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔

چالیس روز تک ہندو فوجوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ اس وقت محمود نے حملے کی ابتدا کی، کھوکھر قوم کے ہندو فوجیوں نے ننگے سر اور ننگے پاؤں زبردست جنگ کی لیکن اللہ تعالیٰ نے محمود کو شاندار فتح دی۔ اس جنگ میں آٹھ ہزار ہندو قتل ہوئے۔ اس جنگ میں ہندوؤں نے پوری طاقت صرف کر دی تھی لیکن وہ محمود کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے نگر کوٹ (کانگڑا) تھانیسر فتح کئے۔ اگلے سال اُس نے افغانستان، سیستان، قزدین اور خوارزم کے سرکشوں کی دُرگت بنا کر انہیں اپنا اطاعت گزار اور تابعدار بنا لیا۔ اس کے بعد ہی محمود نے بلند شہر، قنوج مھور کالنجر فتح کئے۔

ان فتوحات سے محمود فارغ ہو کر غزنی واپس آ گیا اور وہاں اُس نے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ اور کتب خانہ بھی قائم کیا۔ پھر محمود، راجہ آنند پال کے وارثوں کی سازشوں کو ختم کرنے کے لئے پنجاب آیا اور لاہور فتح کر کے اپنے مشہور غلام ''ایاز'' کو اس شہر کا گورنر مقرر کیا۔

اس کے بعد جب سلطان محمود، راجپوتانہ کے دُشوار گزار ریگستان کو طے کر کے اچانک کاٹھیاوار کے دارالحکومت انہل واڑہ (پٹن) کے سامنے نمودار ہوا تو راجہ اور اُس کی رعایا اُسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ راجہ بھاگ نکلا اور محمود گجرات سے ہوتا ہوا سومنات کے سامنے پہنچ گیا اور وہاں وہ مکالمہ ہوا جو شروع میں درج ہے۔

یعنی محمود نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ روزِ قیامت ''محمود بت فروش'' کے نام سے نہ پکارا جائے۔ بلکہ مجھے لوگ ''محمود بت شکن'' کے نام سے آوازیں دیں۔''

یہ فقرے محمود نے سومنات کے ان مہنتوں کی استدعا کے جواب میں کہے تھے جنہوں نے محمود سے درخواست کی تھی کہ وہ سومنات کے سب سے بڑے بت کو نہ توڑے اور اس کے بدلے میں منہ مانگی دولت حاصل کر لے۔ محمود غزنوی کے یہ جملے تاریخ اسلام کے

Marfat.com

صفحات پر سنہرے حروف میں درج ہیں اور ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔

مگر یہ واضح حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک مستقل حکومت قائم کرنے کا خیال محمود غزنوی کو کبھی نہیں آیا۔ اُس نے برصغیر کا جو مختصر حصہ اپنی حکومت میں شامل کیا وہ بھی فوجی ضروریات کے تحت تھا۔ اس سلسلے میں محمود کی آماجگاہ وسط ایشیا اور ایران تھے جن کو فتح کر کے محمود ایک وسیع غزنوی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتا تھا۔ وسط ایشیا اور ایران میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ محمود غزنوی اپنے آپ کو اُن امراء سے بلند کر کے ان پر اپنا اقتدار جمانا چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے اُسے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ پہلی چیز فاتحانہ شہرت اور دبدبہ اور دوسری چیز دولت۔

محمود نے یہ دونوں چیزیں برصغیر پاک و ہند سے حاصل کیں۔ برصغیر پر اس کی فاتحانہ فوج کشی کی صدائے بازگشت دُور دراز ممالک میں پہنچی اور سلاطین عجم کے دلوں میں اُس کی دھاک بیٹھ گئی۔ اُن کی نظروں میں اُس کی حیثیت ایک غازی اور بت شکن کی تھی۔ خود خلیفہ بغداد اُس سے بہت متاثر ہوا۔

برصغیر پر حملوں سے محمود کا مقصد اشاعت اسلام نہیں تھا۔ ہر چند کہ اُس کے ساتھ مبلغین آئے اور اشاعت اسلام کے لئے راستہ صاف ہوا لیکن محمود نے اشاعت اسلام کے لئے ہندوستان میں کوئی مستقل ادارہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو تبدیلی مذہب کے لئے مجبور کیا۔

سبکتگین کے بعد جے پال چاہتا تھا کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے کو واپس لے لہٰذا وہ جلد ہی محمود سے اُلجھ پڑا۔ 1000ء میں محمود نے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر 1001ء- 1002ء میں پشاور اور ویہند کے مقامات پر جے پال کو شکستیں دیں اور وہ بمعہ 15 افراد گرفتار ہوا اور جے پال نے دو لاکھ پچاس ہزار دینار بطور تاوان ادا کئے اور رہا کر دیا گیا۔ واپسی پر جے پال کو اس قدر خجالت ہوئی کہ اُس نے چتا میں خود کو جلا دیا۔

نامرادی اور عبرت کی جتنی مثالیں دولت مندوں، ملوک اور سلاطین عالم میں ملتی ہیں وہ اس دنیا میں کسی اور طبقے کے لوگوں کی نہیں ملتیں۔ بادشاہوں اور سلطانوں کے ذرا ذرا سے حالات تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ دنیا میں کب آئے اور

Marfat.com

کب رخصت ہو گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ جو لوگ جتنے زیادہ معزز اور معتبر ہوتے ہیں وہ اسی قدر حوادث کا شکار بن جاتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سب سے زیادہ مصیبتیں بڑے لوگوں اور خاص کر بادشاہوں کو جھیلنا پڑتی ہیں۔

اس وقت ہم ابن المعتز کا محترم نام آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ برائے نام ہی صاحب دولت اور حکومت تھا۔ اس کا شمار دراصل جادو بیانوں، اعلیٰ درجے کے ادیبوں اور مشہور و معروف علماء اور فضلا میں ہوتا تھا۔ اُس کی شاعری نے عرب میں نئی جان ڈالی تھی اور اُس کی عمر کا سارا حصہ علمی مشاغل اور اہل علم وفضل کی صحبت میں بسر ہوا تھا۔ صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے تاج وتخت کا گنہگار تھا جس کا ایسا سخت خمیازہ بھگتنا پڑا کہ اُس کی حالت بڑے نامرادانِ سلطنت سے زیادہ عبرتناک ہے۔

اُسے تخت وتاج کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا۔ مزاج میں تمکنت، خودداری اور نیک نفسی کا عنصر غالب تھا کہ جب اراکین دولت اور عمائد بغداد نے حاضر ہو کر تاج شہریاری پیش کیا تو کمال بے اعتنائی سے بولا۔

"میں ایسے تخت وتاج سے باز آیا جو خونریزی اور قتل وغارت سے ملتا ہو۔ اگر اس کا اطمینان دلایا جائے کہ میری تخت نشینی میں کسی متنفس کا بھی خون نہ بہے گا تو بے شک قبول کروں گا۔ ورنہ مجھے خون سے بھرا تخت نہیں چاہیے۔"

حاضرین نے زمین بوس ہو کے عرض کیا۔ "حضور کی مرضی کے موافق ہی ہوگا۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ امیر المومنین کی مسند نشینی کے لئے کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے گی۔"

بے شک یہ وعدہ پورا ہوا اور بغیر اس کے کہ کسی مخالف یا حریف سلطنت کی جان لی جائے وہ سریر خلافت پر فائز ہوا۔ لوگوں نے جوش وخروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن اس بیعت کو چوبیس گھنٹے گزرے تھے کہ کسی بدخواہِ سلطنت یا باغی خلافت کے عوض خود اُس کی قربانی تخت وتاج پر چڑھا دی گئی۔ بے شرم ترکی سردارانِ فوج کے بے رحم ہاتھوں نے اُس کو تخت شہنشاہی سے کھینچ کر نیچے گرا دیا اور طرح طرح کے عذابوں سے اُس کی جان لی۔

اُس کا پورا نام ونسب عبداللہ ابن محمد المعتز ابن المتوکل بن ہارون رشید ہے۔ باپ

Marfat.com

دادا اور پردادا اور ان کے بعد دیگر اجداد بڑے بڑے تاجدار اور آل عباس کے خلیفہ ہوتے آئے تھے۔ پردادا یعنی المعتصم باللہ جو عباسیوں کا آٹھواں خلیفہ تھا جس نے عربوں کو مئے عیش مطرب میں سرشار و مخمور دیکھ کر نوجوان ترکی و تاتاری غلاموں کی ایک نئی فوج بھرتی کی اور بغداد کے قریب ہی سرمن رائے نام کا ایک نیا شہر بسا کے اُس میں اُس کا کیمپ قائم کیا۔

ان نئے سپاہیوں کی اطاعت اور خلیفہ کی شفقت و مرحمت سے اس فوج اور اس کے سرداروں کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ شرفائے عرب خانہ نشیں تھے اور حکومت کے تمام کلیدی عہدے اسی فوج کے ترکی و تاتاری افسروں کے ہاتھ میں تھے اور چند روز بعد خود خلافت اور سلطنت اُنہی لوگوں کے قبضے میں تھی۔ جسے چاہتے تخت خلافت سے اُتار دیتے اور جس کو چاہتے خلیفہ بنا لیتے۔

بالکل یہی حال دولت عثمانیہ کا ہوا۔ جہاں اس خاندان کے دوسرے تاجدار سلطان اورخان نے 730ھ میں نوعمر مسیحی اسیروں اور غلاموں کی ایک فوج مرتب کی جس کو اسلامی عقائد اور عثمانی معاشرت کے ساتھ اعلیٰ درجے کی فوجی تعلیم دی جاتی تھی اور انہیں باور کرایا جاتا کہ سلطان کے سوا دنیا میں نہ ان کا کوئی عزیز ہے اور نہ کوئی دوست آشنا۔ اور اُن کے دنیا میں رہنے کی غرض صرف دشمنانِ خلافت و دین سے لڑنا ہے۔

اُس عہد کے مشہور ولی اللہ بکتاش نے ان نئے کمسن سپاہیوں کو ینی چری (نئے سپاہی) کے نام سے نامزد کر دیا جو لفظ یورپ میں بگڑ کر ''جان نزاری'' بن گیا۔ اس نئی فوج نے بعد کے زمانہ میں بڑے بڑے کمالات دکھائے اور دولت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں عروج و اقبال میں سب سے زیادہ دخل اسی فوج کا تھا۔ لیکن انجام میں ان لوگوں کا زور اس قدر بڑھا کہ سلطنت ان کی لونڈی بن گئی جسے چاہتے بادشاہ بناتے اور جسے چاہتے تخت سے اتار دیتے۔

مگر دولت عثمانیہ میں آج سے تقریباً ایک صدی پہلے سلطان محمود خان نے اس فوج کا استیصال کر دیا اور تخت و تاج کو ہمیشہ کے لئے ان سرکش سپاہیوں کے شر سے امن مل گیا۔ مگر دولت عباسیہ میں کوئی محمود خان نہیں پیدا ہو سکا جو خلافت کو ترکوں کی فتنہ انگیزیوں

Marfat.com

سے محفوظ رکھتا۔ چنانچہ ان سپاہیوں نے اسی معتصم باللہ کے جس نے انہیں آستین میں رکھ کر پالا تھا دوسرے بیٹے المتوکل علی اللہ کو جو عباسیوں کا دسواں تاجدار تھا، کاٹا اور اُسے 247ھ میں نہایت بری طرح تخت و تاج سے جدا کر کے مارا۔ اس ایک ہی واقعہ نے ان میں محسن کشی کا جوش اس قدر بڑھا دیا کہ متوکل کے بیٹے المستنصر باللہ کو تخت نشین کر کے چھ ہی مہینے بعد تخت و تاج سے جدا کر دیا اور اس کی اولاد کو محروم کر کے اس کے چچا المستعین باللہ کو تخت پر بٹھایا جو کہ عباسیوں کا بارہواں خلیفہ تھا۔

مگر ترکوں کا تلون دن بدن بڑھتا گیا۔ المستعین باللہ کو جو کہ صاحب علم اور ذی ہوش و فراست خلیفہ تھا صرف تین سال حکومت کرنا نصیب ہوا کہ ترکی سرداران فوج خلاف ہو گئے اور جب دیکھا کہ وہ ہماری اطاعت نہیں کرتا تو اُسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور اس کی جگہ متوکل کے دوسرے بیٹے ''محمد'' کو وارث جہاں بانی بنایا جس نے تخت پر قدم رکھتے ہی اپنا لقب المعتز باللہ اختیار کیا۔ یہ نہایت خوبصورت اور حسین جوان تھا۔ تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر 23 سال تھی اور یہی اُس شاعر خلیفہ کا باپ ہے۔ اُس کی ماں ایک ترکن تھی جو حُسن و جمال میں نہایت ممتاز تھی اور نہایت دولت مند تھی۔ مگر یہ جس قدر مالدار تھی، اتنی ہی کنجوس بھی تھی۔ جب المعتز نے عنانِ حکومت سنبھالی تو خزانہ خالی تھا اور فوج تنخواہ مانگ رہی تھی۔ المعتز نے ماں سے کچھ رقم مانگی مگر اُس نے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے اُسے تخت پر بٹھایا تھا وہ خلاف ہو گئے۔ یہ خلیفہ صرف تین برس خلیفہ رہا اور اس کے بعد انہی لوگوں نے اُسے تخت خلافت سے اتار کر دُھوپ میں ڈال دیا۔ چنانچہ یہ بھوکا پیاسا دُھوپ میں پڑے پڑے مر گیا۔ یہ انجام تھا عباسیوں کے تیرہویں خلیفہ کا۔

اب 253ھ میں واثق باللہ کے بیٹے محمد کو خلیفہ بنایا۔ اُس نے المہتدی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ یہ سلسلۂ خلافت میں چودھواں خلیفہ تھا۔ ابھی اسے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ترک سرداروں نے اسے تخت سے اتارنے کا فیصلہ کیا اور قصرِ خلافت پر چڑھ آئے۔ المہتدی بہادر خلیفہ تھا۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر وہ کس کس سے لڑتا۔ آخر لڑتے لڑتے اُس کی جان نکل گئی۔ اس کے بعد علی خلیفہ ہوا جس کا لقب معتمد علی اللہ تھا۔ وہ 23

Marfat.com

سال تک حکومت کر کے اپنی موت مرا۔ یہ پندرھواں عباسی خلیفہ تھا۔

اس کے بعد 279ھ میں اُس کا بھتیجا احمد بن طلحہ سولہواں وارثِ خلافت قرار پایا۔ اُس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے معتضد کے دو بیٹے خلیفہ ہوئے جن میں پہلا علی اور دوسرا جعفر تھا۔ علی نے خلیفہ ہو کے المکتفی باللہ اپنا لقب اختیار کیا اور اس کے مرنے کے بعد اُس کے بھائی جعفر نے 295ھ میں وارثِ خلافت قرار پا کے اپنا لقب المقتدر باللہ قرار دیا۔ اُس کی عمر اس وقت صرف 13 سال تھی۔ بنی عباس یہ تین بار خلافت پر بیٹھا اور تینوں بار سلطنت سے محروم کیا گیا۔ جس میں آخری بار نہایت ہی ذلت اور حد درجے کی بے رحمی و بے شرمی کے ساتھ ترک عسکریوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پہلی تخت نشینی کے ایک ہی سال بعد جبکہ وہ بالکل کمسن تھا ترکوں نے اُسے تاج و تخت سے محروم کر کے تیرھویں عباسی خلیفہ المعتز باللہ کے بیٹے عبداللہ بن المعتز کو 296ھ میں تخت نشین کیا جو کہ سلسلۂ خلافت میں بنی عباس کا اُنیسواں خلیفہ ہے اور اس وقت ہم اُسی کے حالات اور واقعات کو قلمبند کر رہے ہیں۔

اس کا باپ المعتز جب ترکوں کے ہاتھ سے بھوکا پیاسا مارا گیا اس وقت اُس کی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی کیونکہ وہ 247ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ 253ھ میں مارا گیا۔ بچپن ہی میں اُسے زمانہ کے ہاتھوں ایسا عبرتناک سبق ملا تھا اور یتیمی نے کمسنی ہی میں اُسے ایسا ہوشیار کر دیا تھا۔ اُس نے اگرچہ خلافت کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور ایوانِ شہنشاہی میں اُس کی نشو و نما ہوئی تھی۔ لیکن اُس کا دل حکومت اور امارت سے کھٹا ہو گیا تھا۔ علم و فضل کی دنیا میں قدم رکھ کے بعوض جہاں بانی کے اُس نے اپنے لئے علم و ادب کی دنیا میں قدم رکھا۔ اور چند ہی روز کے اندر علمی دنیا میں اُس کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ صاحبانِ علم نے اُسے وقت کا سب سے بڑا ادیب اور سب سے عظیم شاعر تسلیم کر لیا۔

مگر وہ اس کو کیا کرتا کہ وہ خاندانِ شاہی سے تھا۔ اُس نے تخت خلافت پر قدم رکھ کے محمد بن داؤد کو وزیر اعظم بنایا۔ اس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ جو خلیفہ تخت سے اُتارا جاتا اُسے قتل کر دیا جاتا۔ چنانچہ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ اس دوران سوسن بن حصاص کے ایک غلام نے خبر دی کہ المعتز، ابن حصاص کے مکان میں چھپے ہیں۔ چنانچہ سپاہیوں نے اندر

Marfat.com

گھس کر ابن المعتز کو پکڑ لیا۔ رات تک گرفتار رکھا اور رات کے اندھیرے میں اُسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا۔ یہ سزا اُس شخص کو دی گئی جو سب سے بڑا ادیب اور علم و فضل میں نہایت مقبول تھا۔

مرنے کے بعد اُس کی لاش کپڑے میں لپیٹ کر اُس کے گھر بھیج دی گئی۔ عزیزوں نے اپنے مکان کے سامنے ہی ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ اس طرح ابن المعتز کی چوبیس گھنٹے کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ ابن المعتز کے واقعہ نے بغداد میں دو عجیب قسم کی متضاد باتیں ظاہر کیں۔ اول تو یہ کہ جس وقت لوگوں نے ابن المعتز کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اُس وقت معلوم ہوتا تھا کہ بغداد میں اُس کا کوئی مخالف نہیں اور کل معززین عراق نے بالاتفاق اُسے خلیفہ بنایا ہے۔ لیکن چند ہی گھنٹوں بعد جب اُس کی حالت بگڑی تو معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں اُس کا کوئی دوست نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ ابن المعتز نہایت متعصب سنی تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے عقائد میں حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنا جائز تھا اور وہ اکثر آپ (حضرت علیؓ) پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتا تھا۔ مگر ابن حمدان نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جو نہایت سخت اور متعصب شیعہ تھا۔

ابن المعتز کے قتل ہونے کے بعد بھی اُس کے طرفداروں پر ظلم و ستم ہوتا رہا۔ ابن حصاص سے جس کے مکان میں وہ روپوش ہوا تھا، بہت سا روپیہ جرمانے میں وصول کیا گیا۔ محمد بن داؤد جسے المعتز نے خلعتِ وزارت دی تھی، اُسے گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ علی بن عیسیٰ کو جلا وطن کر کے شہر موصل بھیج دیا گیا جہاں سے چند روز بعد متقدر کے وزیر ابن فرات سے سفارش کرا کر پہلے بصرہ پھر وہاں سے مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہوا۔

عبداللہ بن المعتز نے دنیا میں اپنی تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ ابن خلکان نے المعتز کی جو تصانیف کی فہرست چھوڑی ہے وہ اس طرح ہے۔

1) ''کتاب الزہر والریاض'' اس میں پھولوں اور باغ کا تذکرہ ہے۔

2) ''کتاب البدیع'' یہ فن بدیع پر ہے۔

Marfat.com

3) ''کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر'' یہ کتاب اشعار میں ہے جس میں بھائیوں سے خط و کتابت کا ذکر ہے۔

4) ''کتاب الجوارح والصید'' شکاری جانوروں کی کتاب۔

5) ''کتاب السرقات'' سرقوں کی کتاب۔

6) ''کتاب اشعار الملکوک'' بادشاہوں کے اشعار کی کتاب۔

7) ''کتاب الادب''

8) ''کتاب اعلی الاخبار''

9) ''کتاب طبقات الشعراء''

10) ''کتاب الجامع الغناء'' علم موسیقی پر کتاب۔

11) ''جوزہ فی ذم الصبوح'' مختصر رسالہ، شراب صبوحی کی مذمت میں۔

اس ذکر کے بعد اب ہم پھر سلطان محمود غزنوی کے رزمیہ اور ہزمیہ حالات کی طرف قلم موڑتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور اہم ترین واقعہ سلطان محمود غزنوی اور اُس کے منہ چڑھے غلام ایاز کا ہے۔

محمود اور ایاز کے قصے کو محمود نامے نے خاص طور پر اہمیت دی ہے۔ اس لئے کہ چند ہی روز کے اندر محمود نامہ فارسی کی ایک عام پسند درسی کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔ محمود کو ایاز سے محبت تھی اور ایسی محبت کہ محمود اُس کا عاشق ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی اصلیت اسی قدر ہے کہ ایاز کی تہذیب و شائستگی، تمیز داری اور سلیقہ شعاری نے محمود کو اُس کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا کہ لوگ محمود کو ایاز کا عاشق جاں باز کہنے لگے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محمود غزنوی کا دل عشق کی گرمی سے خالی تھا۔ یہ بات بھی نہیں کہ محمود غزنوی کی فتوحات، تاخت و تاراجی اور قتل اور غارت گری نے اُس کے دل کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ کسی پری پیکر کے عشق میں گرفتار ہوتا۔ اُس کے دل میں بھی دوسروں کی طرح آتش عشق کی گرمی موجود تھی۔ اُس کے دل میں بھی محبت کا ایک چراغ روشن ہوا جس نے اُسے ایک زمانہ تک بے چین و بے قرار رکھا۔ مگر اُس کا یہ عشق اور محبت ایاز کے ساتھ نہیں بلکہ ایاز کی حسین و جمیل، نازک اندام و گل فام چھوٹی

Marfat.com

بہن ''ایازی'' کے ساتھ تھا۔ محمود غزنوی نے بھی عشق کیا مگر کسی جواں عمر مرد بچے سے نہیں بلکہ ایاز کی خوش خرام اور نازک ادا ایازی سے اُس نے عشق کیا اور ٹوٹ کے کیا۔

اس سے آپ یہ نتیجہ نہ نکالیے گا کہ میں سلطان محمود غزنوی اور ایاز کے تعلقات پر لگائے جانے والے الزام کی تردید کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور نا قابل تردید حقیقت ہے۔ محمود غزنوی باوجود اس کے وہ مسلمانوں کا ایک عظیم فاتح تھا مگر اُس کے دل میں بھی محبت کی ایک رمق موجود تھی۔ چنانچہ اُس نے بھی ہماری، آپ کی طرح عشق و محبت کی بازی کھیلی۔ مگر یہ کھیل محمود و ایاز کا نہیں بلکہ محمود اور ایازی کا ایک نا قابل تردید واقعہ ہے۔

آپ اسے تسلیم کریں گے کہ جس طرح علم و ادب تخلیق کرنے والوں کا ایک حلقہ ہے اسی طرح ادب کے شیدائی اور پرستاروں کا بھی ہر دور میں ایک گروہ ہوا کرتا ہے۔ اس حلقہ یا گروہ کا کام صرف ادب پڑھنا ہی نہیں، یہ صاحب علم و ادب اپنے دور کے ادب پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی اور اُس کے چہیتے غلام کے عشق کا چرچا عام ہوا تو اُس پر تنقید و تبصرے کا پورا کا پورا دفتر کھل گیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ ایک گروہ نے تو صاف طور پر سلطان محمود غزنوی کے کردار کو سرے سے ہی داغدار اور ناپسندیدہ بنایا۔ دوسرا گروہ جو سلطان محمود کا طرفدار تھا اُس نے اس الزام کی سختی سے تردید کی۔ سلطان محمود کے حملوں سے عام طور پر بھارتی ریاستیں اور حلقے متاثر ہوئے تھے اس لئے بھارت نے سلطان کو بدنام کرنے کے لئے ایک عظیم تنظیم بنائی جو اُس وقت سے اب تک مسلمانوں کے عظیم فاتح اور شمشیر زن کی کردار کشی کرتی آ رہی ہے۔

مگر ایک عوامی ضرب المثل یا محاورہ ہے کہ جس کو اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ تو یہی حال غریب اور مسکین صفت ایاز کا ہوا۔ جلنے والوں اور مخالفین نے تو اپنے طور پر ایاز اور محمود غزنوی دونوں کو شرافت کے دائرے ہی سے خارج کر دیا تھا۔ ایک طرف ان کا پروپیگنڈہ دوسری طرف مخالفین کی ریشہ دوانیاں، ان دونوں تحریکوں نے سلطان محمود غزنوی کو بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جس دور میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس دور میں نیک، سمجھدار اور اسلام سے محبت کرنے والوں کا بھی ایک حلقہ تھا جو فاتحین اسلام

Marfat.com

کوسر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ چنانچہ اسلام پسندوں کا وہ حلقہ بھی سامنے آیا اور اس نے برملا اور بھرے بازار میں اعلان کیا کہ ''سلطان اور ایاز'' پر الزام لگانے والے جھوٹے اور مکار ہیں اور وہ بھارتیوں کو خوش کرنے کے لئے سلطان پر الزام تراشی کررہے ہیں۔ سلطان کو اپنے غلام ایاز سے اتنی زیادہ دلچسپی اس لئے تھی کہ ایاز ایک نہایت مہذب، شائستہ، تمیزدار اور ایک سلیقہ شعار نوجوان تھا اور اُس کی وفاداری نے نہ صرف سلطان بلکہ پورے محل کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔

سلطان محمود اور ایاز کے بارے میں ایک زمانہ تک دو گروہ ایک دوسرے کی باتوں کو رد کرتے رہے۔ مگران کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہ تھا جس سے کوئی فیصلہ کیا جا سکتا۔ مگر غلط باتیں زیادہ عرصہ تک نہیں چلتیں اور ان کا کسی نہ کسی طور خاتمہ ہو جایا کرتا ہے۔ یہی حال اس سلسلے میں ہوا۔ وہ اس طرح کہ مشہور مؤرخ اور قلم کار جناب محمد عوفی نے ایک کتاب اس سلسلے میں لکھی جس کا نام جامع الحکایات ہے۔ اس کتاب میں قابل مصنف نے محمود و ایاز کے تعلقات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی پر یہ الزام دراصل ایک غلیظ الزام ہے جو اس فاتح سومنات کی ذات پر مخالفین نے لگایا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مصنف محمد عوفی کی یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کا ترجمہ مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند میں دیا ہے۔

مصنف ممدوح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس بیتابانہ جوش عشق کو محمود غزنوی ایک مدت دراز تک ضبط اور تحمل کے ساتھ اس طرح دل میں چھپائے رہا کہ کسی پر ظاہر نہ ہو سکا۔ وہ دل میں خیال کرتا تھا کہ اپنے ایک غلام کی بہن پر عاشق ہونا میری شانِ فرمانروائی اور میری وضع عدالت گستری کے خلاف ہے اور اگر ذرا بھی ظاہر ہو گیا تو میں عام لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاؤں گا۔

مگر عشق وہ خود مختار بادشاہ ہے جس کے دربار میں شاہ و گدا کا رُتبہ ایک ہے اور جس کا شعلہ کسی نہ کسی دن بھڑک ہی اٹھتا ہے۔ آخر کار دل میں اندرونی بخارات کے حبس سے ناقابل برداشت اُخس پیدا ہوئی اور محمود جیسے ضبط کرنے والے اور متین بادشاہ کی یہ حالت ہوئی کہ صبر و تحمل نے جواب دے دیا۔

Marfat.com

اور ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ جب سلطان محمود کے ندیم اور مشیرانِ دولت رخصت ہو کے اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو سلطان محمود غزنوی نے اپنا پاؤں اپنے ایک ندیم و مشیر جن کا نام ابونصر مشکانی تھا، کی طرف بڑھا دیا۔ اُس زمانہ میں بادشاہوں اور سلطانوں کا اپنے رازدار ندیموں اور مشیروں سے پیروں پر چمپی کرانے کا بے انتہا شوق تھا اور اُس دور کے ندیم اور مشیر بھی اپنے بادشاہ یا سلطان کے پیر دبانے کو ایک فخر سمجھتے تھے اور بادشاہ جس ندیم کو اپنے سے زیادہ قریب سمجھتا تھا اُس سے پیر دبواتا تھا جس کا یہ مطلب تھا کہ بادشاہ اُس ندیم اور امیر کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

چنانچہ ایک شب دربار برخاست ہونے لگا اور امیر، وزیر سلام کر کے بادشاہ سے رخصت ہونے لگے تو سلطان محمود غزنوی نے اپنا ایک پاؤں اپنے ایک مشیر ابونصر مشکانی کی طرف بڑھا دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پاؤں دبانے کے بہانے وہ رُک جائے اور دوسروں کے دربار سے چلے جانے کا انتظار کرے۔ امیر ابونصر مشکانی کو محمود غزنوی کے مزاج میں تمام دوسرے امرائے دولت سے زیادہ دخل اور خصوصیت تھی۔ چنانچہ جب سلطان نے اپنا پاؤں امیر مشکانی کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً سمجھ گیا آج سلطان اُس سے کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہے جسے وہ دوسرے امیروں کے سامنے بتانا یا کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔

پرانی تاریخوں اور حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم بادشاہوں اور سلطانوں کو امراء دربار سے اپنے پیر دبوانے کا چسکا ہی نہیں بلکہ ایک عام مرض تھا۔ پیر دبوانا یا چمپی کرانا شاہی درباروں میں ایک وبا کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ بادشاہ یا سلطان جس امیر سے زیادہ خوش ہوتا اُسے چمپی کرنے کا اتنا ہی زیادہ وقت دیتا تھا۔ پس امیر، سلطان کے اشارہ کو سمجھ گیا اور اُس نے سلطان محمود کے پیر دبانا شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ رات بڑھنے کے ساتھ ایک ایک امیر اور مصاحب، سلطان کو سلام کر کے دربار سے رخصت ہونے لگا۔

ادھر امیر مشکانی سلطان کی چمپی میں مصروف تھا کہ کب تمام امیر وزیر رخصت ہوں اور سلطان اُس سے اس بات پر مشورہ کرے جس کے لئے اُس نے اُسے چمپی کے

Marfat.com

بہانے روکا ہے۔ پھر جب امیر رخصتی سلام کے بعد دربار چھوڑ گئے اور صرف ابو نصر مشکانی باقی رہ گیا تو سلطان نے اُسے مخاطب کیا۔

''اے ابو نصر! حکیموں کا قول ہے کہ تین اشخاص سے اپنا راز نہ چھپانا چاہیئے۔ ان میں اوّل تو طبیب حاذق ہے۔ دوسرے مہربان مقتدائے دین اور تیسرے عقلمند نوکر سے۔''

سلطان نے اتنا کہنے کے بعد ابو نصر کو دیکھا تو اُس نے سر جھکا کر عرض کیا۔

''مگر سلطان عالی مقام! اس غلام کو تو ان میں سے کوئی عزت بھی نصیب نہیں۔ لیکن اگر قبلۂ عالم سرفرازی فرمائیں گے تو غلام سے جہاں تک بنے گا بجا آوری خدمت میں کوتاہی نہ کرے گا اور اپنے آقائے نعمت کو ان کے نیک و بد سے مطلع کر دے گا۔

سلطان محمود غزنوی نے کہا۔

''یہی میں چاہتا ہوں۔ خیر، اب سنو! مدت دراز سے ایک خیال میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور ہزار کوشش کرتا ہوں کہ یہ پھانس کلیجے سے نکلے مگر نہیں نکلتی۔ اصل بات یہ ہے کہ میں ایاز کی بہن ایازی کی صورت زیبا پر فریفتہ ہوں۔ اُس کے حُسن و جمال نے مجھے بیتاب کر رکھا ہے اور کسی طرح دل کو قرار نہیں آتا۔ اُس کی دلستان اداؤں، اُس کی ناز آفرینی کی حرکتوں نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ اگر اس شوق سے باز آ جاؤں تو دل نہیں مانتا اور اسے اپنی محبوبہ خاص اور اپنا شریک زندگی بناؤں تو ڈرتا ہوں کہ قرب و جوار کے سلاطین یہ بات سن کے کیا کہیں گے اور میری رعایا پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ راز اگر ذرا بھی فاش ہوا تو میں تم سب لوگوں میں یہاں تک کہ خود اپنے نوکروں اور غلاموں کی نظر میں بھی حقیر و ذلیل ہو جاؤں گا۔ ان سب پہلوؤں پر خیال کر کے بتاؤ کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تاریخ پر تمہاری نظر بہت وسیع ہے۔ بھلا تم نے کسی تاریخ میں دیکھا سنا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنی کسی کنیز کے ساتھ شادی کی ہو؟''

یہ خیال رہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنے آپ کو قدیم خسروان عجم اور سلاطین آل ساسان کی نسل سے خیال کرتا تھا۔ اُس کے اسی میلانِ طبع کے سبب سے شعرائے دربار نے تاریخ عجم پر ایسی طبع آزمائیاں کیں جو قیامت تک یادگار رہیں گی۔ فردوسی طوسی نے

Marfat.com

شاہنامہ لکھا۔ حکیم اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ لکھا۔ چنانچہ ابونصر مشکانی نے بھی اس موقع پر فرمانروایانِ اسلام کی ایک آدھ نظر پیش کرنے کے لئے مناسب سمجھا کہ تاریخ عجم سے ایسے شواہد پیش کرے جو بادشاہ کے دل پر پورا اتریں اور اس کی فکریں دُور کریں۔ چنانچہ زمیں بوس ہو کے عرض کرنے لگا۔

''قبلۂ عالم! یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا میں بارہا ایسے واقعات گزر چکے ہیں۔ سلاطین آل ساسان میں بہتوں نے اپنی لونڈیوں سے شادیاں کیں۔ آلِ ساسان ہی میں وہ مسلمان تاجدار تھے جن سے بغاوت کر کے اُن کا غلام الپتگین بادشاہ بنا تھا جو محمود کے باپ سبکتگین کا آقا تھا۔''

اس کے بعد ابونصر نے کہا۔

''یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جو حضور پر گراں گزرے یا جس کی وجہ سے دنیا میں کسی کی سبکی ہوتی ہو۔ غالباً حضور نے سنا ہو کہ دارائے ایران قباد جب ترکستان میں گیا تو وہاں کے کسی کسان کی بیٹی سے اُس نے شادی کی تھی جس کے بطن سے نوشیرواں عادل جیسا عدالت گستر تاجدار پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ میں نے تاریخ عجم میں بہرام گور اور ایک مچھلی والے کی بیٹی کا واقعہ دیکھا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور اسے سن کر حضور پر روشن ہو جائے گا کہ ایسے واقعات سے سلاطین عالم کی عزت و وقار پر حرف نہیں آتا۔''

محمود غزنوی نے مشتاق ہو کے پوچھا۔ ''وہ واقعہ کیا ہے؟''

ابونصر نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔ ''قبلۂ عالم! ایک دن بہرام گور شکار کو گیا۔ جنگل میں کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور اپنے لشکر سے کوسوں دُور نکل گیا۔ آخر ہرن نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ پیاس سے بیتاب تھا۔ وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ ایک گاؤں سے گزر ہوا۔ وہاں ایک مچھلی والا تالاب کنارے بیٹھا کپڑے دھو رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر اُس کی بیوی اور اُس کی نازک اندام و گل پیرہن بیٹی بیٹھی تھی اور اُن کے آگے کپڑوں کا انبار لگا تھا۔

بہرام گور قریب گیا اور کہا۔ ''میاں مچھلی والے، مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔''

مچھلی والا دیکھتے ہی پہچان گیا کہ حضور ظل الٰہی ہیں۔ وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور بی بی کو

Marfat.com

پکار کے کہا۔

''ظلِ الٰہی کے لئے پانی لاؤ۔''

اُس کی جورو نے اُٹھ کے کٹورا خوب مانجھ کے کئی بار دھویا اور اُسے اپنی پری جمال بیٹی کو دے کر کہا۔

''بیٹی! مجھے مرد کا ہاتھ لگ چکا ہے اس لئے اس قابل نہیں کہ بادشاہ لوگ میرے ہاتھ کا پانی پئیں۔ تو خیر سے کنواری ہے اور تیرا پنڈا ابھی کورا ہے۔ اس لئے تو ہی پانی لا کر اپنے نازک اور اچھوتے ہاتھ سے بادشاہ کے سامنے پیش کر۔''

لڑکی ایک چست چالاک ہرنی کی طرح دوڑ کے پانی لائی اور ایک معشوقانہ ادا سے شرما کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

بہرام گور نے ایک دلدادگی کے ساتھ اُس کی اداؤں پر نظر ڈالی۔ کٹورا لے کر پانی پیا اور اب سیراب ہو کر اُس کی صورت دیکھی تو ہوش جاتا رہا۔ نگاہ کے ساتھ صبر رخصت ہوا۔ اُس کے حُسن و جمال، اُس کی نازک آفرینی اور دلربائی اور ان چیزوں کے ساتھ اُس کے ادب اور سلیقے نے بہرام کے دل پر ایسا قبضہ کیا کہ بجائے ہرنی شکار کرنے کے خود ایک زیبا شمائل غزال رعنا کا شکار ہو گیا۔ دل میں سوچنے لگا، اس معشوقۂ نازنین کو کیونکر اپناؤں؟ اور جب اُس دوشیزہ کے باغِ حُسن سے گل چیننی کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو مچھلی والے سے کہا۔

''میرا جی چاہتا ہے کہ آج تمہارا ہی مہمان رہوں۔ تمہیں اس میں کوئی عذر تو نہیں ہے؟''

اُس نے زمیں بوس ہو کر عرض کیا۔ ''قبلۂ عالم! اگر حقیر کی نانِ خشک اور غریب کا کھانا کھانے میں حضور مضائقہ نہ سمجھیں تو ہم لوگ اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔''

یہ کہہ کے مچھلی والے نے ایک اُجلی چاندنی لا کے ایک درخت کے سائے میں بچھا دی اور عرض کیا۔ ''حضور رونق افروز ہوں۔''

پھر بادشاہ کے گھوڑے کو لے جا کے ایک درخت سے باندھ دیا اور ناز آفریں بیٹی کے ہاتھ میں ایک صاف اور پاکیزہ کپڑا دے کر کہا۔

Marfat.com

"تو بادشاہ کے قریب کھڑی ہو کر بادشاہ کی مگس رانی کر۔"

لڑکی باپ کے حکم سے اپنا فرض ادا کرنے لگی اور وہ خود گاؤں میں دوڑا گیا اور دم بھر میں لپک کے روٹی، گوشت، شراب وغیرہ ضروری سامانِ ضیافت لے آیا۔

واپس آتے ہی اُس نے جام وصراحی لڑکی کے ہاتھ میں دیئے اور کہا۔

"تو ہی بادشاہ کی ساقیہ بن۔"

لڑکی نے سلیقے کے ساتھ جام کو دھو مانجھ کر صاف کیا اور اسے مئے ارغوانی سے لبریز کر کے ایک ایسی ادا سے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ بہرام گور نے جو اُس کے حُسن کا دیوانہ ہو رہا تھا اور جوشِ عشق سے بیتاب تھا، بجائے اس کے کہ اُس کے ہاتھ سے جام لے، خود اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ کی اس بے اعتدالی پر لڑکی نے یہ حرکت کی کہ بادشاہ کے دونوں ہاتھ چوم لئے بادشاہ کمال از خود رفتگی میں بولا۔

"دلربا نازنین، بوسہ لینے کی جگہ ہاتھ نہیں، ہونٹ ہیں۔"

شوخ اور الہڑ لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔"

اس فقرے نے بہرام کو مار ڈالا۔ حُسن و جمال پر فریفتہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا۔ اب اُس کی یہ باتیں سنیں اور اندازِ گفتگو کے ساتھ اُس کے اعجاز فصاحت کو دیکھا تو بالکل ہی دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔

اتنے میں بہرام کا لشکر اور اُس کا جلوس سامنے سے نمودار ہوا۔ سردارانِ فوج اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آپہنچے تھے۔ چونکہ مچھلی والے کی لڑکی اُس کے دل میں جگہ پا چکی تھی اس لئے یہ گوارا نہ ہوا کہ اُس کے رُخِ زیبا پر کسی اور کی نظر پڑے۔ تاجدارِ عجم اس بارے میں نہایت ہی سخت تھے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے حرم کی کسی خاتون پر کسی غیر کی نظر پڑ جاتی تو وہ واجب القتل قرار پا جاتا تھا۔ اس جذبہ سے متاثر ہو کے بہرام نے اُس نازنین سے کہا۔

"تم اپنا منہ چھپا لو۔"

یہ گویا اشارہ تھا کہ اب یہ لڑکی ایک غریب مچھلی والے کی نہیں بلکہ تاجدارِ عجم کی دلدار

Marfat.com

ملکہ اور اُس کے دل و جان کی مالک ہے۔ بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی لڑکی نے منہ پر نقاب ڈال لیا۔ اس کے بعد فوج نے سامنے صف باندھ کر سلامی دی اور مخصوصین بارگاہ قریب آ کے زمیں بوس ہوئے۔

اب بہرام گور میں صبر کی طاقت نہ تھی۔ اسی وقت مچھلی والے کو راضی کر کے اس کی ماہ وش اور گل اندام بیٹی سے مروجہ رسوم کے مطابق عقد کیا اور ایک گھڑی نہیں گزری تھی کہ وہ ماہ طلعت مچھلی والی شاہانہ لباس پہنا کے ہاتھی کی گاڑی زرنگار پر بٹھائی گئی اور چتر شاہی اُس کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ اس کے ماں باپ کو بھی دوسرے ہاتھیوں پر جگہ دی گئی اور شاہانہ کروفر اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ اُس نازنین کی سواری دارالسلطنت عجم میں داخل ہوئی۔''

اس قصے نے محمود غزنوی کے دل پر بے انتہا اثر ڈالا۔ دل میں کہنے لگا۔

''صد شکر میری معشوقہ اس مچھلی والی سے بدرجہا معزز اور محترم ہے۔''

پھر ابونصر مشکانی سے کہا۔

''تم نے میری بڑی فکر دُور کر دی۔

اور پھر اُسے بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

اس واقعہ کو دو دن ہی گزرے تھے کہ ایاز کی پری جمال بہن ''ایازی'' سے سلطان محمود کی شادی ہوگئی جو کہ اب ایک غلام کی بہن اور لونڈی ہونے کی بجائے غزنی سے لے کر مشرق میں لب گنگا تک اور مغرب میں فارس اور ویلم تک تمام ممالک کی پُر سطوت و جبروت ملکہ تھی۔

Marfat.com

# خاندانِ غزنویہ

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ الپتگین نامی ایک شخص عبدالملک ساسانی کا غلام تھا۔ یہ غلام حد درجہ ذہین، وفادار اور شجاع تھا اور ان خوبیوں کی بنا پر عبدالملک کی طرف سے خراسان کا والی مقرر ہوا۔ پھر منصور بن نوح ساسانی کے تخت نشین ہونے پر الپتگین 352ھ میں وفات پا گیا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا اسحاق بن الپتگین تخت نشین ہوا۔ اسحاق اچھا ناظم ثابت نہ ہوا۔ اُس کا غلام بلک تگین، اسحاق کو حکومت چلانے میں مدد دیتا رہا۔

بلک تگین سات سال تک زندہ رہا، اس کے بعد الپتگین کا ایک اور غلام پیری اُس کی جگہ ناظم و مشیر رہا۔ صرف چار سال بعد ایک شخص سبکتگین جو الپتگین کا غلام تھا، پیری کو معزول کرا کر خود اُس کی جگہ مشیر و وزیر بن گیا۔ اس دوران سبکتگین نے جو الپتگین کا داماد بھی تھا خود حکومت سنبھال لی اور 366ھ میں خود غزنی کا بادشاہ بن بیٹھا۔

سبکتگین نے سلطنت غزنوی کو بہت مضبوط کیا اور حقیقت میں یہی شخص غزنوی خاندان کا صحیح معنوں میں بانی ثابت ہوا۔ سبکتگین اور اِس کے بعد آنے والے غزنوی بادشاہوں کے نام درج ذیل ہیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 1) | الپتگین | 351ھ | تا | 352ھ |
| 2) | اسحاق بن الپتگین | 352ھ | تا | 355ھ |
| 3) | بلک تگین | 355ھ | تا | 364ھ |
| 4) | پیری | 364ھ | تا | 366ھ |
| 5) | ناصر الدین سبکتگین | 366ھ | تا | 386ھ |
| 6) | اسمٰعیل بن سبکتگین | 386ھ | تا | 387ھ |
| 7) | یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی بن سبکتگین | 387ھ | تا | 421ھ |
| 8) | جلال الدین محمد بن محمود | 421ھ | تا | 421ھ |

Marfat.com

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 9) مسعود بن محمود | 421ھ | تا | 431ھ | |
| 10) مودود بن مسعود | 431ھ | تا | 440ھ | |
| 11) مسعود بن مودود | 441ھ | تا | 441ھ | صرف ایک ماہ |
| 12) بہاؤ الدولہ ولد ابوالحسن علی بن مسعود بن مودود | 441ھ | تا | 441ھ | صرف چار ماہ |
| 13) عز الدولہ عبدالرشید بن مسعود بن محمود | 441ھ | تا | 444ھ | |
| 14) طغرل (غاصب) | 444ھ | تا | 444ھ | |
| 15) جمال الدولہ ولد فرخ زاد بن مسعود بن محمود | 444ھ | تا | 451ھ | |
| 16) ظہیر الدولہ ابراہیم بن مسعود بن محمود | 451ھ | تا | 492ھ | |
| 17) علاؤ الدولہ بن مسعود بن ابراہیم | 508ھ | تا | 509ھ | |
| 18) کمال الدولہ شہزادین مسعود بن ابراہیم | 509ھ | تا | 509ھ | |
| 19) سلطان الدولہ ارسلون بن مسعود بن ابراہیم | 509ھ | تا | 512ھ | |
| 20) بہرام بن مسعود بن ابراہیم | 512ھ | تا | 547ھ | |
| 21) خسرو شاہ بن ابراہیم | 547ھ | تا | 555ھ | |
| 22) تاج الدین خسرو ملک بن خسرو شاہ | 555ھ | تا | 557 | وفات 582ھ |

## ناصر الدین سبکتگین

خاندانِ غزنویہ کا پہلا حاکم ناصر الدین سبکتگین تھا۔ وہ دراصل الپتگین کا غلام تھا اور یزدجرد سوم کی نسل سے تھا۔ اس نے امیر نوح سامانی کی درخواست پر خراسان فتح کیا۔ اس پر امیر نوح نے اس کو ناصر الدین کا خطاب دیا اور اس کے بیٹے محمود کو سیف الدولہ کے خطاب سے نوازا۔

ناصر الدین سبکتگین نے 386ھ میں وفات پائی۔

سبکتگین کے بعد اُس کا بیٹا اسمٰعیل بن سبکتگین نے غزنی اور بلخ کے علاقوں کی عنانِ حکومت سنبھالی لیکن یہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کرسکا کیونکہ اُس کے بڑے بھائی محمود نے 387ھ میں حملہ کر کے اُس سے حکومت چھین لی اور خود سریر آرائے غزنی ہوگیا۔ مگر اُس

Marfat.com

نے بلخ کا علاقہ اسمٰعیل کو واپس کر دیا جہاں وہ چار سال تک حکمرانی کرنے کے بعد اپنی موت مر گیا۔

## یمین الدولہ سلطان محمود بن سبکتگین

یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی اس خاندان کا سب سے نامور بادشاہ تھا۔ اُس نے غزنوی حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ اس خاندان کے بادشاہ ڈیڑھ صدی تک ایران، افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔

سلطان محمود غزنوی ایک زبردست فاتح بادشاہ تھا اور دل میں دین اسلام کی پوری حرارت رکھتا تھا۔ ان فتوحات اور دین و ایمان کی پختگی کی بنا پر خلیفہ قادر باللہ نے اُسے سلطان کا لقب دیا اور امین الامت یمین الدولہ کا خطاب دیا۔ ایران میں اُس نے مندرجہ ذیل علاقے فتح کیے۔

1) 396ھ میں محمود سیستان فتح کر کے اپنے تصرف میں لایا۔
2) 401ھ میں غور پر حملہ کر کے محمد سوری اور اُس کے بیٹے حسن کو قید کر دیا۔
3) 405ھ میں خوارزم پر حملہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔
4) 407ھ میں اُس نے ماوراالنہر اور اس کے دیگر شہروں تک، سمرقند، بخارا کا اپنی حکومت میں الحاق کیا۔
5) 410ھ میں اُس نے ''رے'' پر حملہ کر کے مجد الدولہ بن فخر الدولہ کو شکست دی اور اسے گرفتار کر کے غزنی لے آیا۔
6) پھر اُس نے عراق، عجم اور اصفہان کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔

اُس نے ایران کے علاوہ ہندوستان کے بھی بہت سے علاقوں کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ ہندوستان پر اُس نے متعدد حملے کیے جس میں مشہور حملے پشاور، پنجاب اور سومنات پر تھے۔ یہاں سے اُس نے بہت سی دولت جمع کی۔

یہ تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان محمود نے پنجاب سے لے کر ایران کی مغربی حدود تک تقریباً 34 سال حکومت کی۔ سلطان محمود ایک بہترین،

Marfat.com

باذوق آدمی تھا۔ سیاست کے ساتھ اُس کو مذہب، معاشرت، طب اور حکمت سے بہت دلچسپی تھی۔ شاہنامہ کے مصنف فردوسی طوسی، حکیم بوعلی سینا، مشہور شاعر اور فلاسفر ناصر خسرو اور ابوریحان شہاب الدین اُسی کے زمانہ میں ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کی سوانح عمری اور حالاتِ زندگی مختلف لوگوں نے بیان کئے ہیں۔ اب ہم یہاں ایک جامع سوانح عمری پیش کر رہے ہیں جس میں مختلف واقعات، حالات اور فتوحات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے سلطان محمود کا نسب نامہ آتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمود کا مستند نسب نامہ اس طرح ہے۔

سلطان محمود غزنوی بن امیر سبکتگین بن قرالحکم بن قرا ارسلان بن قراملت بن قرالقیمان بن فیروز بن یزدجرد بن ستریا الفارس۔

صاحب طبقات ناصری نے بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان محمود دنیائے اسلام کے مشہور زمانہ فاتح ایران کے مشہور عالم بادشاہ نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔

غزنوی خاندان کی حکومت کا پہلا بانی سامانیوں کے دربار کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا جسے اُس کی خداداد شجاعت اور حسن و لیاقت و تدبر کی بنا پر عبدالمالک سامانی نے خراسان میں سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ سامانیوں کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ان کا وارث اعلیٰ سامان، بلخ کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ حُسن اتفاق سے عباسیوں کے مقرر کئے ہوئے خراسان کے گورنر اسد بن عبداللہ کے یہاں چلا آیا اور زرتشتی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔

سلمان کے ایک بیٹے کا نام بھی اسد تھا اور اس کے آگے چار بیٹے تھے جو حُسنِ لیاقت اور شجاعت کی بنا پر خلیفہ مامون الرشید عباسی کی نگاہ میں بے حد پسندیدہ تھے۔ چنانچہ خلیفہ نے نوح بن اسد سامانی کو سمرقند، احمد بن اسد سامانی کو فرغانہ، یحییٰ بن اسد سامانی کو چاچ اور الیاس بن اسد سامانی کو ہرات کا گورنر بنا دیا۔ احمد بن اسد تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور مدبر تھا۔ چنانچہ اُس نے تھوڑی ہی مدت میں اپنی حکومت کی حدود وسیع کیں اور اپنے بھائیوں کے علاقے چھین کر سامانی خاندان کی ایک علیحدہ

Marfat.com

مضبوط حکومت قائم کر دی۔

احمد بن ساسانی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام اسمٰعیل اور دوسرے کا نام نصر تھا۔ دولت سامانیہ کی حدود میں سیستان، خراسان، ماور النہر، قندھار اور بخارا بھی شامل تھے۔ اسمٰعیل اور نصر دونوں بھائیوں نے مل کر بہت سی فتوحات حاصل کیں اور سلطنت کو خوب وسعت دی۔ اسمٰعیل بن احمد کے زمانہ میں دولت سامانیہ خاص کر قندھار اور بخارا نے بڑی ترقی کی لیکن اسمٰعیل کے مرنے کے بعد سامانیوں کی طاقت گھٹنے لگی۔ حتیٰ کہ پچاس برس کی حکومت کم ہوتے ہوئے صرف خراسان اور ماور النہر تک محدود رہ گئی۔

سامانیوں کے دربار میں ترک غلاموں کی کثرت تھی۔ انہی میں سے ایک الپتگین تھا جسے اسمٰعیل کے بھتیجے عبدالملک بن نوح نے خراسان کی سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ پھر جب خود عبدالملک بن نوح حکمران ہوا تو اُس نے الپتگین کو بلخ کا گورنر بنا دیا۔ وہ عبدالملک کی زندگی تک اس عہدے پر فائز رہا۔ لیکن جب عبدالملک کے مرنے پر تخت نشینی کا تنازعہ پیدا ہوا یعنی وزیر سلطنت عبدالملک کے بھائی امیر منصور کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا اور الپتگین چاہتا تھا کہ عبدالملک کا کمسن بچہ تخت و تاج کا وارث بنے۔ حتیٰ کہ جب کشمکش حد سے گزرنے لگی تو الپتگین اُسے وہیں چھوڑ کر غزنی چلا گیا جہاں 351ھ بمطابق 962ء میں غزنوی سلسلے کی ایک آزاد حکومت کی بنیاد رکھ دی اور اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن قدرت الٰہی نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی حکومت کی حدود کو وسیع کر سکے۔ وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد 352ھ یعنی 963ء میں فوت ہو گیا۔

الپتگین کے بعد اُس کا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا۔ مگر وہ سخت نالائق ثابت ہوا۔ قریب تھا کہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے کہ سلطان محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین نے کمال شجاعت سے آگے بڑھ کر غزنوی سلطنت کی گرتی دیوار کو تھام لیا اور لوہے کی طرح مضبوط بنا دیا۔ اس لحاظ سے دولت غزنویہ کا اصل بانی سبکتگین کہلاتا ہے۔

امیر سبکتگین ابتدا میں الپتگین کا غلام تھا۔ اُس کی ماں ترک تھی اور باپ ایرانی تھا۔ بچپن میں اُسے ڈاکوؤں نے اغواء کر لیا اور غلاموں کے بازار میں لا کر فروخت کر دیا۔ وہ بخارا میں ایک غلام کی حیثیت سے دن گزار رہا تھا کہ الپتگین کی اُس پر نظر پڑی اور اُسے

Marfat.com

جوہر قابل پا کر خرید لیا۔ سبکتگین نے اپنی لیاقت، شجاعت اور نیک نفسی کی بدولت جلد ہی اپنے آقا کا دل جیت لیا اور الپتگین نے امیر الاحرا کا خطاب دے کر اُسے اُمراء میں شریک کر لیا۔ اور پھر ایک ایسا وقت بھی آ گیا کہ الپتگین نے اُسے اپنا داماد بنا لیا۔

**محمود کی پیدائش:۔** سلطان محمود عاشور کی رات 357ھ مطابق یکم نومبر 971ء میں پیدا ہوا۔ اُس کی ولادت سے تھوڑی دیر پہلے سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے محل کے آتش خانہ سے ایک گھنا درخت پیدا ہوا۔ وہ درخت اس قدر طویل اور عریض تھا کہ تمام دنیا کے لوگ اس کے سایہ میں بیٹھ سکتے تھے۔ صبح کو جب سبکتگین بیدار ہوا تو اُسے خواب کی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اتنے میں اُسے محمود کے پیدا ہونے کی اطلاع ملی۔ غرض اُسے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی۔ اُس نے اُس بچے کا نام ''محمود'' رکھا۔

محمود اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اُسے بچپن ہی میں اپنے باپ کے ساتھ جنگی مہمات میں شریک ہونے کا موقع ملا جہاں اُس کی طبیعت کے جوہر کھلنے شروع ہوئے اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک نڈر سپاہی اور تجربہ کار مجاہد بن گیا۔ اُس کی فہم و فراست اور صولت و شجاعت کا ثبوت اس معرکہ سے بخوبی مل جاتا ہے جو سبکتگین اور راجہ جے پال والی پنجاب کے درمیان برپا ہوا اور محمود نے بطور ایک شہزادے کے اپنے باپ کے ہمراہ اس معرکہ میں حصہ لیا۔

اس واقعہ کی تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ جس زمانہ میں امیر سبکتگین وسط ایشیا اور اس کے گرد کے علاقے میں فتوحات حاصل کر رہا تھا، پنجاب میں اُس وقت راجہ جے پال کی ایک طاقتور اور زبردست حکومت قائم تھی اور اس کی سرحدیں مشرق میں سرہند تک اور شمال و مغرب میں پشاور اور غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں اور شمال میں کشمیر بھی اُس کی سلطنت میں شامل تھا اور جنوب میں اُس کی حکومت ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کا دارالسلطنت ''بھٹنڈہ'' تھا۔ غرض جے پال کی حکومت نہایت وسیع اور مضبوط تھی۔

جے پال جو رسن پال کا بیٹا اور برہمن قوم سے تھا، امیر سبکتگین والی غزنی کی فتوحات کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر خوف کھانے لگا کہ کہیں امیر اُس کی حکومت پر بھی قبضہ نہ کر لے۔ حالانکہ امیر کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ پنجاب کی طرف رُخ کرے۔ وہ اس وقت

Marfat.com

افغانستان اور ملحقہ علاقوں کی مہم میں مصروف تھا۔ جے پال نے توسیع سلطنت کے ذوق میں امیر سبکتگین سے سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی جو کافی عرصہ تک جاری رہی اور انہی سرحدی تنازعوں کا سہارا لے کر کئی لاکھ سوار، کئی لاکھ پیدل سپاہ اور کئی ہزار ہاتھی لے کر غزنی پر چڑھ آیا۔

سلطان محمود اس وقت نیشا پور میں سلطنت کے باغیوں سے نبرد آزما تھا اور جے پال نے اس موقع کو اپنے لئے غنیمت سمجھا اور بجلی کی سی تیزی سے لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمرود ہوتا ہوا سلطنت غزنی کی حدود میں داخل ہو گیا اور امیر سبکتگین مختصر سی فوج لے کر لمغان کے میدان میں رزم آرائی کے لئے جا پہنچا۔

یہ واضح رہے کہ پشاور سے جلال آباد تک جو علاقہ آتا ہے اسے تاریخوں میں "لمغان" کہا گیا ہے۔ اگرچہ امیر سبکتگین کا لشکر مقدار میں بہت کم تھا اس کے برعکس مخالف فوج امیر کے لشکر سے چار پانچ گنا زیادہ تھی۔ تاہم امیر کے لشکریوں کے دل بے حد مضبوط اور حوصلے بے حد بلند تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اپنے زورِ بازو کی بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا اور یہی وہ صفت تھی جس سے امیر سبکتگین کی چند ہزار سپاہ جے پال کی فوج کے لاکھوں سواروں، ہزاروں ہاتھیوں کے گروہ کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

لمغان کا علاقہ آندھیوں اور طوفان کا برف پوش علاقہ تھا۔ جے پال کی فوج ان دشواریوں میں چلنے کی عادی نہ تھی۔ لہٰذا ہاتھی، سپاہی اور گھوڑے اس برفانی اور پہاڑی علاقے کی سردی سے اکڑ کر مرنے لگے اور جے پال کو اپنی طاقت اور فوج کی کثرت پر جو گھمنڈ تھا وہ ٹوٹ گیا اور اُس نے امیر سبکتگین کے مقابلے میں بری طرح شکست کھائی۔

اب جے پال نے سبکتگین سے اُس کی طاقت وقوت کا اندازہ کر کے کہ اُسے شکست دینا غیر ممکن ہے، نہایت عجز و انکسار اور لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ اُس نے جو غزنی پر حملہ کرنے کی سخت غلطی کی ہے اس کے لئے وہ اب معافی چاہتا ہے اور آئندہ کے لئے وعدہ کرتا ہے کہ تمام عمر اُس کا فرمانبردار اور اطاعت گزار رہے گا۔ اس کے علاوہ جے پال نے یہ بھی کہا کہ معافی کے صلے میں وہ بے انتہا اور بے اندازہ سونا چاندی، جواہرات، دس لاکھ درہم نقد، پچاس ہاتھی اور کئی ایک شہر اور سرحدی قلعے تاوانِ جنگ کے طور پر دینے کو

Marfat.com

تیار ہے اور یہ تمام چیزیں پنجاب پہنچتے ہی بادشاہ کے قابل اعتماد افراد کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھجوادے گا اور میرے چند ایک امیر بطورِ یرغمال حضور کے پاس رہیں گے۔

جب امیر سبکتگین نے یہ تمام شرطیں خود جے پال کی زبانی سنیں تو ایک سچے اور بہادر فاتح کی طرح اُسے معاف کر دیا اور جے پال کے کہنے کے مطابق اپنے چند ساتھی اُس کے ہمراہ کر دیئے۔

اگرچہ اس موقع پر سلطان محمود غزنوی بہت کمسن تھا مگر شجاعت اور بہادری کے ساتھ فہم و فراست کا مادہ بھرپور رکھتا تھا۔ وہ اس بات کے خلاف تھا کہ جے پال کو صرف معاف ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ امیر کے چند امراء بھی پنجاب چلے جائیں۔ پس سلطان محمود نے کہا کہ جے پال نہایت مکار اور عیار نظر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر چکر چلا دیا ہو۔ اس لئے یہ بہتر ہے کہ اپنے اُمرا کو جے پال کے ہمراہ نہ کیا جائے۔ لیکن سبکتگین اُس سے کہہ چکا تھا اس لئے امیر سبکتگین نے اپنے کہے سے پھر جانا گوارا نہ کیا اور اس کے ہمراہ اپنے آدمیوں کو بھیجنے سے روک دینا مناسب نہ سمجھا۔

لیکن راجہ جے پال نے پنجاب پہنچتے ہی آخر وہی کیا جس کا سلطان محمود کو پہلے ہی خطرہ تھا۔ جے پال نے امیر سبکتگین کے اُمرا کو قید میں ڈال دیا اور نئے سرے سے پھر جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ہندوستان کے تمام راجاؤں کو مسلمانوں کے خطرے سے ڈرا کر اپنے ساتھ ملا لیا اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ ہندو مذہب کو مسلمانوں سے سخت خطرہ ہے۔ اُن سے اُن کے خزانوں کے منہ کھلوا دیئے۔ اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں نے روپے پیسے اور ساز و سامان اور فوجی طاقت سے اُس کی دل کھول کے مدد کی۔

مختصر یہ کہ 376ھ بمطابق 990ء کو جے پال تین لاکھ پیادے، سوار اور سینکڑوں جنگی ہاتھیوں کو لے کر آندھی اور طوفان کی طرح غزنی کی طرف بڑھا اور سبکتگین کو اُس کی جنگی تیاریوں کا اس وقت پتہ چلا جب وہ غزنی کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

امیر سبکتگین اطلاع پاتے ہی ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ فوج لے کر جے پال کے

Marfat.com

مقابلے کے لئے اُسی وقت چل کھڑا ہوا۔ وہ بمشکل تمام دارالسلطنت سے چند قدم آگے ہی نکلا تھا کہ جے پال کا لشکر اُس کے مقابل آ گیا اور پھر وہیں "لمغان" کے میدان میں جنگ شروع ہو گئی اور امیر سبکتگین نے اپنی تیغ خارہ شگاف کے جب جوہر دکھائے تو جے پال کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے اور جے پال میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ بے شمار سامانِ جنگ اور دوسری چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ مثلاً بے شمار گھوڑے، اناج، نقد روپیہ، ہاتھی، کپڑے، خود اور جوتے۔ حتیٰ کہ ان تمام اشیاء کو سمیٹنے میں امیر سبکتگین کی جنگ کے گزشتہ اخراجات پورے ہو گئے بلکہ آئندہ جنگی تیاریوں کے لئے بھی بے پناہ ذخیرہ ہاتھ آ گیا۔

لمغان کی یہ جنگ کم وبیش 990ء یعنی ایک ہزار عیسوی میں ہوئی تھی۔ جب میں یہ ناول لکھتے ہوئے یہاں تک پہنچا تو میرے سامنے اس صدی عیسوی کا ایک عظیم رومان چمک اُٹھا۔ میرا لکھا ہوا یہ رومان بھی کم وبیش اسی سن عیسوی کا تھا۔ اس رومان یا رومانی کہانی کا نام تھا "الزہرا"۔ میری یہ رومانی کہانی بہت پسند کی گئی تھی اور مجھے اس سلسلے میں درجنوں خطوط موصول ہوئے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس طرح اس کہانی کا تعلق بھارت یعنی براعظم ایشیا کے ایک مشرقی ملک سے ہے، اُسی طرح "الزہرا" کا تعلق یورپ کے انتہائی مغرب کے ملک اسپین، اُندلس اور قرطبہ سے ہے۔ اُس وقت اُندلس (قرطبہ) پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔

یہ سوچتے ہوئے میرے دل نے فوراً کہا کہ کیوں نہ سلطان محمود غزنوی کے قاری کو اُس دور کی ایک اور مسلم کہانی اور رومان سنایا جائے تاکہ اس ناول میں اور دلچسپی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ میں اپنے احباب کے مشورے سے اُندلس (ہسپانیہ) کے اس رومان "الزہرا" کو اس ناول کے قاریوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تو تیار ہو جائیے اور سنیے کہ وہ رومان "الزہرا" اس طرح ہے۔

## الزہرا

قرطبہ کی حسین ترین کنیز "زہرا" اور خلیفہ اُندلس عبدالرحمٰن ثالث الناصر کی محبت کی یادگار "قصر الزہرا" دنیا کی وہ حسین اور ہوشربا عمارت ہے جس کی بنیاد محبت بھرے دلوں

Marfat.com

کی دھڑکنوں پر رکھی گئی تھی۔ تاریخ اُندلس کا ایک خوبصورت مگر عبرت انگیز باب!

خلیفہ ہسپانیہ عبدالرحمٰن اور اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ زہرا کی داستانِ محبت۔

خلیفہ ہسپانیہ کو قلعہ سمورہ میں عظیم اور شرمناک شکست اٹھانا پڑی تھی۔ اس کا بدلہ لینے کا موقع جلد ہی مل گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا پچاس ہزار کا لشکر خندق میں گر کر مارا گیا تھا اور خلیفہ کے وقار کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ اب وہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دینا چاہتا تھا جس سے اُس کا وقار بحال ہو اور عیسائیوں پر ایک بار پھر اُس کا رُعب بیٹھ جائے۔

سمورہ کی جنگ میں عیسائیوں کی تینوں بڑی طاقتیں متحد ہوگئی تھیں۔ اُن کے حکمران یعنی شاہ لیون رومیرد، شاہ جلیقیہ اور امیر قشتالیہ فرڈی ننڈ آپس میں رشتے دار تھے۔ جلیقیہ اور قشتالیہ دونوں ریاستیں پہلے رومیرد شاہ لیون کی باجگذار تھیں۔ لیکن انہوں نے لڑ بھڑ کر آزادی حاصل کر لی تھی۔ اُن کے دلوں میں کھوٹ تھا اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتی تھیں۔

جنگ سمورہ کے فوراً بعد رومیرد شاہ لیون اور فرڈی ننڈ امیر قشتالیہ میں جھڑپیں شروع ہوگئیں جو جلد ہی جنگ میں بدل گئیں۔ شاہ جلیقیہ جو رومیرد کا خسر بھی تھا لیکن اُس نے ان دونوں کی لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور خاموش تماشائی بنا رہا اس لئے رومیرد اور فرڈی ننڈ دونوں ہی اُس کے خلاف ہو گئے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن اس جھگڑے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ لیون اور قشتالیہ کی طاقت آہستہ آہستہ کمزور ہو رہی ہے اور یہی موقع ہے کہ ان کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے اور شکست کا بدلہ لیا جائے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن نے دوسرے ہی سال ایک زبردست لشکر ترتیب دیا۔ اُس نے خود لشکر کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا لیکن امیروں اور وزیروں نے اُس کی سخت مخالفت کی۔ جنگ سمورہ میں جو حالات پیش آئے تھے ان کے پیش نظر اُمرائے خلیفہ نے قرطبہ چھوڑنے سے خلیفہ کو باز رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے خلیفہ کو اس بات پر بھی مجبور کیا کہ وہ آئندہ خود کسی جنگ میں حصہ نہ لے کیونکہ گزشتہ تیس پینتیس سال میں خلیفہ نے ایک سو سے زیادہ لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ وہ بڑے بڑے عربی سردار جو جنگ سمورہ میں شکست کا باعث ہوئے تھے انہوں نے خلیفہ سے معافی مانگ لی تھی اور قسم کھا کر عہد کیا تھا کہ خلیفہ

Marfat.com

جسے بھی سپہ سالار مقرر کرے گا وہ اُس کی سالاری میں لڑیں گے اور کسی قسم کا اعتراض نہ کریں گے۔ اب یہ سردار سچے دل سے مطیع ہو گئے تھے اور اس اطاعت کے تحت انہوں نے خلیفہ کے جنگ پر جانے کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی۔ چنانچہ جب عیسائیوں کے خلاف نئی جنگ کے لئے احمد بن یعلیٰ کا سپہ سالار کی حیثیت سے تقرر ہوا تو کسی نے اُس کی مخالفت نہیں کی اور خوشی سے قبول کر لیا۔

لشکر کی روانگی سے ایک دن پہلے خلیفہ نے احمد کو تنہائی میں بلا کر ضروری ہدایات دیں۔ سب سے زیادہ اہم بات قلعہ سمورہ کی سات فصیلوں کے بارے میں تھی۔ خلیفہ کو اس کا راز معلوم ہو گیا تھا۔ احمد کو اس راز سے آگاہ کیا گیا تاکہ اسے سمورہ پر قبضہ کرنے میں زیادہ جدوجہد نہ کرنی پڑے۔ جب تمام باتیں ہو چکیں تو خلیفہ نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''احمد! جب سمورہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے تو شاہ جلیقیہ کے حرم کی تلاشی لینا۔ اُس نے سرقسط کے غلاموں اور کنیزوں کو قید کر لیا ہے۔ تم انہیں اپنے قبضے میں لے کر فوراً قرطبہ روانہ کر دینا۔''

احمد بن یعلیٰ نے سر جھکا کر تعمیل حکم کا اقرار کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ خلیفہ کی ہدایات ختم ہو چکی ہیں اور اب اُسے جانے کی اجازت ملے گی۔ لیکن خلیفہ کچھ سوچ رہا تھا۔ احمد نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا اور کنکھیوں سے خلیفہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔

ذرا دیر بعد خلیفہ نے پہلو بدلا اور بولا۔

''ایک بات کا اور خیال رکھنا۔ سمورہ کے قلعہ میں قید ہونے والے غلاموں اور کنیزوں میں ایک کمسن لڑکی بھی ہے۔ اُس کا نام ''زہرا'' بتایا جاتا ہے۔ اُس نے جنگ کے موقع پر مسلمانوں کی مدد کی تھی اور کچھ لوگوں کو قلعہ سے رہائی دلائی تھی۔ اس کا تم خاص خیال رکھنا۔ جس دستہ کے ساتھ اُس کو قرطبہ بھیجا جائے، اُس کے سردار کو تاکید کر دینا کہ وہ زہرا کا خاص خیال رکھے۔'' خلیفہ کہتے کہتے رُکا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

اس بار احمد بن یعلیٰ نے ہمت کی اور بولا۔

''امیر المومنین! جنگ سمورہ میں حصہ لینے والے ایک لشکری نے مجھے بتایا تھا کہ جب

Marfat.com

وہ خندق میں گر کر بے ہوش ہو گیا اور عیسائی سپاہی اُسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے تو ایک لڑکی فرشتہ بن کر اُس کے پاس پہنچی اور اُسے ہاتھ پکڑ کے قلعہ کے باہر لے آئی۔ امیر المومنین، میرا خیال ہے کہ یہ وہی لڑکی ہو گی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو احمد۔'' خلیفہ نے نرمی سے کہا۔''صرف ایک لشکری نہیں، اُس وقت فرشتہ اس صفت لڑکی نے ہمارے چھیالیس سپاہیوں کی جان بچائی تھی۔ ہم اُسے قرطبہ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''امیر المومنین کے حکم کی پوری تعمیل ہو گی۔'' احمد نے جواب دیا۔''اُس نیک لڑکی نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اگر وہ مجھے مل گئی تو میں اُسے پورے اعزاز کے ساتھ قرطبہ بھجواؤں گا۔''

''نہیں احمد۔'' خلیفہ بے چینی سے بولا۔''اُس کا ملنا ضروری ہے۔ تمہیں اُس کو تلاش کرنا ہو گا۔ اگر اُس کی تلاش میں تمہیں جلیقیہ کی گلی گلی اور گھر گھر جانا پڑے تو بھی پس و پیش نہ کرنا۔ اُسے ہر صورت میں قرطبہ پہنچانا ہو گا۔ یہ ہماری خواہش، ہمارا حکم ہے اور تمہاری ذمہ داری ہے۔''

خلیفہ نے جس انداز سے احمد کو حکم دیا تھا اس سے احمد اور کچھ اندازہ نہ بھی لگا یا ہو مگر اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر وہ ''زہرا'' کو تلاش کرنے میں ناکام رہا تو خلیفہ اُس سے باز پرس کرے گا۔ چنانچہ اُس نے خلیفہ کا حکم اپنی گرہ میں باندھ لیا۔ لیکن جب احمد بن یعلیٰ جانے لگا تو خلیفہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور احمد کو روک کر دوسرا حکم دیا۔

''احمد، ممکن ہے وہ لڑکی ہم سے کوئی غلط توقع وابستہ کر بیٹھے اس لئے تم اُسے قرطبہ بھیجنے میں کوئی غیر معمولی اہتمام نہ کرنا۔ صرف یہ خیال رہے کہ وہ دوسری کنیزوں کے ساتھ احتیاط سے قرطبہ پہنچ جائے۔ یہاں پہنچ کر تمہارا آدمی ہمیں اطلاع دے گا تو ہم اُس کا بندوبست کر دیں گے۔''

''جی بہتر ہے امیر المومنین۔'' احمد نے اپنے تعجب کو دباتے ہوئے کہا۔''خلیفہ کے حکم کے مطابق ہی عمل کیا جائے گا۔''

احمد بن یعلیٰ سلام کے بعد واپس ہوا تو خلیفہ نے ایک بار اُسے پھر روکا اور کہا۔

Marfat.com

''احمد، ہم چاہتے ہیں کہ زہرا کے نام کی قرطبہ میں قبل از وقت شہرت نہ ہو۔ اس لئے تم آدمی کو سمجھا دینا کہ وہ اطلاع دے کہ تمام کنیزیں قرطبہ پہنچ گئی ہیں۔ اس سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ان میں زہرا بھی شامل ہے۔''

''بہت بہتر امیر المومنین۔''

احمد نے جواب دیا اور بجائے واپس جانے کے وہیں سر جھکائے کھڑا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو کچھ خلیفہ ہدایات دینا چاہتا ہے وہ ایک ہی بار دیدے۔ خلیفہ نے اگرچہ اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ زہرا میں اُس کی دلچسپی کا اظہار نہ ہو لیکن زہرا کے بارے میں اُس تلون، تحقیق اور احتیاط نے احمد کو خلیفہ کی طرف سے مشکوک کر دیا۔ اُس نے ذہن پر زور ڈال کر ان کی کڑیوں کو جوڑنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا اور اُس کا دماغ اُلجھ کر رہ گیا۔

''تم جا سکتے ہو احمد۔'' خلیفہ نے اُسے خیالات سے چونکایا۔

احمد بن یعلیٰ واپس ہوا۔ لیکن اُس کے دل میں ایک چور سا بیٹھ گیا۔ وہ جس قدر ہدایات پر غور کرتا، اور زیادہ اُلجھتا جاتا۔ آخر اُس نے ان موہوم خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اُسے ایک اہم مہم کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ خلیفہ عیسائیوں کے خلاف مہم میں حصہ نہیں لے رہا تھا اس لئے اُسے اور زیادہ ذمہ داری سے کام کرنا تھا۔

دوسرے دن قلعہ کے میدان میں لشکر صف بستہ ہوا۔ خلیفہ نے اُمراء اور وزراء کے ساتھ لشکر کا معائنہ کیا۔ علمائے دین بھی اس موقع پر موجود تھے۔ اس دفعہ سپہ سالاروں کے سلسلے میں کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اس لئے پورے لشکر میں بڑا جوش تھا۔ عرب سرداروں پر ایک بدنما داغ لگا تھا۔ وہ اس داغ کو اپنے خون سے دھو ڈالنا چاہتے تھے۔ خلیفہ چاہتا تھا کہ عیسائی ریاستوں پر غفلت میں حملہ کیا جائے تاکہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس لئے اس مہم کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ قرطبہ والوں کو اس وقت معلوم ہوا جب لشکر میدان میں روانگی کے لئے اکٹھا ہوا۔

قرطبہ کا لشکر بڑی خاموشی مگر تیزی کے ساتھ عیسائی ریاستوں کی طرف بڑھا۔ لیون

Marfat.com

اور قشتالیہ میں اب تک جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ قرطبہ کے لشکر کا تو اُنہیں خیال بھی نہ تھا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ قرطبہ والوں کے پچاس ہزار فوجی خندق میں ہلاک ہو چکے ہیں اور اب اسپین کا خلیفہ کئی سال تک سر بھی نہ اٹھا سکے گا۔ احمد بن یعلیٰ اس تیز رفتاری سے آگے بڑھا کہ جلیقیہ والوں کو اُس کے آنے کی اطلاع اس وقت ملی جب قرطبہ کا لشکر قلعہ سمورہ کے سامنے نمودار ہوا۔ وہی سمورہ جس کی خندق آدھے لشکر کو ہضم کر چکی تھی۔

شاہ جلیقیہ قلعہ بند ہو گیا۔ اُسے سمورہ کی سات فصیلوں پر ناز تھا۔ انہوں نے چھ ماہ پیشتر قرطبہ والوں کو شکست دی تھی۔ ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن جب قرطبہ کا لشکر پہلے ہی حملے میں اگلی فصیل پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ حیران رہ گئے اور ان میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ پھر دوسری فصیل بھی اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ احمد بن یعلیٰ نے خلیفہ کی ہدایت پر عمل کر کے فصیل میں پیوست چوبی دروازوں کو تلاش کر لیا۔ وہ ان دروازوں کو توڑ کے دوسری طرف پہنچ گئے اور فصیل کے نیچے زمین دوز تہہ خانوں میں چھپی ہوئی محفوظ فوج کا خاتمہ کر دیا۔ دوسرے دن دو فصیلیں اور سر ہو گئیں۔ اب تو شاہ جلیقیہ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُسے سمورہ کے قلعہ پر بڑا غرور تھا۔ لیکن اُس کی چار فصیلیں دو دن میں زمین پر آ رہی تھیں۔ اب آخری دو فصیلیں باقی رہ گئی تھیں جن کا اگلے دن خاتمہ ہو جانا تھا۔ شاہ جلیقیہ کچھ ایسا بدحواس ہوا کہ بغیر کسی کو اطلاع دیئے اپنے اہل خانہ کو لے کر چور دروازے سے قلعہ کے باہر پہنچا اور بڑی بے سرو سامانی کے عالم میں اپنے داماد شاہ لیون کے پاس بھاگ گیا۔ شاہ جلیقیہ کی ایک بیٹی رومیر د شاہ لیون سے بیاہی ہوئی تھی۔

احمد بن یعلیٰ نے دوسرے دن بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ وہ سب سے پہلے شاہ جلیقیہ کے محل میں گیا اور تمام کنیزوں اور غلاموں کو گھیرے میں لے لیا۔ اُس نے عیسائی اور مسلمان کنیزوں اور غلاموں کو الگ الگ کر دیا اور انہیں دو بڑے خیموں میں بھیج کر ان پر سخت پہرہ لگوا دیا۔ دن بھر وہ انتظامات میں مصروف رہا۔ رات کو فرصت ہوئی تو اُس نے مسلمان کنیزوں اور غلاموں کے خیمے میں اپنا غلام بھیج کر معلوم کرایا کہ ''زہرا'' نام کی کوئی کنیز ان میں موجود ہے۔ اُس نے غلام کو حکم دیا کہ اگر زہرا موجود ہو تو

Marfat.com

اُسے اپنے ساتھ لیتا آئے۔

غلام کو اس طرف بھیجنے کے بعد اُس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ اگر اُسے زہرا نہ ملی تو وہ کیا کرے گا اور اُسے کہاں کہاں کی خاک چھاننا پڑے گی۔
مسلمان غلام اور کنیزوں کا خیمہ زیادہ دور نہ تھا۔ ذرا دیر بعد اُس کا غلام واپس آ گیا۔

''کیا ہوا، زہرا ملی؟'' غلام نے خیمے میں ایک قدم رکھا تھا کہ احمد بن یعلیٰ نے اُس سے سوال کیا۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''زہرا نامی کنیز حاضر ہے آقا۔'' غلام نے جواب دیا۔

''کیا کہا...... کیا کہا تم نے؟'' احمد بن یعلیٰ کو جیسے یقین نہ آیا۔ اس لئے اُس نے دوبارہ سوال کیا۔

''میرے آقا! زہرا نامی کنیز حاضر ہے۔'' غلام نے اپنا جواب دہرایا۔ ''حکم ہو تو حاضر کروں؟''

''ہاں...... ہاں...... اُسے اندر لاؤ۔'' احمد بن یعلیٰ کا انداز اب بھی کھویا کھویا اور حیرت میں ڈوبا تھا اور جب زہرا داخل ہوئی اور اُس نے سلام کرنے کے بعد نظریں اُٹھا کر احمد کو دیکھا تو احمد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ زہرہ حُسن کا پیکر اور چودھویں کا چاند تھی۔
اُسے یوں محسوس ہوا جیسے زہرا کی آمد سے پورا کمرہ جگمگا اٹھا ہے۔ احمد نے اس سے خوبصورت دوشیزہ پہلے نہ دیکھی تھی۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کے متعلق شک وشبہ کی جو گتھیاں اُس کے ذہن میں پڑی تھیں وہ ایک ایک کر کے خود بخود کھل گئیں۔ خلیفہ کا تلوّن اور احتیاط بجا تھی۔ زہرہ کبھی نظر نیچی کر کے اور کبھی نظریں ملا کر سپہ سالار کی بوکھلاہٹ کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

احمد بن یعلیٰ نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔

''تمہارا نام زہرا ہے؟''

''جی سپہ سالار! میں ہی بدنصیب زہرا کنیز ہوں۔'' زہرا نے اپنی بدقسمتی کا بڑے ادب سے اظہار کیا۔

''بدنصیب......'' احمد بن یعلیٰ زیرلب بڑبڑایا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''تم جا سکتی ہو

Marfat.com

زہرا۔''

زہرا کو بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ احمد نے دوبارہ کہا۔ ''میں نے کہہ دیا تم جا سکتی ہو۔''

''اے عالی مقام سپہ سالار!'' زہرا بڑے تیکھے انداز میں بولی۔ ''میں ایک معمولی کنیز ہوں۔ پھر بھی اگر آپ کنیزوں کو انسان کا درجہ دیتے ہیں تو کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ سے ایک سوال پوچھوں؟''

''میں تم سے زیادہ معمولی انسان ہوں۔'' احمد بن یعلیٰ نے بڑی احتیاط سے کہا۔ ''میں تمہیں جواب نہیں دے سکتا۔''

''کم از کم مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟'' زہرا کو جیسے ضد چڑھ گئی۔

''جرم.... ہاں تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔'' احمد بن یعلیٰ سامنے گھورتے ہوئے بولا۔

''بڑا جرم......؟'' زہرا گھبرا گئی۔ ''مجھے سزا ملے گی کیا؟''

''نہیں نہیں......سزا کیوں ملے گی۔'' احمد بن یعلیٰ گڑبڑا گیا۔

''سپہ سالار! میں ادنیٰ کنیز ہوں۔ آپ کے اشارے پر قتل کی جا سکتی ہوں۔ لیکن میرا قصور تو بتایئے، کیا کیا ہے میں نے؟'' زہرا نے جرح شروع کر دی۔

''میں کچھ نہیں جانتا......تم جا سکتی ہو۔'' احمد نے زچ ہو کے اپنی جان چھڑانا چاہی۔ وہ زہرا سے کیسے کہتا کہ تو نے خلیفہ کے دل و دماغ پر قبضہ کر کے بہت بڑا جرم کیا ہے۔

زہرا واپس چلی گئی اور احمد بن یعلیٰ ایک عجیب اُدھیڑ بن میں پڑ گیا۔ وہ بہت بڑا قیافہ شناس تھا۔ اُس نے زہرا کی دمکتی پیشانی کو دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا یہ نوعمر اور خوش قسمت لڑکی جب قرطبہ پہنچے گی تو حُسن کے تمام چراغ اس کے سامنے ماند پڑ جائیں گے۔ محلاتِ شاہی پر زلزلہ آ جائے گا۔ اور کیا عجب کہ......لیکن وہ یہ سب کیوں سوچ رہا ہے۔ اُس کے دل نے اُسے روکا۔

احمد نے فوراً اپنے نائب کو طلب کیا اور اُسے حکم دیا کہ عیسائی قیدیوں اور تمام غلام اور کنیزوں کو قرطبہ بھیجنے کا انتظام کیا جائے۔ خصوصاً کنیزوں کو بڑی احتیاط اور سخت پہرے

Marfat.com

میں قرطبہ پہنچایا جائے۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس نے کہا۔

''زہرا کا خاص خیال رکھا جائے۔ یہ خلیفہ کا حکم ہے۔ اگر یہ راستے میں گم ہوگئی تو پورا حفاظتی دستہ سولی چڑھ جائے گا۔ زہرا کو یہ بھی نہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔''

اُس کا نائب کچھ اور تو نہ سمجھ سکا۔ لیکن اُس کے لئے صرف یہی کافی تھا کہ یہ خلیفہ کا حکم ہے اور خلیفہ کی حکم عدولی، اس میں تاخیر اور بے توجہی کا دوسرا نام موت ہے۔ نائب نے اپنی جان بچانے کے لئے ایک ہزار سواروں کے پہرے میں تمام قیدی غلاموں اور کنیزوں کو قرطبہ روانہ کیا اور مزید احتیاط کے طور پر وہ قافلے کے ساتھ ایک منزل تک خود بھی گیا۔

سپہ سالار احمد بن یعلیٰ کے عجیب و غریب احکامات نے اُسے گھبرا دیا تھا۔ اُس نے چاہا کہ سپہ سالار اُسے قرطبہ جانے کی اجازت دیدے تاکہ وہ یہ ذمہ داری بہ احسن پوری کر سکے۔ لیکن اُسے اجازت نہیں دی گئی صرف ایک منزل تک قافلے کے ساتھ جانے کا حکم ہوا۔

پہلی منزل پر پہنچ کر احمد بن یعلیٰ کے نائب نے قرطبہ جانے والے قافلے کے سالار کو وہ تمام ہدایات لفظ بہ لفظ منتقل کر دیں جو اُسے اپنے حاکم سے ملی تھیں۔ قافلہ سالار ایک ادھیڑ عمر عرب تھا۔ اُس نے نائب سے کوئی بحث نہ کی۔ اُس کی جہاندیدہ نظریں معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں۔ صبح کو نائب واپس آ گیا اور قافلہ دوسری منزل کے لئے تیار ہوا۔ قافلہ سالار فوجی دستے کو ہدایت دے رہا تھا کہ نہ معلوم زہرا کدھر سے آ کے اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ زہرا کو دیکھ کر قاصد سالار کے حواس اُڑ گئے۔

''آپ کیوں تشریف لائی ہیں؟'' قافلہ سالار نے یوں مخاطب کیا جیسے زہرا کنیز نہیں کہیں کی ملکہ ہو۔''

زہرا نے اُسے حیران نظروں سے دیکھا۔ ''میں کنیز ہوں سالارِ محترم!'' زہرا نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''میں سمجھتی تھی کہ میرے آنے سے آپ ناراض ہوں گے۔ لیکن آپ تو مجھ سے یوں کلام کر رہے ہیں جیسے میں شہزادی ہوں۔''

Marfat.com

قافلہ سالار عجیب مشکل میں تھا۔ اُسے حکم تھا کہ زہرا کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے، اُس کے احترام میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم تھا کہ زہرا کو یہ احساس نہ ہو سکے کہ اس کا درجہ کنیز سے بلند ہے۔ قافلہ سالار نے الفاظ تولتے ہوئے کہا۔

''میں ہر ایک سے اسی طرح بات کرتا ہوں۔ خواتین کا احترام کرنا یوں بھی ہر مسلمان کا فرض ہے۔''

قافلہ سالار نے بڑی سمجھداری سے خود کو بچا لیا تھا۔ زہرا کے دل میں اُس کی عزت بڑھ گئی۔ اُس نے پوچھا۔

''محترم سالار! کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟''

''مجھے تمام لوگوں کو منزل مقصود تک پہنچانے کا حکم ہے۔'' قافلہ سالار نے احتیاط سے کہا۔

''میں اُس منزل کا نام جاننا چاہتی ہوں جہاں ہم لوگوں کو جانا ہے۔'' زہرا نے پھر زور دیا۔

''اگر کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی تکلیف ہو، ضرورت پوری کرنا اور تکلیف رفع کرنا میرا فرض ہے۔'' قافلہ سالار پھر پہلو بچا گیا۔

''سالار محترم! مجھے تکلیف یہ ہے کہ مجھے اپنی منزل کا نام نہیں معلوم اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر منزل کا پتہ لگ جائے تو میں خود کو وہاں کے حالات کے لئے ذہنی طور پر تیار کرلوں...... براہِ کرم میری تکلیف کو رفع اور ضرورت کو پورا کیا جائے۔''

زہرا نے تیسری بار بھی اپنے سوال کو بالواسطہ دہرایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زہرا ابتداء ہی سے بڑی مہذب، چرب زبان اور عقلمند تھی۔

قافلہ سالار نے جب دیکھا کہ زہرا اُس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تو اُس نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔ ''میرے پاس اس طرح کے سوالوں کا جواب ہے اور نہ مجھے غیر ضروری گفتگو کا حکم ہے۔''

''آپ تو ناراض ہو گئے۔'' زہرا مسکرائی۔ ''منزل نہ بتایئے، کم از کم یہ تو بتا دیجئے کہ

Marfat.com

مجھے سرقسط تو نہیں لے جایا جا رہا ہے؟ آپ پوچھیں گے کہ سرقسط سے میرا کیا تعلق ہے تو میں پہلے ہی بتائے دیتی ہوں کہ سرقسط کا عامل امیر بن اسحاق میرا آقا تھا۔ لیکن اُس نے عیسائیوں سے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو شکست دلوائی تھی۔ اس نے مجھے بچپن سے پالا ہے لیکن مجھے غدار آدمی پسند نہیں اس لئے میں سرقسط نہیں جانا چاہتی۔''

''ہم سرقسط نہیں جا رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے قافلہ سالار نے دوسری طرف قدم بڑھایا۔

''تو کیا ہمیں بازار میں نیلام کیا جائے گا؟''

''نہیں۔''

''کیا شاہ لیون یا امیر قشتالیہ نے ہمیں خریدا ہے؟''

''نہیں۔''

''تو پھر؟''

زہرا نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن قافلہ سالار تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا اور زہرا مٹھیاں بند کر کے اور دانت کٹکٹا کے رہ گئی۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ جب منزل پر قیام ہوتا تو قافلہ سالار رات بھر اپنے خیمے میں چھپا رہتا۔ وہ زہرا کے سوال و جواب سے گھبرا گیا تھا۔ اُسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں اُس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اُس کے سپہ سالار، نائب یا خلیفہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ زہرا بھی پڑاؤ پر اُسے تلاش کرتی رہی لیکن وہ اُس کے ہاتھ نہیں لگا۔ دستے کے سواروں کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ کسی سے بات نہ کریں۔ انہوں نے اپنے ہونٹوں پر مُہریں لگا رکھی تھیں۔ اس طرح یہ مختصر قافلہ قرطبہ پہنچ گیا۔ نہ زہرا قافلہ سالار تک پہنچ سکی اور نہ اُس نے زہرا کا سامنا کرنے کی جرأت کی۔

خلیفہ عبدالرحمٰن کو قافلے کے آنے کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ اُس کے حکم کے تحت قافلہ قلعہ کے باہر ایک میدان میں ٹھہرایا گیا۔ ان کے لئے خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ خلیفہ کا دوسرا حکم پہنچا کہ جو قیدی غلام اور کنیزیں شاہی خدمت میں رہنا چاہیں انہیں قرطبہ میں قیام کی اجازت ہے ورنہ جو جہاں جانا چاہے اُسے وہاں جانے دیا جائے۔ اس کھلی ہوئی پیش کش سے عیسائی قیدی بہت متاثر ہوئے۔ ان میں سے بیشتر نے قرطبہ

Marfat.com

میں آباد ہونے کی خواہش کی۔

امیر بن اسحاق کی کنیزوں کو ایک علیحدہ خیمے میں رکھا گیا۔ پھر جب زہرا کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ سب سے الگ خیمے میں جانے کے لئے تیار ہو تو اس نے بڑا واویلا کیا اور اپنی ساتھی کنیزوں کے ساتھ رہنے کی ضد کی۔ لیکن اُس کی ایک نہ سنی گئی۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ وزیراعظم کا حکم ہے اور اس کی تعمیل کرنا ہو گی۔ زہرا روتی پیٹتی رہی مگر اُسے ایک وسیع خیمے میں پہنچا دیا گیا اور اس خیمے پر زبردست پہرہ لگ گیا۔

زہرا نے دن تو کسی نہ کسی طرح اس بڑے خیمے میں گزار لیا مگر شام ہوئی تو اُسے وحشت ہونے لگی۔ اس نے پہلے رات تو کیا دن بھی اسی قید تنہائی میں گزارا تھا۔ سرقسط کے قلعہ میں تو جیسے اُس کا راج تھا۔ وہ امیر بن اسحاق کے گھر میں پل کر جوان ہوئی تھی اس لئے اُسے گھر کا ایک فرد ہی خیال کیا جاتا تھا۔ پھر جب جلیقیہ کے قلعہ سمورہ میں پہنچی تب بھی اس پر کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ دن بھر ہنستی بولتی اور قلعہ میں گھومتی رہتی اور رات کو دوسری کنیزوں کے ساتھ سوتی تھی۔ اب اُسے قرطبہ والوں پر غصہ آ رہا تھا۔ اُسے خیال تھا کہ قرطبہ والے اُس کے احسان مند ہوں گے اور اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا لیکن یہاں تو اُلٹا ہی سلوک ہو رہا تھا۔ اول تو اُسے بتایا ہی نہیں گیا کہ اُسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ پھر جب قرطبہ پہنچی تو کسی نے اُسے منہ بھی نہ لگایا۔ حد تو یہ ہے کہ اُسے اکیلے کمرے میں قید کر دیا گیا۔ مگر کیوں؟ اس نے کیا قصور کیا تھا؟ جن سپاہیوں کو اس نے رہائی دلائی تھی کہیں انہی نے تو اس کے خلاف خلیفہ کے کان نہ بھرے ہوں یا اُس کی شکایت کی ہو۔ ضرور یہی بات ہے۔ تب ہی اسے قید کر دیا گیا۔ لیکن

زہرا کے خیالات کا سلسلہ ایک دم ٹوٹ گیا۔ خیمے کے باہر کوئی پہریدار سے باتیں کر رہا تھا۔ زہرا اپنی جگہ سے اُٹھ کے دروازے کے پردے کے پاس پہنچی اور اُن کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور پردے سے دور بھی تھے۔ زہرہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

خیالات کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اسے کیوں قید کیا گیا؟ کہیں وزیراعظم اُسے اپنے حرم کی کنیزوں میں داخل تو نہیں کرنا چاہتا؟ زہرا کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اُس نے فیصلہ

Marfat.com

کیا کہ خواہ وزیراعظم ہو یا خود اسپین کا خلیفہ، اب وہ کسی کی کنیزی نہیں کرے گی۔ اُسے اپنی قسمت پر رونا آنے لگا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ سرقسط چلی جاتی۔ امیر بن اسحاق نے خلیفہ سے غداری کی تھی لیکن اس کے ساتھ تو ٹھیک تھا۔ جلیقیہ سے جاتے ہوئے اُس نے اپنی کنیزوں کو ساتھ لے جانے کی کتنی کوشش کی لیکن وہ کمینہ...... شاہ جلیقیہ اُس نے سارا خزانہ ہضم کرلیا۔ اچھا ہوا اُسے شکست ہوئی۔

خیمے کے باہر کسی کے چلنے اور باتیں کرنے کی پھر آواز آئی۔ زہرا دروازے کو گھورتی رہی مگر اپنی جگہ سے نہ اُٹھی۔ ذرا دیر بعد پردے کو حرکت ہوئی اور کوئی اندر آیا۔ زہرا کی نظریں جیسے ہی اندر آنے والے پر پڑیں، اُس کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

''تم......تم وہی ہو؟'' زہرا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں زہرا، میں وہی ہوں جسے تم نے سمورہ کے قلعہ سے نجات دلائی تھی۔'' آنے والے نے جواب دیا۔

''تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ میں نے تو نہیں بتایا تھا۔'' زہرا نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا۔

''نام......تمہارا نام تمہاری صورت نے بتایا تھا۔'' عبدالرحمٰن نے ذرا شوخی سے کہا۔ ''جب مجھے معلوم ہوا کہ امیر بن اسحاق کی کنیزیں سمورہ سے آئی ہیں تو میں نے پوچھا کہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت کنیز کا کیا نام ہے تو انہوں نے بتایا کہ زہرا سے زیادہ حسین کنیز نہ اب تک پیدا ہوئی ہے اور نہ پیدا ہوگی۔''

زہرا شرما گئی، بولی۔

''تمہیں شوخی سوجھی ہے اور میری جان پر بنی ہے۔'' پھر دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم مجھے بچانے آئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

''بھلا میں تمہیں کیسے بچا سکتا ہوں؟ تمہیں یہاں وزیراعظم کے حکم سے رکھا گیا ہے۔'' عبدالرحمٰن نے سوکھا سا منہ بنا کے کہا۔ ''تم میرے کپڑے دیکھ رہی ہو، میں ایک معمولی لشکری ہوں۔''

''پھر کیا لینے آئے ہو یہاں؟'' زہرا بگڑ گئی۔ ''تم تو بڑی عقلمندی کی باتیں کرتے

Marfat.com

تھے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ جب تم پہریداروں کو دھوکہ دے کے یہاں تک آ گئے ہو تو مجھے آزاد بھی کرا سکتے ہو۔''

''زہرا! تم نے جان پر کھیل کے مجھے بچایا تھا۔'' عبدالرحمٰن نے افسردگی سے کہا۔ ''شاید تم اس احسان کا بدلہ چاہتی ہو۔ ٹھیک ہے، میں تمہیں بچاؤں گا۔ اپنی جان دے کے بچاؤں گا۔''

''نن...... نہیں...... نہیں...... میں یہ نہیں چاہتی۔'' زہرا فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ''جسے میں نے بچایا ہے، اُسے خود موت کے منہ میں نہیں ڈال سکتی۔ اپنی آزادی سے زیادہ مجھے تمہاری جان پیاری ہے۔''

''لیکن زہرا، میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں آزاد کرا کے رہوں گا۔'' یہ کہہ کے عبدالرحمٰن نے تلوار نکال لی۔ ''میں ابھی ان پہریداروں پر حملہ کرتا ہوں۔ تم موقع پا کر نکل جانا۔''

''یہ بہادری نہیں، بے وقوفی ہے سپاہی......'' زہرا نے پھر کہا۔ ''ارے میں نے تمہارا نام تو اب تک پوچھا ہی نہیں۔''

''میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔'' خلیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بڑا اچھا نام ہے تمہارا......'' پھر خود ہی سوچتی ہوئی بولی۔ ''میں نے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن نام کے لوگ امیر، وزیر اور بڑے بڑے عہدیدار ہوتے ہیں۔ ہمارے خلیفہ کا نام بھی عبدالرحمٰن ہی ہے۔''

''میں کب کسی خلیفہ سے کم ہوں۔'' خلیفہ نے بڑی لاپروائی سے کہا۔ ''خلیفہ میری بات نہیں ٹال سکتا۔''

''اچھا...... تم خلیفہ کو جانتے ہو؟'' زہرا نے حیرت سے پوچھا۔

''اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''تمہارا کہنا بھی مانتے ہیں وہ؟''

''تمہیں یوں یقین نہیں آئے گا زہرا۔'' خلیفہ نے مصنوعی غصے سے کہا۔ ''کل میں دربار جاؤں گا اور خلیفہ عبدالرحمٰن سے تمہیں یعنی زہرا کو اپنے لئے مانگوں گا۔''

Marfat.com

''کیا کہہ رہے ہو؟'' زہرا نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ ''کیا خلیفہ تمہاری بات مان جائے گا؟''

''میں ابھی جا رہا ہوں......'' عبدالرحمٰن واپس ہونے لگا۔ ''کل تم خود دیکھ لینا۔''

''ارے سنو تو.... جا کہاں رہے ہو؟'' زہرا نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا اتنا ہی اثر ہے تو کم از کم میری ایک ساتھی کو یہاں بھیج دو۔ مجھے یہ تنہائی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔''

''اچھا۔'' کہہ کر عبدالرحمٰن دروازے پر پہنچ گیا۔

''اب کب آؤ گے؟'' زہرا نے چلتے چلتے پوچھا۔

''کل......کل دربار میں۔''

زہرا نے کچھ اور بھی کہا لیکن عبدالرحمٰن خیمے سے نکل چکا تھا۔

زہرا کو عبدالرحمٰن کی شخصیت بڑی پراسرار معلوم ہوئی۔ تھا تو وہ معمولی کپڑوں میں مگر باتیں کرتے وقت وہ کسی ریاست کا حاکم معلوم ہوتا تھا۔ پھر اُسے ایک دم یاد پڑا کہ سمورہ کے قلعہ میں عبدالرحمٰن نے اُسے پُریقین لہجے میں بتایا تھا کہ اگر وہ قرطبہ زندہ اور سلامت پہنچ گیا تو وہ اُس کی آرزو پوری کرے گا۔ اُس کے لئے ایک ایسا محل بنوائے گا جو اس کے تخیل کے مطابق ہوگا۔ اس نے سوچا کہ اگر اب عبدالرحمٰن اُس کے پاس آیا تو وہ اُس کو اُس کا وعدہ یاد دلائے گی۔ کیا پتہ وہ اتنا ہی با اثر آدمی ہو جیسا اُس نے ظاہر کیا تھا۔

زہرا دیر تک عبدالرحمٰن کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر وہ تنہائی سے اُلجھنے لگی۔ رات گزر رہی تھی لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے دُور تھی۔ اُس وقت اُسے باہر لوگوں کے چلنے پھرنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ کئی غلام آگے شمعیں لئے چل رہے تھے۔ اُن کے پیچھے وہ تمام کنیزیں تھیں جو اُس کے ساتھ سمورہ کے قلعہ سے آئی تھیں۔ غلام اور کنیزیں آگے پیچھے خیمے میں داخل ہوئیں اور زہرا کو یقین ہو گیا کہ اُس سے باتیں کرنے والا عبدالرحمٰن کوئی بڑا آدمی ضرور ہے۔ اُس نے کتنی جلدی کنیزوں کو اُس کے پاس بھیج دیا۔ کنیزوں کے لئے قالین اور دوسرا سامان بھی آیا تھا۔ غلاموں نے جلدی جلدی بستر لگا دیئے اور خاموشی سے باہر نکل گئے۔

زہرا اور کنیزیں اب تک ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ تنہائی ہوتے ہی

Marfat.com

ایک کنیز نے زہرا کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

''زہرا، ہم سب تمہارے شکر گزار ہیں، تم نے ہمیں رہائی دلائی ہے۔''

''میں نے؟'' زہرا نے اُنہیں حیرانی سے دیکھا۔ ''میں نے تو کچھ نہیں کیا۔'' میں تو خود قید میں ہوں۔''

''ہم سے بننے کی کوشش نہ کرو زہرا۔'' دوسری کنیز نے مسکرا کے کہا۔ ''اب یہ بتاؤ کہ تمہارے حُسن نے کس کو اسیر کیا ہے جو تمہارا حکم سب پر چل رہا ہے؟''

''قسم لے لو، مجھے کچھ پتہ نہیں۔'' زہرا بڑی بے بسی سے بولی۔

''تو کیا تم نے ہمیں نہیں بلوایا؟'' ایک اور نے تعجب سے کہا۔ ''ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ زہرا نے تم سب کو یاد کیا ہے۔ بس ہمیں چھٹکارا مل گیا۔ اب ہم تمہارے پاس رہیں گے۔ تم ہمیں بھول نہ جانا۔''

''میری بہنو، میری سہیلیو!'' زہرا نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ سب کیا ہے میں خود حیران ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ذرا دیر پہلے میرے پاس ایک سپاہی آیا تھا، اُس کی جان میں نے سمورہ کے قلعہ میں بچائی تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ اگر احسان کا بدلہ دینا ہے تو میرے پاس میری ایک ہی ساتھی کنیز کو بھیج دو، میں اتنے بڑے خیمے میں اکیلے کیسے رات کاٹوں گی؟ اُس نے تم سب کو بھجوا دیا۔''

''کوئی وزیر ہو گا وہ۔''

''وزیر نہیں بلکہ وزیر اعظم ہو گا۔ اُسی نے ہمیں قید کرایا ہے۔''

''نہیں میری سہیلیو!'' زہرا نے اُن کی بات کی تردید کی۔ ''میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ معمولی آدمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہوا تو دس بیس سواروں کا سردار ہو گا۔ لیکن باتیں بڑی عقلمندی کی کر رہا تھا۔''

''اور کیا کہہ رہا تھا؟ ہم سب کا کیا بنے گا؟'' کسی کنیز نے بے چینی سے پوچھا۔

''خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا بنے گا۔'' زہرا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں تو اُس پراسرار آدمی کی باتوں سے حیران ہو رہی ہوں۔ کہنے لگا زہرا، کل دربار میں تجھے خلیفہ سے مانگوں گا۔ خلیفہ میری بات نہیں ٹال سکتا۔''

Marfat.com

Marfat.com

''میں کتنی دیر میں آپ کو لینے آؤں؟'' خواجہ سرا بجائے زہرا کے سوالوں کا جواب دینے کے بس سوال ہی کرتا جا رہا تھا۔

''جب تک یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہ دوں گی۔'' زہرا اکڑ کے بیٹھ گئی۔

''مجھے جواب دینے کا حکم نہیں ہے۔'' خواجہ سرا نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔

''کیا یہ حکم بھی وزیراعظم کا ہے؟'' زہرا نے اُسے پریشان کرنے کے لئے پوچھا۔

خواجہ سرا نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا تم گونگے ہو؟ بہرے ہو؟''

خواجہ سرا پھر بھی خاموش رہا۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' زہرا پھر فرش پر لیٹ گئی اور اُس نے خواجہ سرا کی طرف پیٹھ کر لی۔

خواجہ سرا تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا، پھر اُس نے کہا۔

''غلام کچھ دیر بعد پھر حاضر ہو جائے گا۔ آپ آرام فرمالیں۔''

''جاؤ۔ میرا سر نہ کھاؤ۔'' زہرا کروٹ لیتے ہوئے بولی۔ ''تمہارا جو جی چاہے کرو۔ مجھے سولی پر چڑھوا دو۔''

خواجہ سرا بغیر جواب دیئے چلا گیا۔

زہرا کی ساتھی کنیزوں کو غصہ آ گیا۔ ایک نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''تو اپنے ساتھ ہمیں بھی مروا دے گی۔ وہ بیچارہ کتنے ادب سے کہہ رہا تھا اور تیرے دماغ ہی نہیں ملتے۔ پتہ نہیں اب کیا ہو گا۔''

''ہو گا کیا۔'' زہرا بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''یہ وزیراعظم کا بچہ مجھے اپنے حرم میں ڈال لے گا۔ ہائے اللہ میری قسمت۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں عیسائیوں کی خدمت کرتی رہتی۔''

''تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' کنیز نے بگڑ کے کہا۔ ''وزیراعظم کوئی معمولی چیز ہوتا ہے؟ عمر بھر عیش کرے گی۔''

''عجب دنیا ہے یہاں کی۔'' زہرا نے اپنا سر پکڑ لیا۔ ''ہر ایک بادشاہ بنا ہوا ہے۔ ایک

Marfat.com

''تم لوگ کون ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟'' کنیز نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شان جھاڑی۔

''خدا کے لئے ہم سے سوال نہ کیجئے۔ ہم قتل کر دیئے جائیں گے۔'' خواجہ سرا خوف کے مارے کانپنے لگا۔

کنیز پردے کے پاس سے ہٹ کے اپنی ساتھیوں کے پاس آ گئی۔ کچھ مشورے ہوئے پھر ایک کنیز نے زہرا پر جھک کے اُس کے کان میں کہا۔

''ملکہ عالم! اُٹھیے، دُلہن بنیئے، آپ کا ڈولا اُٹھنے والا ہے۔'' اُس نے زور سے زہرا کے چٹکی بھری۔

زہرا اُچھل کے بیٹھ گئی پھر بے بسی سے بولی۔

''کیا تم سب بھی چاہتی ہو کہ میں اُس موئے وزیراعظم کے پاس چلی جاؤں؟''

''اب تو جانا ہی ہو گا۔'' کنیز نے ہنس کے کہا۔ ''باراتی باہر موجود ہیں۔ نہیں جاؤ گی تو وہ زبردستی لے جائیں گے۔''

''اور وہ...... وہ آئے گا تو کیا جواب دوں گی؟'' زہرا خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''کون...... وہ سپاہی؟'' کنیز تیوریاں چڑھا کے بولی۔ ''اُس کا اور وزیراعظم کا کیا جوڑ۔ وہ آئے گا تو تجھے جھک کے سلام کرے گا۔ کیا تو نے اُس سے کوئی وعدہ کیا ہے؟''

خواجہ سرا خیمے کے پردے سے جھانک رہا تھا۔ اس نے زہرا کو بیٹھے دیکھا تو پیچھے ہاتھ لے جا کے سامان لانے کا اشارہ کیا۔ کنیزیں دھڑا دھڑ سامان اندر لانے لگیں۔

''ہائے اللہ یہ کیسی زبردستی ہے۔'' زہرا بے بسی سے بولی۔

زہرا کے ساتھ کی کنیزیں بھی ان کے ساتھ لگ گئیں۔ آئینے نصب ہو گئے۔ چوکیاں بچھ گئیں۔ آرائش کا سامان چن دیا گیا۔ ایک درجن سے زیادہ مشاطائیں زہرا کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑی ہو گئیں لیکن سب خاموش سر جھکائے۔

''مجھے کہاں لے جانا ہے؟'' زہرا نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

کئی کنیزوں نے دوڑ کر زہرا کو سہارا دیا مگر جواب ندارد جیسے اُن کی زبانیں کاٹ لی گئیں ہوں۔ زہرا نے بھی کوئی اور بات نہ کی۔ وہ سمجھ گئی کہ ان سے سر مارنا بیکار ہے۔

Marfat.com

انہیں سکھا پڑھا کر بھیجا گیا ہے۔ اپنی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جواب دینے سے انہیں منع کر دیا گیا ہے۔ آخر زہرا نے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ کنیزوں نے اسے لے جا کر آئینوں کے سامنے گنگا جمنی چوکی پر بٹھا دیا۔

زہرا کی ساتھ والیاں الگ کھڑی اسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں زہرا کی قسمت پر ضرور رشک آ رہا ہوگا۔ زہرا کی نظر ان پر پڑی تو جل کے بولی۔

''اب تو خوش ہو۔ جانور کو قربانی سے پہلے اسی طرح سجایا بنایا جاتا ہے۔''

زہرا کی ساتھ والیاں ڈر گئیں۔ انہوں نے زہرا کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ زہرا سر جھکا کے بیٹھ گئی۔ بالکل لاتعلق ہو کے...... ماہر مشاطاؤں نے بڑی جلدی سرخی پوڈر لگا کر زہرا کے حسن کو نکھار دیا۔ پھر زیورات کے صندوقچے اور کپڑوں کے بکسے کھولے گئے۔

''ہم باہر جا رہے ہیں۔'' ایک مشاطہ نے زہرا کی کنیزوں سے کہا۔ ''جو زیورات اور لباس پسند ہو انہیں پہنا دیجئے۔''

تمام خواجہ سرا اور کنیزیں خیمے سے نکل گئیں۔ زہرا کی کنیزوں نے باہم مشورے سے اس کے لیے مہندی رنگ کا جوڑا پسند کیا۔ اس پر سونے کا کام کیا ہوا تھا اور جگہ جگہ جواہر پارے ٹکے تھے۔ زہرا دلہن بن کے تیار ہوئی تو یوں لگا جیسے بدلی سے چاند نکل آیا ہو۔ کنیزوں نے باری باری زہرا کی بلائیں لیں۔ اس لباس مین وہ قاف کی پری اور بادشاہ زادی نظر آنے لگی۔

باہر اطلاع دی گئی کہ زہرا تیار ہے۔ خواجہ سرا اور کنیزیں خیمے میں آئیں تو زہرا کی چھب اور بانکپن دیکھ کے حیران رہ گئیں۔ کسی نے ماہ پارا۔ کسی نے سیمیں بدن، اور کسی نے سرو قد کہا۔ ہر طرف سے بسم اللہ اور سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ چاروں طرف کنیزیں حلقہ کئے ہوئے درمیان میں زہرا خیالات میں گم، آہستہ قدم اٹھاتی خیمے سے نکلی۔ باہر گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ گھوڑے سونے چاندی کے ساز سے سجے تھے۔ باہر حریری پردے اندر مخملیں مسند اور گاؤ تکئے لگے تھے۔ کنیزوں نے سہارا دے کر زہرا کو سوار کرایا۔ کنیزوں نے باد بہاری کا نعرہ لگایا۔ خواجہ سرا آگے آگے چلنے لگے۔ کنیزیں دائیں بائیں رواں ہوئیں۔ فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ دم کے دم میں گاڑی قلعہ کے صدر دروازے میں داخل ہوئی۔ محافظوں نے جھک کے تعظیم پیش کی۔ زہرا نے اپنی تمام

Marfat.com

ساتھی کنیزوں کو اپنے ساتھ ہی سوار کرا لیا تھا وہ پیروں میں بیٹھی تھیں۔ کنیزیں بار بار پردے سرکا کر جھانکتیں اور دم بخود رہ جاتیں۔ گاڑی جدھر سے گزرتی لوگ پھر پھر کر گاڑی کو سلام کرتے۔ کنیزیں بھی باہر دیکھتیں اور کبھی زہرا کے چہرے پر نظریں جماتیں اور دل میں شانِ خداوندی کی تعریفیں کرتیں۔ یہ زہرا کی سواری تھی یا ملکہ اسپین کا جلوس۔

گاڑی سنگ مرمر کی سیڑھیوں کے پاس رکی۔ ایک کنیز نے جھانک کر دیکھا اور حیرت سے بولی۔

''اللہ اللہ...... وزیراعظم کے محل کی یہ شان تو شاہی محل کا کیا حال ہوگا۔''

باری باری سب نے جھانکا اور حیرت کا اظہار کیا۔ زہرا بت بنی بیٹھی تھی۔ پھر باہر کچھ شور ہوا۔ گاڑی کے پردے اٹھا دیئے گئے۔ دور دور تک کسی مرد کا پتہ نہ تھا۔ جگہ جگہ پہریدار عورتیں تلواریں کھینچے کھڑی تھیں۔ کنیزوں کی ایک پوری فوج سیڑھیوں سے اتر کے گاڑی کے پاس آ گئی تو سیڑھیوں پر گل پاشی ہوئی۔ کنیزیں دو رویہ کھڑی ہوگئیں۔ زہرا کو گاڑی سے اتارا گیا۔ سیڑھیاں طے ہوئیں۔ کئی راہداریوں کو پار کیا گیا اور گاڑی ایک بڑے دروازے پر جا کر رک گئی۔

آگے آگے چلنے والی چوبدارنی دروازے پر پہنچی اور اس نے آواز لگائی۔

''باادب ہوشیار، باب عالی میں داخلے کا وقت ہے۔ نظریں نیچی رہیں۔ ادب ملحوظ خاطر رہے۔ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین عبدالرحمٰن ثالث تاجدار سلطنت اسپین علیہ محترمہ زہرا خاتون کو اذنِ قدم بوسی عطا کرتے ہیں۔''

زہرا اور اس کی سہیلیاں اس اعلان پر چونک پڑیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ چوبدارنی تیزی سے زہرا کے پاس آ گئی اور بولی۔

''علیہ محترمہ قدم بڑھایئے۔''

''کیا، کیا یہ خلیفہ کا دربار ہے؟'' زہرا نے اٹک اٹک کے پوچھا۔

''جی علیہ محترمہ، خلیفہ معظم آپ کے منتظر ہیں۔'' چوبدارنی نے ادب سے کہا۔

''مجھے یعنی مجھے خلیفہ معظم نے طلب کیا ہے؟''

''نہیں علیہ محترمہ، یہ طلبی نہیں۔ خلیفہ محترم نے آپ کو شرف ملاقات بخشا ہے۔''

Marfat.com

''میرا نام زہرا ہے تم مجھے علیہ محترمہ کیوں کہہ رہی ہو؟'' زہرا چڑ کے بولی۔

''ہمیں یہی حکم ہے علیہ محترمہ۔ آپ بسم اللہ کہہ کر تشریف لے جایئے۔'' چوبدارنی نے نرمی سے سمجھایا۔ نظریں نیچی رکھئے گا جب تک خلیفہ معظم آپ کو مخاطب نہ کریں خاموش رہیئے گا۔

''خاموش رہوں گی تو خلیفہ معظم کو سلام کیسے کروں گی۔ کیا یہ گستاخی نہ ہو گی۔'' زہرا نے بحث شروع کر دی۔

''آپ نظریں نیچی کیے تسلیم پیش کیجئے۔ بولنے کی ضرورت نہیں۔ باب عالی کا یہی طریقہ ہے۔'' چوبدارنی نے بڑی لجاجت سے کہا۔ ''یہاں گفتگو میں پہل کرنا گستاخی میں داخل ہے۔''

''اگر خلیفہ معظم نے ناراض ہو کر میرے قتل کا حکم دے دیا تو مجھے کون بچائے گا؟'' زہرا نے دوسرا سوال اٹھایا۔

''میں خلیفہ معظم سے صاف کہہ دوں گی کہ یہ میرا قصور نہیں اور تمہیں بلا کر قتل کیا جائے۔''

چوبدارنی گھبرا رہی تھی۔ خلیفہ باریابی کا حکم دے چکے تھے اور زہرا بحث میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ پریشان تھی کہ زہرا کو کس طرح سمجھایا جائے۔ آخر گڑگڑا کر بولی۔

''علیہ محترمہ اگر آپ اندر تشریف نہیں لے گئیں تو میں ضرور قتل کرا دی جاؤں گی۔ خلیفہ معظم آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ......'' زہرا نے رازداری کا انداز اختیار کیا۔ ''خلیفہ معظم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟''

''علیہ محترمہ خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجئے۔'' غریب چوبدارنی کی بے بسی کا عالم دیدنی تھا۔

''خلیفہ معظم کے پاس اور کون ہے؟'' زہرا نے چوبدارنی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ایک اور سوال کر دیا۔ ''خلیفہ معظم تنہا ہیں۔ صرف خدمت گار کنیزیں اندر ہیں۔'' چوبدارنی نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا۔ اسی وقت سامنے کے پردے میں حرکت

Marfat.com

ہوئی اور ایک کنیز آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''علیہ محترمہ......'' اس نے بڑے انکسار سے کہا۔ ''جلد تشریف لے چلئے۔ خلیفہ عالی مقام بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔''

''انتظار......میرا......'' زہرا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''جی ہاں تشریف لائیے۔''

زہرا نے نظریں پھیر کر دیکھا۔ تمام کنیزیں سر جھکائے پتھر کی مورتیوں کی طرح خاموش کھڑی تھیں۔

''اچھا چلو۔'' اور زہرا جی کڑا کر کے پردے کی طرف بڑھی۔

''کنیز نے پردہ ہٹا دیا۔''

''پاس ادب ملحوظ رہے۔ نظریں نیچی کر لیجئے۔''

زہرا سر جھکائے ہوئے اندر پہنچ گئی۔ کنیز اس کے آگے آگے تھی۔ چند قدم چلنے کے بعد کنیز نے آہستہ سے کہا۔

''بس یہیں ٹھہر جائیے۔''

زہرا کے قدم رک گئے۔ رعب شاہی سے اس کا جسم تھرتھرا گیا۔ اس نے کانپتے بدن اور دھڑکتے دل کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ کنیزیں ایک ایک کر کے اس کے قریب سے گزر کر باہر چلی گئیں۔

اس وقت ایک سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''زہرا۔''

زہرا چونک اٹھی۔ آواز اس کی پہچانی ہوئی تھی۔ ہاں ہاں ضرور، آواز عبدالرحمٰن کی ہے مگر وہ یہاں کیسے آیا۔ نہیں نہیں یہ سب اس کا واہمہ ہے۔ زہرا نے دل کو تسلی دے لی اور اسی طرح خاموش کھڑی رہی۔

''زہرا......'' سرگوشی دوبارہ ابھری۔

''عبدالرحمٰن'' اس کے دل سے جیسے آواز اٹھی۔ مگر اس کی نظریں نہ اٹھ سکیں۔ کیونکہ چوبدارنی نے تاکید کی تھی کہ نظریں اوپر نہ اٹھیں۔ کیونکہ یہ آدابِ شاہی کے خلاف ہے۔

Marfat.com

اس نے پھر دل کو تسلی دی۔ بھلا عبدالرحمٰن یہاں کیسے آ سکتا ہے۔

تیسری بار سرگوشی ایک واضح آواز میں تبدیل ہو گئی۔

''زہرا نظریں اٹھاؤ ہمیں دیکھو۔''

زہرا کے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ اس نے کہا۔ یہ آواز تو اس عبدالرحمٰن کی ہے جسے تو نے یہاں آنے سے پہلے یاد کیا تھا۔ جسے برا بھلا کہا تھا۔ خوف مت کھا۔ یہ واہمہ نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے نظریں اٹھا کے دیکھ مسند شاہی پر کون بیٹھا ہے۔''

زہرا نے ہمت کی۔ خود کو سنبھالا۔ اور آہستہ آہستہ نظریں بلند کرنا شروع کیں۔ کامدار جوتے۔ جھلملاتی قبا، سینے پر دمکتے ہوئے ہیرے اور یہ چہرہ۔

''ارے، ارے، رے تم، عبدالرحمٰن۔''

اور زہرا جیسے سب کچھ بھول گئی۔ اس کی نظریں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اسے ایک جھرجھری سی آئی پھر وہ گم صم ہو گئی۔

''ڈرو نہیں زہرا۔ ہمارے قریب آؤ۔'' خلیفہ نے بڑے پیار سے کہا۔

''مگر آپ ...... آپ خلیفہ معظم ہیں۔''

زہرا پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔

''ہاں زہرا......'' خلیفہ نے اسی محبت سے کہا۔ ''ہم خلیفہ ہیں مگر تمہارے لیے نہیں۔ ہم تو تمہارے عبدالرحمٰن ہیں۔ وہی عبدالرحمٰن جسے تم نے خندق میں لاشوں کے اوپر بیٹھے دیکھا تھا۔ جسے تم نے قلعہ سے باہر نکالا تھا۔ تم عبدالرحمٰن کو بھول گئیں۔ مگر ہم تمہیں نہیں بھولے۔ آ جاؤ ہمارے قریب۔''

زہرا ایک قدم بڑھ کے رک گئی۔ پھر تھرتھراتی آواز میں بولی۔

''نہیں نہیں آپ خلیفہ ہیں زہرا ایک معمولی سی کنیز ہے۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگ سکتا۔ دنیا آپ کو کیا کہے گی۔ لوگ مجھ پر لعنت بھیجیں گے۔''

''زہرا......'' خلیفہ پُر رعب لہجے میں بولا۔ ''تمہیں برا کہنے والوں کی زبانیں تراش دی جائیں گی۔ جن آنکھوں میں تمہارے لیے احترام نہ ہو گا وہ بے نور کر دی جائیں گی اور ہمارے نام کے ساتھ تمہارا نام لیا جائے گا۔''

Marfat.com

''نہیں خلیفہ معظم۔'' زہرا ہاتھ جوڑ کے بولی۔ ''مجھ پر رحم کیجئے۔ میں تو آپ کی جوتیوں کے پاس بھی بیٹھنے کے قابل نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔''

''تم ہمارے دل پر حکومت کرو گی زہرا۔'' خلیفہ مسند سے اٹھ کر زہرا کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے مسند کے پاس لے گیا۔ ''تم ہمارے پاس رہو گی۔ ہمارے ساتھ رہو گی۔ تمہاری جگہ اس مسند پر ہمارے برابر ہے۔''

بڑی مشکل سے زہرا کا دل ٹھہرا۔ خلیفہ کی باتوں نے اسے بڑا اطمینان دلایا۔ خلیفہ نے مسند پر بیٹھ کے زہرا کو اپنے برابر بٹھا لیا۔ زہرا نے اپنے حالات پر غور کیا۔ اس پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قسمت نے اسے ذرے سے آفتاب بنا دیا ہے۔ وہ شاہی محل اور شاہی مسند تک پہنچ چکی ہے۔ اب یہ اس کی ہمت اور فراست ہے کہ جس مقام تک آ گئی ہے اس سے پیچھے قدم نہ ہٹائے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

''کیا سوچ رہی ہو زہرا؟'' خلیفہ نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔ ''کیا تمہیں ہماری باتوں کا اعتبار نہیں؟''

''نہیں خلیفہ معظم'' زہرا متانت سے بولی۔ ''میں تو قسمت کی ستم ظریفی پر غور کر رہی ہوں۔ ایک وہ وقت تھا کہ اسپین کا خلیفہ خندق میں پڑا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ ایک کنیز مسند پر ہے۔ وقت اور حالات کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔''

اور پھر اسے ایک دم ہنسی آ گئی۔

''کیا ہوا۔ کس بات پر ہنسی آ گئی؟'' خلیفہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''خلیفہ معظم گستاخی معاف فرمائیں تو عرض کروں۔'' زہرا نے ادب سے پوچھا۔

''ضرور کہو زہرا۔ ہم تمہیں اسی طرح ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتے ہیں۔'' خلیفہ نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''خلیفہ معظم سب کچھ یاد ہے پہلے میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ آپ کو بہت برا بھلا کہا تھا۔'' اور زہرا پھر ہنسنے لگی۔

''مگر کیوں ہماری طرف سے تو کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔'' خلیفہ کی دلچسپی بڑھ گئی۔

''جب مجھے سجایا بنایا جا رہا تھا تو میں سمجھی تھی کہ مجھے وزیر اعظم کی قتل گاہ میں بھیجا جا

Marfat.com

رہا ہے۔"

"قتل گاہ۔" خلیفہ کو بھی ہنسی آ گئی۔ "مگر تمہیں یہ کیوں خیال آیا؟"

"مجھے تو یہی بتایا گیا تھا کہ ہم سب کو وزیر اعظم کے حکم سے خیمے میں قید کیا گیا ہے۔" زہرا نے شکایتاً کہا۔ "خلیفہ معظم نے تو ہر بات پر اسرار کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ تمام خواجہ سرا اور کنیزیں گونگی بہری بن گئی تھیں۔ جس کو پوچھو وہ خاموش کوئی جواب ہی نہیں دیتا تھا۔ پھر مجھے خلیفہ معظم پر بڑا غصہ آیا۔"

میں نے اپنی ساتھ والی ایک کنیز سے کہا۔

"ایک عبدالرحمٰن سے امید لگائی تھی۔ وہ بھی دھوکہ دے گیا۔ اس نے کہا تھا میں خلیفہ سے تجھے مانگ لوں گا مگر اب پتہ نہیں کہاں منہ چھپائے پڑا ہے۔ اگر میں وزیر اعظم کے گھر پہنچ گئی تو مجھے کون چھڑائے گا۔ میں نے وزیر اعظم کو بھی بہت صلواتیں سنائی تھیں۔

"اب بتاؤ۔ کیا ہم نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔" خلیفہ مسکرایا۔ "ہم نے تو تمہیں اپنا نام بھی بتا دیا تھا۔ تم ہی ہمیں نہیں پہچان سکیں؟"

"میں خلیفہ معظم کی شکر گزار ہوں۔" زہرا سر جھکا کے بولی۔ "آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔"

"ابھی کہاں زہرا۔" خلیفہ نے اپنی پگڑی میں اٹکا ہوا ایک بڑا ہیرا نکال کے زہرا کی طرف بڑھایا۔ "اسے سنبھالو۔ یہ وعدے کی پہلی کڑی ہے۔ ہم اس ہیرے کے احسان مند ہیں۔ اس ہیرے کی تلاش میں تم خندق تک پہنچی تھیں۔"

زہرا نے ہیرا ہاتھ میں لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا پھر بولی۔

خلیفہ معظم نے درست فرمایا۔ نہ میرے دل میں ہیرے کو حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی اور نہ میں خندق پر جاتی اور نہ آج یہاں ......" زہرا شرما گئی۔ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

عبدالرحمٰن اور زہرا بہت دیر تک باتیں کرتے رہے پھر زہرا کو ایک سجے سجائے محل میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے لیے غلاموں اور کنیزوں کو الگ مقرر کیا گیا اور اس کے لیے ان تمام مراعات کا اعلان ہوا۔ جو خلیفہ کی دوسری بیگمات کو حاصل تھیں۔ زہرا نے اپنے محل میں پہنچتے ہی ان تمام کنیزوں کو اپنے محل میں طلب کیا جو اس کے ساتھ سمورہ سے آئی

Marfat.com

تھیں۔اس نے ان کنیزوں کا درجہ بڑھا کر اپنی سہیلیوں میں شامل کر لیا۔

اس مشہور و معروف کنیز کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں مشہور ہوئیں۔کوئی اسے یمنی کنیز بتاتا ہے، کسی کے خیال میں یہ بربر قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔غرض یہ کہ اس کی ذات اور نسل کے بارے میں بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں۔زہرا کے بارے میں اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ کسی اعلیٰ خاندان سے نہیں تھی۔اسے جو کچھ عزت اور وقار حاصل ہوا وہ خلیفہ کی محبت کا نتیجہ تھا۔زہرا بہت جلد اپنے حُسن اور حُسنِ عمل سے خلیفہ کے دل و دماغ پر چھاتی چلی گئی۔قرطبہ میں اس کی آمد سے محلات شاہی میں زلزلہ سا آ گیا۔تمام بیگمات کے چراغ گل ہو گئے۔ولی عہد کی ماں ملکہ مرجانہ کو بھی زہرا کی عظمت اور طاقت کو تسلیم کرتے ہی بنی۔

Marfat.com

زہرا کنیز جو اب علیہ محترمہ زہرا خاتون بن چکی تھی، بڑی خوش قدم ثابت ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ اُس کے قدموں کی برکت تھی کہ اسلامی لشکر نے مسلسل فتوحات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ شاہ جلیقیہ کو پہلے ہی شکست ہو چکی تھی، وہاں سے فارغ ہو کر سپہ سالار احمد بن یعلیٰ نے عیسائیوں کی سب سے طاقتور ریاست لیون کی طرف پیش قدمی کی رومیرد شاہ لیون اپنے حریف امیر قشتالیہ فرڈی ننڈ سے لڑتے لڑتے پہلے ہی کمزور ہو رہا تھا۔ اُس نے فوراً فرڈی ننڈ سے صلح کر لی۔ اُس نے چاہا کہ فرڈی ننڈ کو ساتھ ملا کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کرے لیکن فرڈی ننڈ نے فوراً اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔

شاہ لیون کو قشتالیہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو اُس نے لشکر اکٹھا کر کے احمد بن یعلیٰ کے مقابلہ پر بھیجا۔ احمد نے سب عیسائی لشکر کو ایک طویل جنگ میں اُلجھا کر اسے آہستہ آہستہ کمزور کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دنوں بعد عیسائی لشکر تنگ آ کر میدان چھوڑ کر پسپا ہو گیا۔ اس کامیابی کی خبر جب قرطبہ پہنچی تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ اُدھر احمد بن یعلیٰ کو دوسری کامیابی حاصل ہوئی۔ اُس نے مدینہ سالم کا محاصرہ کر لیا اور جلد ہی قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ سالم پر مسلمانوں کے قبضے سے رومیرد کو سخت صدمہ ہوا۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ احمد کے مقابلہ پر نکلا۔

مسلمانوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عیسائی لشکر کے پرخچے اُڑا دیئے اور رومیرد کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ احمد نے فوراً قلعہ سالم کو مضبوط کیا اور رومیرد کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ خلیفہ کا مقصد لیون یا قشتالیہ پر قبضہ کرنے کا نہیں تھا وہ تو ان ریاستوں کو اپنا باجگذار بنانے کا خواہشمند تھا۔ اس صورت میں ممکن تھا کہ یہ ریاستیں جنگ کرتے کرتے کمزور ہو جائیں اور خلیفہ کی سیادت کو قبول کر لیں۔

Marfat.com

رومیرد، مدینہ سالم کو واپس لینے کے لئے جلد ہی لشکر لے کر آ گیا اسلامی لشکر کچھ دنوں قلعہ بند رہا، پھر اس نے نکل کر مقابلہ کیا۔ عیسائی لشکر بد دل ہو چکا تھا اس لئے میدان میں قدم نہ جما سکا اور رومیرد کو ایک بار پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اُس نے یہاں سے پسپا ہو کر طلبیرہ کا رُخ کیا لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی اور وہ راستے ہی میں مر گیا۔ رومیرد مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اُس کے مرتے ہی لیون میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ لیون کے تخت و تاج کے دونوں دعویداروں نے خلیفہ عبدالرحمٰن سے الگ الگ صلح کر لی۔ اس طرح اسلامی لشکر عیسائیوں کو خانہ جنگی میں مبتلا چھوڑ کر فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا قرطبہ واپس آ گیا۔

فاتح لشکر کا پُر جوش استقبال کیا گیا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ان فتوحات سے اس قدر خوش تھا کہ وہ اپنے اُمراء اور وزراء کے ساتھ لشکر کو خوش آمدید کہنے کے لئے قرطبہ کے صدر دروازے پر موجود تھا۔ خلیفہ نے تمام سرداروں کو انعام و اکرام سے نوازا اور سپہ سالار احمد بن یعلیٰ کو انعام کے علاوہ عیسائیوں کے پرانے دارالسلطنت طلیطلہ کا عامل مقرر کر دیا۔

پورے قرطبہ کو سجایا گیا۔ ایک ہفتہ کے جشن عام کا حکم ہوا۔ رات کے وقت پورے شہر میں چراغاں ہوتا تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ اس جشن کے دوران خلیفہ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ شاہی اطباء اور حکماء محل میں جمع ہوئے۔ وہ سب سر جوڑ کر بیٹھے، مشورے ہوئے اور باہم طے پایا کہ خلیفہ کی فصد کھول دی جائے۔ عبدالرحمٰن فصد کھلوانے پر رضامند نہ تھا۔ کئی دن تک طبیب کوشش کرتے رہے اور خلیفہ کو مرض کی اُونچ نیچ سمجھاتے رہے مگر خلیفہ برابر انکار کرتا رہا۔ طبیب بہت فکرمند تھے۔ مرض کے بڑھ جانے کا امکان تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ ان کی فکر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ قصر خلافت کے سب ہی لوگ حد درجہ پریشان تھے۔ لونڈیاں اور غلام تو خصوصیت سے زیادہ فکر مند تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر خلیفہ کو کچھ ہو گیا تو وہ برباد ہو جائیں گے۔ بادشاہ بدلے گا تو عملہ بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اور پھر ان کے یہ ٹھاٹ باٹ ختم ہو جائیں گے۔

ایک دن قصر کی کنیزیں فکر مند تھیں اس موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں اور اپنی اپنی عقل کے مطابق علاج تجویز کر رہی تھیں مگر بات گھوم پھر کر فصد پر آ جاتی تھی جس کے لیے

Marfat.com

ملکہ مرجانہ بھی زور لگا چکی تھیں مگر وہ بھی ناکام ہوگئی تھیں۔ معاً ایک کنیز کو دل لگی سوجھی اس نے ہنس کر کہا۔

''فصد کھولنے کے لیے محبت کا نشتر بنایا جائے تو خلیفہ راضی ہو جائیں گے۔''

''محبت کا نشتر۔'' دوسری نے حیرت کا اظہار کیا۔ نشتر لوہے فولاد کا ہوتا ہے۔ خلیفہ کے لیے سونے چاندی کا نشتر بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ محبت کا نشتر کہاں ہوتا ہے کس ملک میں یہ بنتا ہے۔''

''یہ نشتر قرطبہ میں موجود ہے۔'' اس کنیز نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''لیکن حاصل کرنا مشکل ہے۔''

ایک کنیز جس کا بھائی شہر کوتوال کے سپاہیوں میں بھرتی تھا۔ بڑے غرور سے بولی۔

''مجھے بتا یہ نشتر کس کے پاس ہے میں اپنے بھائی سے کہہ کر ابھی منگوائے لیتی ہوں۔''

''تیرا بھائی۔'' پہلی کنیز نے اسے گھورا۔ ''اری تیرا بھائی کیا۔ اس جگہ تک تو تیرا کوتوال شہر بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

''تو کوئی اتہ پتہ تو بتا۔'' وہ چڑ کے بولی۔ ''انسان کوشش کرے تو کیا نہیں کر سکتا۔''

''تو جاؤ علیہ محترمہ زہرا کو راضی کرلو۔'' پہلی کنیز نے بتا دیا۔ ''ان کی زبان ہی نشتر ہے۔ وہ کہہ دیں تو کیا مجال کہ خلیفہ انکار کریں۔''

کنیزوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا پھر چہ میگوئیاں کرنے لگیں۔

''بات تو بڑے پتے کی کہی ہے۔ دل کو لگتی ہے۔'' ایک نے تبصرہ کیا۔

''تم دل کو لگتی کہتی ہو اور میں کہتی ہوں کہ یہ سولہ آنے سچی ہے۔'' دوسری بولی۔

''محبت کی چھری سے حلال ہونے کے لیے تو لوگ چھری پر سر دھر دیتے ہیں۔''

''مگر بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔'' ایک اور آواز ابھری۔ ''علیہ محترمہ سے کہنے کون جائے گا۔ ملکہ مرجانہ کو معلوم ہوگیا کہ ہم سے کوئی علیہ زہرا کے محل گیا تو اس کی خیر نہیں۔ چوٹی پکڑا کے نکلوا دیں گی محل سے۔''

''نا [illegible] نا بابا ہم اس جھگڑے میں نہیں پڑتے۔'' ایک آواز آئی۔

Marfat.com

''ہاں جی...... کون مصیبت مول لے۔'' دوسری آواز ابھری۔
''ہم کیوں اپنی جان دکھوں میں ڈالیں۔'' یہ تیسری آواز تھی۔
''دفع کرو اس قصے کو۔''

یہ بات سب کو پسند آئی اور بات واقعی دفع ہو گئی۔ کنیزوں کا ڈر اور خوف بھی اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ زہرا اور ملکہ مرجانہ میں خوب ٹھنی تھی۔ سلام کلام، آنا جانا بالکل بند تھا۔ ملکہ مرجانہ کی حکومت قصرِ شاہی پر چلتی تھی۔ زہرا کے محل کے علاوہ باقی تمام محلات ملکہ کی نگرانی میں تھے۔ سب کنیزیں، غلام، خواجہ سرا اُس کے ماتحت تھے۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ زہرا کے محل میں جاتا۔ زہرا اپنے محل اور اپنی مرضی کی مالک تھی۔ ملکہ مرجانہ کی وہ قطعی پروا نہ کرتی تھی۔ اُس نے اپنی کنیزوں اور غلاموں کو دوسرے محلوں میں جانے سے روک دیا تھا۔

کنیزوں کے درمیان جو بات دل لگی میں ہوئی تھی وہ دل لگی ہی میں ختم ہو گئی لیکن منہ سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے۔ یہ بات بھی پَر لگا کر تمام محلات میں پھیل گئی۔ پھر امراء اور وزراء سے ہوتی ہوئی طبیبوں کے کانوں تک پہنچی۔ وہ علاج معالجے کے ماہر تھے لیکن انسانی ذہن کے اس پہلو پر انہوں نے غور ہی نہ کیا تھا۔ وہ سب مل کے بیٹھے اور باہم مشورہ کیا۔ پھر تمام معالج وفد کی صورت میں زہرا کے محل پر پہنچ گئے۔

زہرا کو اطلاع ہوئی تو پریشان ہو گئی کہ آخر تمام شاہی اطباء اُس کے پاس کس لئے آئے ہیں۔ اُس نے امراء اور وزراء کو اپنی ملاقات سے منع کر دیا تھا لیکن طبیبوں کے وفد کو وہ نہ ٹال سکی۔ یوں بھی وہ بہت رحم دل تھی۔ وہ غریب پرور تھی اور خیرات وصدقات میں دل کھول کے خرچ کرتی تھی۔ چنانچہ زہرا نے طبیبوں کو اندر بلا لیا۔ وہ کسی سے پردہ نہ کرتی تھی۔

طبیبوں کے وفد نے پیش ہو کر زہرا کو تسلیمات پیش کی۔
زہرا نے جواب دینے کے بعد بڑی نرمی سے دریافت کیا۔
''میں ناچیز اپنے ملک کے طبیبوں کی کیا خدمت کر سکتی ہوں''
''علیہ محترمہ......'' ایک طبیب نے ادب سے کہا۔ ''آپ کو علم ہے کہ خلیفہ معظم کی

Marfat.com

طبیعت ناساز ہے۔ اُن کے خون میں......"

"ٹھہریئے محترم!" زہرا نے اُن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کیسے علم ہوا کہ خلیفہ محترم کی طبیعت ناساز ہے۔ وہ تو ابھی میرے پاس سے اٹھ کے گئے ہیں۔"

"آپ کو علم نہیں۔" طبیب نے جواب دیا۔ "وہ تو کئی دن سے بیمار ہیں۔ ہم نے معائنہ کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ خلیفہ معظم کی فصد کھولی جائے لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔"

"حکیم محترم! سخت تعجب ہے کہ خلیفہ نے اپنی بیماری کا مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ مگر شاید یہ میری کم عقلی ہے۔ اگر انہوں نے نہیں بتایا تھا تو مجھے خود معلوم ہونا چاہیئے تھا۔"

زہرا کا جواب سن کر طبیبوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔ زہرا نے بڑی عقلمندی سے خلیفہ کی غلطی کو اپنے سر لے لیا تھا۔ پھر ذرا رک کر زہرا نے خود ہی کہا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خلیفہ کو فصد کھلوانے پر آمادہ کروں تو میں اس فرض کو خوشی سے انجام دوں گی۔"

"ہم لوگ آپ کے شکر گزار ہیں علیہ محترمہ!" حکیم نے کہا۔ "فصد کھلنے کے بعد اُن کی تمام قوتیں واپس آ جائیں گی۔"

"مجھے تو آپ لوگوں کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔" زہرا نے شائستگی کا مظاہرہ کیا۔ "آپ نے خلیفہ کے مرض سے مجھے آگاہ کر کے ہم پر احسان کیا ہے۔ آخر میری زندگی بھی تو خلیفہ سے ہی وابستہ ہے۔ اور ان کی زندگی تک ہی میں "زہرا" ہوں۔"

زہرا نے جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا اس نے طبیبوں کو زہرا کی فراست اور حقیقت پسندی کا قائل کر دیا۔ پھر جب وہ زہرا کے محل سے واپس ہوئے تو تمام راستے زہرا ہی کا ذکر کرتے رہے۔

طبیبوں کے جانے کے بعد زہرا نے خلیفہ سے ملاقات کی یا اُسے کیا پیغام بھیجا کہ خلیفہ نے اُسی شب طبیبوں کو مطلع کر دیا کہ کل اُس کی فصد کھولی جائے۔ طبیب اُس کی فراست کے تو پہلے ہی قائل تھے اب انہیں زہرا کی طاقت کا بھی اندازہ ہو گیا۔ وہ خلیفہ جو کسی کی بات سننے پر آمادہ نہ تھا اب اُس نے خود ہی اپنے علاج کا حکم دیا تھا۔

Marfat.com

صبح ہوتے ہی تمام طبیب فصد کا سامان اور دیگر اشیاء ضروری لے کر شاہی محل پہنچ گئے۔ خلیفہ محل سے برآمد ہوا۔ مریض ہونے کے باوجود اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ فصد کھولنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

جس گھڑی خلیفہ کی رگ پر نشتر رکھا جانے والا تھا اُسی وقت کمرے کی کھڑکی سے ایک مینا اُڑتی ہوئی اندر آ گئی اور سونے کے گلدان پر بیٹھ گئی۔ نشتر لگانے والے کا ہاتھ رُک گیا اور کمرے میں موجود تمام لوگ کچھ حیرت اور کچھ دلچسپی سے مینا کو دیکھنے لگے۔ خلیفہ کی توجہ بھی اس طرف ہوگئی۔

گلدان پر بیٹھی مینا نے اپنی گردن اِدھر اُدھر گھمائی جیسے وہ حاضرین کا معائنہ کر رہی ہو، پھر نشتر لگانے والے کی طرف منہ کر کے سریلی اور شیریں زبان سے عربی کا یہ قطعہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

''اے فصد کھولنے والے نہایت آہستگی سے نشتر لگا۔
کیونکہ تو جس کی فصد کھولنا چاہتا ہے وہ امیر المومنین ہیں۔
عالموں کے مربی اور سرپرست۔''

تمام حاضرین مینا کی خوش الحانی اور برمحل اشعار پر واہ واہ اور سبحان اللہ کہہ اُٹھے۔ خلیفہ بھی مینا کی زبان سے یہ قطعہ سن کر بہت خوش ہوا۔

خلیفہ نے دریافت کیا۔ ''یہ مینا کس کی ہے؟''

قبل اس کے کہ کوئی اور جواب دیتا، مینا خود بولی۔

''میں ولی عہد الحکم کی والدہ ملکہ مرجانہ کی مینا ہوں۔''

خلیفہ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا اور اُسی وقت ملکہ مرجانہ کو بیس ہزار دینار سرخ بھیجنے کا حکم دیا۔ خلیفہ کے اس اعلان سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ ملکہ مرجانہ اور علیہ زہرا میں اَن بن رہتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی سوکن تھیں۔ ملکہ کو جب معلوم ہوا کہ خلیفہ نے اُس کے کہنے سے فصد نہیں کھلوائی لیکن جب زہرا نے کہا تو وہ آمادہ ہو گیا۔ یہ مرجانہ کی توہین تھی۔ اُس نے فوراً توہین کا بدلہ لینے کا قصد کیا۔

مورخ بتاتے ہیں کہ ملکہ مرجانہ نے ایک گراں قدر رقم کے عوض یہ بولنے والی مینا

Marfat.com

خریدی تھی۔ وہ بالکل انسانوں کی طرح باتیں کرتی تھی۔ ملکہ نے مینا کے لئے اپنے محل میں ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا اور کئی خواجہ سرا اور کنیزیں اُس کی دیکھ بھال پر مقرر تھیں۔ ملکہ نے یہ قطعہ مینا کو یاد کرا دیا اور سمجھا دیا کہ جس وقت فصد کھلنے لگے تو یہ قطعہ سب کے سامنے خوش الحانی سے پڑھے۔ فصد کھلنے کے وقت اپنی کنیز خاص کے ذریعہ مینا کو کمرے کی کھڑکی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ مینا اُڑ کر کمرے میں پہنچ گئی اور قطعہ پڑھا۔ اس طرح ملکہ نے اپنا بدلہ لے لیا۔

زہرا کی کنیزیں یہ اعلان لے اُڑیں اور دم کے دم میں زہرا کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ مرجانہ نے اپنی مینا کے ذریعے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی ہے اور اُسے بیس ہزار دینار سرخ دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اب زہرا کے لئے بھی جوابی کارروائی ضروری ہو گئی۔ زہرا دیر تک اس مسئلہ پر غور کرتی رہی۔ بہت سی تدبیریں اُس کے ذہن میں آئیں لیکن کسی پر طبیعت نہ جمی۔ آخر ایک عجیب و غریب ترکیب اُسے سوجھ گئی۔

زہرا نے فصد کھل جانے کے بعد وزیر سلطنت کو پرچہ بھیج کر چالیس ہزار دینار سرخ اپنے محل میں منگوائے۔ زہرا کا حکم خلیفہ کا حکم مانا جاتا تھا۔ وزیر سلطنت انکار نہ کر سکا اور شاہی خازن کو حکم بھیجا کہ مطلوبہ رقم فوراً علیہ زہرا کے محل میں بھیج دی جائے۔ تیسرے دن خلیفہ نے غسل صحت کیا۔ اس وقت ملکہ مرجانہ کو بیس ہزار دینار سرخ بھیجے گئے۔ ملکہ ابھی دیناروں کو دیکھ کر خوش ہی ہو رہی تھی کہ اُس کی کنیز نے اُسے اطلاع دی کہ علیہ زہرا نے خلیفہ کی صحت یابی کی خوشی میں چالیس ہزار دینار سرخ کھڑے کھڑے غریبوں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ ملکہ مرجانہ کی تمام خوشی خاک میں مل گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ زہرا نے چالیس ہزار دینار سرخ تقسیم کر کے اُس کے بیس ہزار دینار کے انعام کا مذاق اڑایا ہے۔

رات کو جب خلیفہ زہرا کے محل میں پہنچا تو اُس نے خلیفہ کا استقبال بڑے بجھے بجھے دل سے کیا۔ خلیفہ کو احساس ہوا کہ شاید زہرا اس سے ناراض ہے۔

''کیا ہوا زہرا؟'' خلیفہ نے محبت سے پوچھا۔ ''اگر تم اس لئے ناراض ہو کہ ہم نے ملکہ مرجانہ کو بیس ہزار دینار دیئے ہیں تو ہم ان کا تدارک کئے دیتے ہیں۔''

''خلیفہ معظم!'' زہرا نے افسردگی سے کہا۔ ''میں نہ لالچی ہوں اور نہ مجھے دیناروں کی

Marfat.com

ضرورت ہے۔ آپ نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔''

''پھر اس افسردگی اور دل گرفتگی کی وجہ؟''

''ہاں ...... میں افسردہ ہوں خلیفہ معظم!'' زہرا نے بلا جھجک تسلیم کیا۔ ''میں یہ سوچ کر افسردہ ہوں کہ ہم انسان بعض اہم باتوں کو کس قدر جلد بھول جاتے ہیں۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم نے تمہارے سلسلے میں غفلت برتی ہے؟'' خلیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے ایک بھول کی طرف توجہ دلائی ہے۔'' زہرا کے لہجے میں ترشی آ گئی۔ ''ایک وعدے کی طرف اشارہ کیا ہے۔''

''وعدہ......؟'' خلیفہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''ہمیں کچھ یاد نہیں آ رہا۔ کون سا وعدہ؟ ہمیں یاد دلاؤ زہرا۔''

''خلیفہ معظم!'' زہرا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے قرطبہ آئے کتنا عرصہ ہو گیا۔ میں اس محل میں بالکل اس طرح قید ہوں جیسے ملکہ مرجانہ کی بولنے والی مینا۔ یہ محل اور قرطبہ کے تمام محلات آپ کے ہیں، شہزادہ ولی عہد بہادر کے ہیں، ملکہ اُندلس کے ہیں۔ میرا کچھ بھی نہیں۔ میرا نام کسی جگہ نہیں۔'' زہرا سسکیاں بھرنے لگی۔

خلیفہ کو فوراً یاد آیا، زہرا کو ایک گھر کی خواہش تھی۔ اپنے گھر کی۔ خلیفہ نے زہرا سے وعدہ بھی کیا تھا۔

''ہمیں یاد آ گیا زہرا۔'' خلیفہ نے پیار سے کہا۔ ''تم نے کبھی ایک گھر کی خواہش کی تھی اور ہم نے تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق گھر بنانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ افسردہ نہ ہو زہرا، ہم تمہارے تصور سے بھی زیادہ خوبصورت اور عالیشان محل تعمیر کرائیں گے۔ ایک ایسا محل جسے لوگ دُور دُور سے دیکھنے آئیں گے۔ اُس محل، اُس قصر کا نام بھی تم سے منسوب ہو گا۔ اُسے ہم ''قصر الزہرا'' کا نام دیں گے۔''

زہرا کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ خلیفہ کے قدموں کی طرف جھکی لیکن خلیفہ نے اُسے بازوؤں میں سنبھال لیا۔

دوسرے دن خلیفہ نے زہرا کے محل میں ایک خاص اجلاس کیا۔ اس میں قرطبہ کے فن

Marfat.com

تعمیر کے تمام ماہرین نے شرکت کی۔ ان میں عبداللہ، حسن بن محمد اور علی بن جعفر پیش پیش تھے۔ زہرا پردہ نہ کرتی تھی۔ اُس نے اپنی نشست گاہ کی پشت پر چلمنیں ڈلوائیں اور زہرا چلمن سے لگ کر خلیفہ کے قریب بیٹھ گئی۔ پہلے خلیفہ نے قصر کا نقشہ پیش کیا۔ زہرا اپنے تصور اور خیال کے مطابق بیچ بیچ اُس میں ترمیم اور تنسیخ کرتی رہی۔ ماہرین تعمیر خلیفہ اور زہرا کی ہدایات کو اپنے ذہن میں ترتیب دیتے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد قصر الزہرا کی ایسی تصویر کھینچی گویا وہ تصوراتی قصر اُن کے سامنے موجود ہو۔

قصر کے در و بام، چھتیں، راہداریاں، باغات، فوارے، بُرج اور فصیل ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کی۔ زہرا چاہتی تھی کہ اُس کا قصر، قصرِ شاہی سے بہتر ہی نہ ہو بلکہ اس کی نظیر روئے زمین پر موجود نہ ہو۔ اس وقت جو تفصیلات طے ہوئیں وہ خلیفہ اور زہرا کے تصور کے مطابق تھیں۔

خلیفہ کی خواہش تھی کہ قصر الزہرا اُس کے محل کے مقابل تعمیر ہو لیکن اُس نے شدید مخالفت کی۔ اُس نے صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ قصر اگر بنے گا تو قرطبہ کے باہر ورنہ نہیں بنے گا۔ چنانچہ جگہ کا انتخاب زہرا پر چھوڑ دیا گیا۔ زہرا گھوڑے پر سوار ہوئی، اُس نے ماہرین تعمیرات کو ساتھ لیا اور قرطبہ کے اطراف میں دُور دُور تک چکر لگایا۔ آخر اُسے جبل العروس کی دل خوش کن فضا میں ایک جگہ پسند آئی۔ جبل العروس سیاہ رنگ کا ایک بے برگ و گیاہ پہاڑ تھا لیکن اُس کا دامن قدرتی پھلوں اور پھولوں سے بھرا تھا۔ ماہرین کو بھی یہ جگہ پسند آئی اور انہوں نے زمین کی پیمائش کا کام فوراً شروع کر دیا۔ اس قطعہ زمین کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو فٹ اور کل رقبہ نوے لاکھ نوے ہزار مربع فٹ پیمائش کیا گیا۔

یکم جمادی الثانی 325ھ کو قصر الزہرا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ خلیفہ عبدالرحمان ثالث کی خلافت کا یہ پچیسواں سال تھا اور اس کی عمر سینتالیس سال کے قریب تھی۔ بنیاد رکھتے وقت خلیفہ، اُس کے تمام وزیروں اور امیروں کے علاوہ تمام علماء کرام موقع پر موجود تھے۔

کہا جاتا ہے کہ بنیاد کا پہلا پتھر خود زہرا نے رکھا تھا۔ اُس دن زہرا نے بے دریغ

Marfat.com

خیرات کی۔ رات کو پورے قرطبہ میں چراغاں کیا گیا۔ قصر کی تعمیر کے دوران زہرا بلا ناغہ معائنہ کی خاطر آتی تھی اور اپنی مرضی کے مطابق اُسے خوب سے خوب تر بنانے کے لئے ماہرین کو مشورے دیتی تھی۔

ابن حبان کا بیان ہے کہ قصر کی تعمیر میں حصہ لینے والے معماروں اور مزدوروں کی تعداد دس ہزار تھی۔ چار ہزار اونٹ اور خچر بار برداری کے کام پر لگائے گئے تھے۔ روزانہ چھ ہزار پتھر تراشے ہوئے اور اتنے ہی بغیر تراشے پتھر جوڑے جاتے تھے۔ مزدوروں کی اُجرت روزانہ ڈیڑھ درہم تھی۔ فصیل چار ہزار تین سو فٹ تھی۔ قصر کے بُرجوں اور ستونوں کی تعداد چار ہزار تین سو سولہ تھی۔ یہ مختلف رنگ کے پتھروں کو جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ اس میں سنگ مرمر کی تعداد اور زیادہ تھی۔ رنگ برنگ کے یہ تمام پتھر اٹلی اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے خلیفہ کو تحفے میں بھیجے تھے۔ کچھ پتھر صوبائی گورنر نے بھیجے تھے۔ افریقہ سے بھی کافی تعداد میں سنگ مرمر منگوایا گیا تھا۔ جس کی بار برداری پر دس دینار سرخ فی ستون اور پتھر مقرر تھی۔ قسطنطنیہ سے ربیع پادری اور احمد ابو ثانی دو خوبصورت فوارے لائے تھے۔ بڑے فوارے پر اس طرح سونے کا ملمع کیا گیا تھا کہ وہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ اس پر اعلیٰ درجے کی نقاشی کی گئی تھی اور مختلف انداز میں انسانی شکلیں بنی تھیں۔

ایک فوارہ سبز رنگ کے پتھر کا تھا جسے ملک شام سے منگوایا گیا تھا۔ اس فوارے میں سونے اور جواہرات کے بارہ مختلف پرندے جڑے ہوئے تھے۔ ہر پرندے کی چونچ سے پانی نکلتا تھا۔ اس صنعت گری کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی تھی۔

قصر الزہرا کا وہ حصہ جو قصر الخلفاء کا قبہ کہلاتا تھا بے مثال اور قابل دید تھا۔ اس کی چھت سونے کی تھی۔ فرش کا سنگ مرمر اس قدر شفاف تھا کہ اس میں آئینے کی طرح منہ دیکھا جا سکتا تھا۔ باہر کی دیواروں پر گنگا جمنی کام تھا۔ قبہ کے درمیان میں ایک خوبصورت فوارہ تھا جس میں شاہ یونان کا بھیجا ہوا ایک نادر اور نایاب موتی جڑا ہوا تھا۔ فوارے کے بیچ میں ایک فوارے نما طشت تھا۔ اس طشت میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اگر پارہ ہوا کی جنبش سے ذرا سا ہل جاتا تو پورا محل لرزتا ہوا محسوس ہوتا۔ جن لوگوں کو اس بات کا علم نہ تھا وہ سمجھتے کہ زلزلہ آ گیا ہے اور گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگتے تھے۔

Marfat.com

قصر الزہرا کی دیکھ بھال کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازمین کا تقرر ہوا تھا۔ عیسائی غلاموں کی تعداد تین ہزار تین سو بیاسی بیان کی گئی ہے۔ علیہ زہرا کی خدمت کے لئے چھ ہزار تین سو چودہ لونڈیاں ہر وقت کمر بستہ رہتی تھیں۔ بڑے بڑے حوضوں میں مچھلیاں پلی تھیں جنہیں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں غذا کے طور پر دی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ چنوں سے بھرے چھ پتیلے بھی کھلائے جاتے تھے۔ غلام بچوں کی تعداد تین ہزار سات سو پچاس تھی۔ جو لوگ اس محل میں مقیم تھے ان کے کھانے میں روزانہ مرغیوں، مرغابیوں، چکور، تیتر اور مچھلیوں کا ہزاروں سیر گوشت خرچ ہوتا تھا۔ اتنے ہی وزن کا بکری اور گائے کا گوشت بھی پکایا جاتا تھا۔

قصر الزہرا کی تعمیر کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی ایک حسین اور محبوب کنیز کا انتقال ہو گیا۔ وہ بہت مال و متاع چھوڑ کے مری تھی۔ ساتھ ہی اُس نے یہ وصیت کی تھی کہ اُس کی اس دولت سے ان مسلمانوں کو رہائی دلائی جائے جو عیسائی ریاستوں میں قید و بند کی تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ خلیفہ نے وصیت کے مطابق تمام عیسائی ریاستوں کو پیغام بھیجا کہ اگر اُن کی قید میں کوئی مسلمان ہے تو وہ اس کے بدلے میں منہ مانگی رقم لے کر آزاد کر دیں۔ مگر اُس وقت عیسائیوں کی قید میں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ خلیفہ نے اس قدر فتوحات حاصل کی تھیں اور عیسائیوں پر اُس کا ایسا رُعب بیٹھا تھا کہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو رہا کر دیا تھا۔

عیسائیوں کی مشہور ریاستوں نے خلیفہ کی اطاعت قبول کر لی تھی یا دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ لیون کا اُس وقت کا بادشاہ ''شانجہ'' اپنی نانی ملکہ طوطا کے ساتھ دربارِ خلافت میں حاضری دے چکا تھا۔ اٹلی اور فرانس کی سفارتیں بھی قرطبہ کے دربار میں تحائف اور دوستی کے پیغامات لائی تھیں۔ ان حالات میں کسی مسلمان کا عیسائیوں کی قید میں ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

خلیفہ کو مرنے والی کی وصیت پریشان کر رہی تھی۔ اس موقع پر خلیفہ کی چہیتی کنیز ''زہرا'' نے مشورہ دیا کہ اس رقم سے ایک ایسی شاندار عمارت تعمیر کی جائے کہ لوگ دُور دُور سے اُسے دیکھنے آئیں۔ تعمیر کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ قصر الزہرا، علیہ

Marfat.com

زہرا کے زمانہ میں تیار ہوا۔ جب قصر مکمل ہوا تو خلیفہ اپنی محبوب کنیز زہرا کے ساتھ اس قصر میں رونق افروز ہوا۔ پھر ان دونوں نے خوشنما جھروکوں سے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ صنعت کاری سے مزین بُرجوں اور میناروں کا قصر ایک موتی کی طرح دمکتا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی پشت پر جبل العروس، سیاہ رنگ کا پہاڑ تھا جس کی سیاہی میں یہ موتی اور زیادہ چمکتا تھا۔

''کہو زہرہ، قصر تمہیں پسند آیا؟'' خلیفہ نے بڑی مسرت سے کہا۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ محل زہرا کے تصور سے بھی بلند ہے اور وہ اس کی تعریف ضرور کرے گی۔ لیکن زہرا نے جو جواب دیا اس میں شوخی کے ساتھ ساتھ ایسا گہرا طنز تھا کہ خلیفہ تڑپ اٹھا۔

زہرا نے قصر کے پس منظر میں سیاہ پتھر پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''خلیفہ نے سفیدی اور سیاہی کے اس تضاد کو ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ میرے خیال میں تو یہ محل مانند ایک سیمیں بدن ماہ جبیں کے ہے جو ایک سیاہ رُو اور سیاہ چشم حبشی کے پہلو میں آرام کر رہی ہے۔''

خلیفہ کا چہرہ اس گہرے طنز سے غصے سے پھنکنے لگا۔ زہرا نے سنگ مرمر کے خوبصورت محل سے خود کو تشبیہ دی تھی اور جبل العروس سیاہ پہاڑ کو ایک سیاہ رُو اور سیاہ چشم حبشی سے مشابہت دی تھی۔ یہ اشارہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی طرف تھا جن کا رنگ گندمی اور آنکھیں سیاہ رنگت کی تھیں۔ خلیفہ زہرا کے ساتھ اپنی بے انتہا محبت کی وجہ سے اُس سے تو کچھ نہ کہہ سکا اور جلا بھنا قصر الزہرا سے واپس آ گیا۔ اُس نے واپس آتے ہی دربار لگایا اور اپنے تمام سرداروں کو حکم دیا کہ جبل العروس کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ سردار اس حکم پر حیران رہ گئے۔ کیونکہ پہاڑ کو کھود پھینکنا ناممکن تھا۔

خلیفہ روز دربار لگاتا اور اپنا حکم دُہراتا۔ اُس کے سردار اس کام کے لئے اُس سے مہلت طلب کرتے۔ سردار روز مہلت اس لئے طلب کرتے تھے کہ شاید خلیفہ کا غصہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے اور وہ اپنا مجنونانہ حکم واپس لے لیں یا پھر خلیفہ کو سمجھانے بجھانے کی تدبیر پیدا ہو جائے۔ خلیفہ نے قصر الزہرا جانا بھی چھوڑ دیا۔ زہرا اُس دن نہ معلوم کس دُھن میں خلیفہ پر طنز کر گئی تھی لیکن اب اُسے خود افسوس ہو رہا تھا اور یہ خوف

Marfat.com

بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اُسے گرفتار کر کے پابند سلاسل نہ کر دیا جائے۔ قرطبہ کے امیروں اور سرداروں کو خلیفہ کی ناراضگی کی وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ علیہ زہرا نے خود بھی اُن سے رابطہ قائم کر رکھا تھا لیکن خلیفہ کو منانے اور اس خام خیالی سے باز رکھنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

اُس زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے دربار قرطبہ سے ایک سفارت آنے کا غلغلہ بلند ہوا۔ قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کا شہرہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور وہ اس دور کی عظیم سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ ایسی عظیم سلطنت کا دوستی کے لئے قرطبہ کی طرف ہاتھ بڑھانا کچھ معمولی بات نہ تھی۔ اس کا اثر ہسپانیہ کی بیرونی پالیسی پر بھی ہوتا تھا کیونکہ جس طرح قرطبہ میں بنو امیہ کی عظیم الشان حکومت قائم تھی، اسی طرح بغداد میں عباسی خلیفہ بڑی شان و شوکت سے حکومت کر رہے تھے۔ یہ دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ پس قسطنطنیہ سے سفارت کا آنا عبدالرحمٰن کے لئے باعث اطمینان اور باعث فخر تھا۔

سفارت کے اس شور اور غلغلے میں خلیفہ کا غصہ اور حکم بہت کچھ دب گیا۔ اُس نے سفارت کے شاندار استقبال اور بہترین قیام و طعام کا حکم صادر کیا۔ قرطبہ کی دُکانوں کو سجایا گیا۔ قرطبہ میں موجود تمام فوج کو نئی وردیاں اور گھوڑوں کے لئے نئے ساز کا حکم ہوا۔ 336ھ مطابق 947ء میں قیصر قسطنطنیہ کی سفارت بیش قیمت تحفہ و تحائف سے لدی پھندی قرطبہ میں داخل ہوئی تو دربارِ خلافت کے تمام امراء اور وزراء نے اس کا پُر تکلف استقبال کیا۔ پورے شہر کو دُلہن کی طرح آراستہ کیا گیا۔ دو رویہ سواروں کی قطاریں تھیں۔ قیصر کے سفیر شہر کی آئینہ بندی اور اس شاندار استقبالیے سے بہت خوش ہوئے۔ خلیفہ کی طرف سے یحیٰی بن محمد بن اللیث نے سفارت کا استقبال کیا اور تمام بڑے بڑے سرداروں سے اُن کا تعارف کرایا۔ پھر اس سفارت کو جلوس کی شکل میں قرطبہ کے قریب قصبہ البقر پار میں لے جایا گیا جہاں شہزادہ الحکم کا ایک خوبصورت محل تھا۔ اس محل کا نام "النصیر" تھا۔ سفارت کے قیام و طعام کا انتظام اسی محل میں کیا گیا تھا۔ سفارت کی پیشوائی کے لئے بہت سے امیروں کو مقرر کیا گیا تھا۔ یہ انتظام ایسے اعلیٰ پیمانہ پر کیا گیا تھا کہ صرف النصیر کے دروازے پر سولہ امیر ہر وقت موجود رہتے تھے۔

Marfat.com

دوسرے دن سفارت کو بابِ عالی میں طلب کیا گیا۔ سفارت کا جلوس النصیر سے اس شان سے نکلا کہ قرطبہ کے امیر اور وزیر اُن کے آگے آگے تھے۔ فوجی دستے اُن کے دائیں بائیں تھے۔ پیچھے گھڑ سوار کامدار وردیوں میں ملبوس گھوڑے سے گھوڑا ملائے چل رہے تھے۔ سب سے پیچھے ایک گاڑی پر قیصر کے بھیجے ہوئے تحفے تحائف بار کئے ہوئے تھے جن کی حفاظت چند مسلح سوار کر رہے تھے۔

سفارت دربارِ خلافت میں پہنچی تو وہاں کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دربار کو شاندار طریقے سے سجایا گیا تھا۔ آراستہ دروازے سے تختِ خلافت تک نہایت عمدہ فرش بچھا تھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر شاہی لباس پہنے جس میں بیش قیمت ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے، مسند خلافت پر بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ دائیں جانب شہزادگان اور خلیفہ کے قریبی رشتہ دار، بائیں جانب وزراء اور دوسرے اراکین سلطنت، منصب دار، شرفاء، عہدیدار اپنے اپنے مرتبے کے مطابق کھڑے تھے۔ دربار کی شان وشوکت اور کروفر دیکھ کر قیصر کی سفارت کے اراکین دنگ رہ گئے۔ اُن کی نظریں رُعب کے مارے اوپر نہ اُٹھتی تھیں۔

خلیفہ کے اشارے پر وزیر سلطنت نے سفارت کے قائد کے پاس جا کر اُسے مطلع کیا کہ خلیفہ کے حضور قیصر قسطنطنیہ کے خطوط پیش کئے جائیں۔ قاصد کے جسم میں رعب شاہی سے لرزہ سا پیدا ہو گیا۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے ایک خط پیش کیا۔ یہ خط آسمانی کاغذ پر روپہلی روشنائی سے تحریر کیا گیا تھا۔ اس خط میں ان تحائف کی تفصیل تھی جو قیصرِ قسطنطنیہ نے خلیفہ کو بھیجے تھے۔ خط کے ایک طرف چار مثقال سونے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنی تھی۔ دوسری سمت شاہ قسطنطین اور اس کے ولی عہد شہزادے کی تصویر تھی۔ ان خطوط کو چاندی کی ایک صندوقچی میں محفوظ کر کے لایا گیا تھا۔ صندوقچی پر سونے کا پتر چڑھا تھا اور اس کے اوپر شاہ قسطنطین کی تصویر رنگین شیشے میں بنی ہوئی تھی۔ اس صندوقچی کو بھی ایک ترکش میں رکھا گیا تھا جس کے اوپر دیباخ کا کپڑا لپٹا ہوا تھا۔

خط کی پہلی سطر میں بھیجنے والے کا نام اس طرح لکھا تھا۔

قسطنطین اور رومائین۔ مسیح علیہ السلام کے معتقد، روم کے بڑے بادشاہ۔

Marfat.com

دوسری سطر میں خلیفہ کو اس طرح مخاطب کیا گیا تھا۔

''عظیم الاستحقاق! فخر الشریف النسب، عبدالرحمٰن خلیفہ ہسپانیہ، حاکم عرب اظلال اللہ البقاق۔''

شاہ قسطنطین جسے قیصرِ قسطنطنیہ بھی کہتے تھے، یہ خط محبت اور دوستی کے جذبات سے پُر تھا اور اُس نے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔

جب خط پڑھا جا چکا تو خلیفہ کی خواہش ہوئی کہ خطیب اپنی تقریروں کے ذریعہ خلیفہ کے جذبات کی ترجمانی کریں اور شاعر خلیفہ کی شان میں قصیدے پیش کریں۔ خلیفہ نے ولی عہد سلطنت شہزادہ الحکم کو حکم دیا کہ کسی اچھے خطیب کو تقریر کرنے کے لئے کھڑا کریں۔ الحکم نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے فقیہ محمد عبدالبرالکیبانی جو تالیف، کلام اور خطبہ میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے کو اشارہ کیا کہ وہ تقریر کریں۔ لیکن وہ دربارِ شاہی سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ کھڑے ہوتے ہی غش کھا کر گر گئے۔ شہزادے نے فوراً ابو علی بغدادی کو خطبہ پڑھنے کا اشارہ کیا لیکن ان پر بھی دربار کا رُعب طاری ہو گیا اور بجز حمد و ثنا اور نعت رسولؐ کے اور کچھ نہ کہہ پائے۔ حالانکہ ابو علی، امیر الکلام اور بحر اللغت کہلاتے تھے۔

دربار کا رنگ بگڑ رہا تھا اور خلیفہ کا جلال بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے سخت غصہ تھا کہ سفارت کے سامنے اُس کے خطیب اور شاعر گونگے ہو گئے تھے۔ ایسے وقت میں ایک غیر معروف فقیہ نے خلیفہ کے وقار کو سہارا دیا۔ اُن کا نام منذر بن سعید تھا۔ منذر بن سعید بغیر خلیفہ اور شہزادے کی اجازت کے خود ہی کھڑے ہو گئے اور کسی تیاری کے بغیر فی البدیہہ ایسی زبردست تقریر کی اور ایسا شاندار قصیدہ پڑھا کہ لوگ عش عش کر اُٹھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن اس تقریر اور قصیدے سے بہت خوش ہوا۔ اُس نے اس غیر اہم خطیب کا نام دریافت کیا۔ ولی عہد کو اُس کا نام نہیں معلوم تھا۔ اُس نے دوسروں سے پوچھ کے خلیفہ کو بتایا کہ اس کا نام منذر بن سعید ہے اور یہ فقیہوں کے زمرے میں شامل نہیں۔ خلیفہ نے دربار برخاست ہوتے ہی منذر بن سعید کو الزہرا کی امامت سپرد کر دی۔ پھر جب قرطبہ کے قاضی محمد بن عیسیٰ کا انتقال ہوا تو منذر بن سعید کو قرطبہ کے قاضی کا عہدہ تفویض ہوا۔

قسطنطنیہ کی سفارت کئی ہفتے قرطبہ میں مقیم رہی۔ انہیں جب قصر الزہرا اور قصر کی مسجد

Marfat.com

کی سیر کرائی گئی تو وہ ان عجوبۂ روزگار عمارات کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ جب سفارت واپس چلی گئی اور خلیفہ کا ذہن ذرا خالی ہوا تو اُسے پھر زہرا اور قصر الزہرا کی یاد ستانے لگی۔ لیکن وہ خلیفہ تھا اور یہ بات اُس کے وقار کے خلاف تھی کہ وہ اُس جگہ دوبارہ جائے جہاں اُس پر طنز کیا گیا تھا اور اُس کی توہین ہوئی تھی۔ اُدھر زہرا بھی اپنے کیے پر نادم تھی اور خلیفہ کو بلاوے پر بلاوا بھیج رہی تھی۔

پھر ایک دن امیروں نے خلیفہ کو مطلع کیا کہ اس کے حکم کی تعمیل ہو گئی ہے اور کالے پہاڑ جبل العروس کو قصر الزہرا کے پچھواڑے سے ہٹوا دیا گیا ہے۔ خلیفہ کو اس بات پر سخت تعجب ہوا۔ وہ اسی وقت سوار ہو کے قصر الزہرا پہنچ گیا اور علیہ زہرا نے اُس کا استقبال کیا اور تعظیم کے ساتھ معذرت پیش کی۔ خلیفہ نے زہرا کو کوئی جواب نہ دیا اور سیدھا اُس جھروکے میں جا بیٹھا جہاں سے جبل العروس نظر آتا تھا۔ اُس کی نظر سامنے اُٹھی تو وہ دنگ رہ گیا۔ سیاہ پہاڑ کے بجائے وہاں جبل العروس جیسی بلندی کا ایک سرسبز ٹیلہ دکھائی دیا۔ اس ٹیلے پر چھوٹے چھوٹے ہرے بھرے درخت اُگے تھے، پھولوں کی کیاریاں بھی تھیں اور خوش رنگ پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہ پہاڑ کو کسی نے ہرے باغات کی وردی پہنا دی ہو۔ جس کے نظارے سے دماغ کو فرحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔

خلیفہ کے امیروں نے قسطنطنیہ کی سفارت کے قیام سے یہ فائدہ اٹھایا کہ سیاہ پہاڑ پر مٹی کی تہہ جموا دی۔ پھر اُس پر تیزی سے بڑھنے والے درخت لگوا دیئے۔ پہاڑ کے نشیب و فراز میں کیاریاں بنائی گئیں اور ان میں پھول اُگائے گئے۔ اس طرح سیاہ پہاڑ ایک ہرے بھرے ٹیلے میں تبدیل ہو گیا۔ خلیفہ نے منہ گھما کر زہرا کو دیکھا جو پیکرِ غم بنی سر جھکائے اُس کی پشت پر کھڑی تھی۔

خلیفہ نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔

”زہرا! اب تم قصر اور جبل العروس کو کن لوگوں سے تشبیہہ دو گی؟ تمہارا سیاہ رُو اور سیاہ چشم حبشی تو ہمیں اس جھروکے سے نظر نہیں آتا۔“

زہرا نے فوراً حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ وہ بولی۔

Marfat.com

''خلیفہ معظم نے درست فرمایا۔ اب میں جبل العروس کو قصر کے پس منظر میں دیکھتی ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی گلفام کی آغوش میں قاف کی کوئی پری محوخواب ہو۔''

خلیفہ، زہرا کی اس حاضر جوابی اور نئی تشبیہ کو سن کر پھڑک اُٹھا اور زہرا کی خطا معاف کر دی گئی۔

اب خلیفہ کا زیادہ قیام قصر الزہرا میں ہونے لگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عبدالرحمٰن امورِ سلطنت سے غافل ہو گئے تھے۔ دراصل وہ رزم اور بزم دونوں کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں تمام مؤرخوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ انتہائی بلند خیال اور بلند فہم خلیفہ تھے۔ وہ اپنے پچاس سال، سات ماہ اور تین دن کے عہد حکومت میں سلطنت اور رعیت کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہوئے اور تمام عمر توسیع سلطنت اور رعایا کی خدمت میں گزاری۔ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُن کے تکیے کے نیچے سے ایک پرچہ نکلا جس میں خود انہوں نے لکھا تھا کہ:۔

''انہیں خلافت سنبھالنے کے بعد سے اس تحریر کے رقم کرنے کے وقت تک صرف چودہ دن اطمینان میسر ہوا۔ ممکن ہے کہ اطمینان کے یہ چودہ دن وہ ہوں جو عبدالرحمٰن نے زہرا کے ساتھ اس طرح گزارے کہ وہ قصرِ زہرا سے باہر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ وہ دو جمعہ کی نمازوں میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ لیکن اس کا ان سے سخت مواخذہ کیا گیا۔''

تاریخ بتاتی ہے کہ جب خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث دو جمعوں کی نمازوں کے لئے محل سے باہر نہیں آئے تو تیسرے جمعہ میں جس میں شریک تھے قاضی وقت منذر بن سعید نے خطبہ میں نہایت سخت الفاظ میں خلیفہ کی کوتاہی اور شرعی امور سے غفلت پر گرفت کی۔ انہوں نے احکامِ الٰہی کے بیان کے ساتھ ساتھ دنیا کی بے ثباتی کا اس انداز سے نقشہ کھینچا کہ سب نمازی رونے لگے۔ خلیفہ کو اگرچہ سخت ندامت ہوئی لیکن وہ خلیفہ اور مطلق العنان حکمران تھے۔ انہیں قاضی کا سخت رویہ پسند نہ آیا۔ بعد میں انہوں نے اس کی شکایت ولی عہد سلطنت شہزادہ الحکم سے کی۔ شہزادے کی جوانی کا عالم تھا اور خون گرم تھا۔ اُس نے قاضی صاحب کے لئے سخت سزا تجویز کی اور انہیں معزول کرنے کا مشورہ دیا۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن کو بیٹے کی بات سنتے ہی ہوش آ گیا اور انہوں نے الحکم کو جواب دیا کہ وہ ولی عہد سلطنت کو تو معزول کر سکتے ہیں لیکن قاضی منذر بن سعید کی معزولی کا حکم نہیں دے سکتے۔

زہرا اور قصر الزہرا کے سلسلے میں خلیفہ اور علماء کرام میں اکثر عالمانہ اور ناقدانہ پُرلطف چھڑپیں ہوا کرتی تھیں۔ خصوصاً قاضی منذر تو قصر الزہرا کی تعمیر ہی کے خلاف تھے اور اُنہیں یہ قصر ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک بار خلیفہ عبدالرحمٰن قصر الزہرا کے اُس قبہ میں بیٹھا تھا جس کی چھت میں سونے کی اینٹیں جڑی تھیں اور فرش بھی سونے چاندی کا تھا۔ بہت سے علماء اور شعراء موجود تھے۔ قصیدے پڑھے جا رہے تھے۔ کسی شاعر نے تین اشعار پڑھے۔ خلیفہ کو وہ اشعار بہت پسند آئے کیونکہ ان اشعار میں تعمیر شاہی کی دلیل پیش کی گئی تھی۔ اُسی وقت قاضی منذر بن سعید تشریف لے آئے۔ خلیفہ کو معلوم تھا کہ قاضی صاحب تعمیرات کے بہت مخالف ہیں اور اُسے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ قاضی کو چھیڑنے کے لئے انہوں نے شاعر کو وہ اشعار دوبارہ پڑھنے کے لئے کہا۔

شاعر نے دوبارہ وہ اشعار پڑھے جن کا مطلب اس طرح تھا:۔

1- بادشاہ جب اپنی بزرگی کا تذکرہ اپنے پیچھے چھوڑ جانا چاہتے ہیں تو وہ عمارات کی زبان کو ترجمانِ حال بناتے ہیں۔

2- کیا تمہیں معلوم ہے کہ اہرامِ مصر باقی ہیں اور بہت سے ملکوں کو حوادثِ زمانہ نے ہٹا دیا ہے۔

3- جب عمارت کی شان دوبالا ہوتی ہے تو وہ کسی عظیم الشان شخص کی دلیل ہوتی ہے۔

قاضی منذر سمجھ گئے کہ خلیفہ نے اُنہیں چڑانے کے لئے یہ اشعار پڑھوائے ہیں۔ انہوں نے ذرا دیر سوچنے کے بعد شعروں کا جواب شعروں ہی میں دیا۔ انہوں نے خلیفہ کی اجازت سے دو اشعار پڑھے جن کا مطلب تھا:۔

1- اے بانی زہرا جو اپنے اوقات کو اس میں مستغرق رکھتا ہے ذرا ٹھہر کیوں نہیں جاتا۔

2- واللہ اس میں رونق بہت اچھی ہے بشرطیکہ اس کی نفاست کھنڈر سے نہ بدل جائے۔

حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں ہی باتیں سچی ہیں۔ اہرامِ مصر موجود ہیں لیکن سینکڑوں نفیس عمارتیں کھنڈر میں تبدیل ہوگئیں۔ ممکن ہے کہ علیہ زہرا اور عبدالرحمٰن

Marfat.com

ثالث نے یہ سوچا ہو کہ اُن کے بعد اُن کی محبت کی یادگار قصر الزہرا لوگوں کے دلوں میں اُن کی یاد جگمگاتا رہے گا اور دیکھنے والے شہنشاہیت کی اس زندہ تصویر سے زہرا کے حسن اور عبدالرحمٰن کی دولت اور ثروت کا کچھ اندازہ کر سکیں گے۔ لیکن افسوس کہ حسین و جمیل زہرا بھی مر گئی۔ خلیفہ 350ھ مطابق 941ء میں عدم کو سدھار گئے اور ابھی بانیان الزہرا کو پچاس سال بھی نہ گزرے تھے کہ یہ عظیم الشان اور ارفع اور اعلیٰ عمارت خود مسلمانوں کے تعصب اور عیسائیوں کی تنگ نظری کی نذر ہو گئی۔

ابن الرفیق کا بیان ہے کہ منگل 26 جمادی الثانی 399ھ کی دوپہر سے بدھ کی دوپہر کے درمیان بربریوں نے قرطبہ کو فتح کر لیا اور قبضے کے ساتھ ہی قصر الزہرا کو سب سے پہلے منہدم کر دیا گیا!

اس رومانی داستان کے بعد ہم آپ کو ایک بار پھر سلطانِ عالی مقام کے مجاہدانہ کارناموں اور دیگر کاموں، اور خدمات کی طرف واپس لئے چلتے ہیں۔

## سومنات کے بعد

معرکہ سومنات میں پانچ ہزار سومناتی ہندو قتل ہوئے۔ باقی ماندہ لشکر اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی اپنی جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھ کر سراندیپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان کو اس کا پہلے خیال تھا اور اُس نے پہلے ہی اس کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اُس نے کشتیوں میں مسلمان لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بٹھا کر ان کشتیوں کو دریا میں چھوڑ رکھا تھا تاکہ وہ بھاگنے والوں کا راستہ روکیں۔ پس جس وقت ہندو کشتیوں میں بیٹھ کر سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے، اُسی وقت مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی کشتیوں کو غرق کر دیا۔

پھر جب ہندوؤں کی طرف سے سلطان کو پوری طرح اطمینان ہو گیا تو وہ اپنے بیٹوں اور معززین سلطنت کو ساتھ لے کر قلعہ میں داخل ہوا اور اُس نے قلعہ کے ہر حصے کو بغور دیکھا۔ عمارت کو دیکھنے کے بعد سلطان ایک اندرونی راستے سے بت خانہ میں پہنچا۔ یہ بت خانہ اپنے طول و عرض میں اچھا خاصا بڑا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

Marfat.com

اُس کی چھت چھپن ستونوں پر قائم تھی۔

بت خانہ میں سومنات کا بت رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی پندرہ فٹ تھی۔ یہ چھ فٹ زمین کے اندر اور نو فٹ اوپر نظر آتا تھا۔ یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جب محمود غزنوی کی نظر بت پر پڑی تو اُس کے اندر اسلامی غیرت نے جوش مارا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا۔ اُس نے گرز سے بت پر ایک کاری ضرب لگائی اور بت کا منہ ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد محمود نے حکم دیا۔ ''اس بت میں سے پتھر کے دو ٹکڑے کاٹ کر علیحدہ کیے جائیں اور غزنی بھجوا دیئے جائیں۔ ان میں سے ایک ٹکڑا جامعہ مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوانِ سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔''

چنانچہ اس حکم کی فوری تعمیل کی گئی۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر اب تک چھ سو سال گزرنے کے باوجود یہ ٹکڑے وہیں رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ سومنات کے بت سے دو اور ٹکڑے علیحدہ کیے گئے جو مکہ اور مدینہ بھیجے گئے تاکہ انہیں عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر سلطان محمود کی ہمت و جرأت کو داد دیں۔

جس وقت سلطان نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اُس وقت برہمنوں کے طبقے نے معززین سلطنت کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا۔ معززین نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچایا اور سفارش کی کہ یہ درخواست قبول کر لی جائے کہ اس سے مسلمانوں کو کافی مالی فائدہ ہوگا اور اس کے عوض ملنے والی دولت سے ہم غریب مسلمانوں کے لئے کوئی فلاحی ادارہ قائم کر دیں گے۔ مگر اس درخواست کے جواب میں سلطان نے کہا۔

''تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے ''محمود بت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی۔ اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو دنیا مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے ''محمود بت شکن'' پکارا جائے نہ کہ محمود بت فروش۔''

محمود کی نیک نیتی اُسی وقت رنگ لائی اور جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے

Marfat.com

پیٹ میں سے ان گنت اور بیش قیمت جواہرات اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ رقم سے ایک سو گنا زیادہ تھی۔

## سومنات کی اصلیت

جبب السیر میں لکھا ہے کہ تمام مؤرخین اس امر سے متفق ہیں کہ ''سومنات'' اُس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے باشندے ''بتوں کا سردار'' مانتے ہیں۔ لیکن حضرت شیخ فرید الدین عطار کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''سومنات'' سوم اور نات سے مرکب ہے۔ ''سوم'' مندر کا نام ہے اور ''نات'' اُس بت کا نام ہے جو مندر میں رکھا ہوا تھا۔ مگر صاحب فرشتہ کی رائے ہے کہ جو کچھ مؤرخین نے لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت عطار کا قول بھی ان مؤرخین کے بیان کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ لفظ سوم اور نات کا مرکب ہے۔ لیکن ''سوم'' اُس راجہ کا نام ہے جس نے یہ بت بنایا اور ''نات'' خود اُس بت کا نام ہے۔ دونوں لفظ کثرت استعمال کی وجہ سے ''بعلبک'' کی طرح ایک ہو گئے اور یہ مفرد لفظ اس بت کا نام پڑ گیا۔ بلکہ یہاں تک ہوا کہ مندر اور شہر بھی ''سومنات'' سے موسوم ہو گئے۔ ثابت یہ ہوا کہ اگر بت کا نام ''سومنات'' ہو یا ''نات'' دونوں ہی درست ہیں۔ ہندی زبان میں ''نات'' کے معنی بزرگ یا بڑے کے ہیں۔

## کچھ مندر کے بارے میں

سومنات کا مندر ہندوؤں کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جب کبھی سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار آدمی جمع ہو جاتے جن میں سے بیشتر دُور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے آتے تھے۔ ہندوستان کے راجے مہاراجے اس مندر کے اخراجات کے لئے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وغیرہ وقف کیا کرتے تھے۔ جس وقت سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا تو وہاں دو ہزار برہمن پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔ یہ پجاری رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سومنات اور گنگا کا درمیانی فاصلہ بارہ سو میل ہے۔ ان پجاریوں نے

Marfat.com

مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر باندھ رکھی تھی جس کا وزن دوسومن تھا۔ اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پوجا پاٹ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا اور گھنٹیاں بجنے لگتیں اور ان گھنٹیوں کی آواز سے پجاری عین وقت مقررہ پر پوجا کے لئے مندر میں حاضر ہو جاتے۔

یہاں پانچ سو گانے بجانے والی عورتیں اور تین سو مرد سازندے ملازم تھے جن کے اخراجات وقف شدہ دیہاتوں اور قصبوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ پجاریوں کے سر اور داڑھیاں مونڈنے کے لئے تین سو حجام ہر وقت وہاں موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے بیشتر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لئے مندر میں بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر میں مختلف فرائض انجام دیتی تھیں۔

## مالِ غنیمت

سلطان محمود غزنوی کو اس مندر سے جس قدر ہیرے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگا، وہ اتنا کثیر تعداد اور وزن میں تھا کہ اُس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہوگا۔ تاریخ ''زین المآثر'' میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں ''سومنات'' کا بت رکھا ہوا تھا وہ جگہ بالکل تاریک تھی مگر وہاں ہر طرف روشنی ہی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ یہ روشنی دراصل ان اعلیٰ درجے کے جواہرات کی شعاعیں تھیں جو مندر کی قندیلوں میں جڑے تھے۔ اسی تاریخ میں درج ہے کہ سومنات کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی کثیر تعداد میں برآمد ہوئے کہ اُن کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

حکیم سنائی نے اسی خزانے کے لئے کہا ہے:۔

کعبہ و سومنات چوں افلاک
شدز محمود از محمد پاک
ایں زکعبہ بتاں بروں انداخت
آں زکیں سومنات را پرداخت

Marfat.com

## ہزدالہ کا راجہ پرم

جب سلطان محمود غزنوی سومنات کی تباہی اور غارت گری سے فارغ ہوا تو اُس نے ہزدالہ کے عالیشان راجہ پرم دیو کو ٹھیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ جن دنوں سلطان نے سومنات کا محاصرہ کیا تھا اس دوران راجہ پرم دیو نے جرأت سے کام لے کر ایک بڑا لشکر سومنات کی مدد کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر سے جنگ کرنے میں ڈھائی تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ سلطان کو وہ دن اچھی طرح یاد تھے۔ سومنات کی فتح کے بعد راجہ سے بدلہ لینا ضروری تھا۔ راجہ، سومنات کی فتح پر ہزدالہ سے فرار ہو کر ''کندھ'' کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ قلعہ سومنات سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ سلطان نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور منزل بہ منزل سفر کرتا ''کندھ'' جا پہنچا۔

جب مسلمان لشکر کندھ کے قریب پہنچا تو اُسے وہاں ایک بڑی خندق نظر آئی۔ یہ قلعہ کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خندق پانی سے بھری ہوئی تھی اور اسے پار کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ محمود کے غوطہ خوروں نے اس کی گہرائی معلوم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ چنانچہ غوطہ خور رات دن اس کام میں لگے رہے اور آخر کار انہوں نے ایک ایسی جگہ کا پتہ لگا لیا جہاں خندق کی گہرائی کم تھی اور خندق عبور کرنا آسان تھا۔ ان غوطہ خوروں کا بیان تھا کہ اگر خندق کو عبور کرتے وقت پانی میں ہلچل پیدا ہوئی تو سارا لشکر تباہ ہو جائے گا۔

چنانچہ سلطان محمود نے قرآن حکیم سے استخارہ کیا اور اجازت ملنے پر خدا کی ذات بابرکات پر بھروسہ کر کے اُس نے اور اُس کے امیروں نے پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور پورا لشکر صحیح و سلامت خندق پار کر گیا۔ اب اس لشکر نے فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ پرم دیو اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور تمام مال و اسباب چھوڑ کر اور بھیس بدل کر مسلمانوں کی نظروں سے بچتا ہوا فرار ہو گیا۔

## قلعہ کندھ پر قبضہ

راجہ کے فرار ہوتے ہی قلعہ والوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان قلعہ

Marfat.com

میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے مقابلہ کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قلعہ پر قابض ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ سلطان نے حکم دیا، راجہ کے خزانے کی تمام دولت شاہی خزانے میں جمع کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

## جنت نظیر ہزدالہ

سلطان محمود غزنوی نے کندھ کی فتح کے بعد ہزدالہ کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کے اندازہ ہوا کہ باشندوں کے حسن و جمال، زمین کی سرسبزی اور شادابی، آب رواں کی کثرت اور دولت کی فراوانی کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ شہر ہندوستان کا بہترین علاقہ ہے۔ اس علاقہ کی آب و ہوا اور دوسری خوبیوں پر سلطان محمود کے دل میں یہ خیال آیا کہ چند سال تک یہیں قیام کرے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو اُس کے دل میں یہ اُمنگ بھی اُٹھی کہ اس علاقہ کو اپنی سلطنت کا مرکزی مقام بنائے اور غزنی کی حکومت سلطان مسعود کے حوالے کر دے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمود کی خواہش کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُس زمانہ میں ہزدالہ میں خالص سونے کی چند کانیں تھیں اور انہی کی لالچ نے اُسے ہزدالہ کا شیدا بنا دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ روایت درست ہو۔ مگر اس وقت تو ہزدالہ میں سونے کی کسی کان کا نام ونشان نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ کانیں معدوم ہو گئی ہوں جیسا کہ سلطان محمود کے ابتدائی زمانہ میں سیستان میں سونے کی ایک کان تھی لیکن اُس کے آخری زمانہ میں ایک زلزلہ آنے سے وہ معدوم ہو گئی۔

## سراندیپ پر حملہ

سلطان محمود غزنوی نے چاہا کہ سراندیپ، پیکو اور اس قسم کی دوسری بندرگاہوں کو اپنے قبضے میں لائے کہ جہاں سونے اور یاقوت کی کانیں ہیں۔ اس خواہش کے پیش نظر اُس نے لشکریوں کو کشتیوں میں بٹھا کر ان جزائر تک پہنچانے کا حکم دیا تھا کہ اس علاقہ کی بیش قیمت اور نفیس اشیاء کو حاصل کیا جا سکے۔ لیکن محمود کی سلطنت کے ارکان نے اس موقع پر عرض کیا۔

Marfat.com

''ہم نے خراسان کو ایک عرصہ کے بعد خس و خاشاک سے پاک کیا ہے اور اس گرانقدر جواہر پر بہت سی عزیز اور پیاری جانیں قربان کی ہیں۔ لہٰذا ان قربانیوں کے پیش نظر اس ہر دلعزیز شہر کو چھوڑ کر گجرات کو دارالسلطنت بنانا دور اندیشی نہیں ہے۔''

سلطان کو ارکانِ سلطنت کا مشورہ قابل عمل معلوم ہوا اور اُس نے غزنی کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔

## حکمران کا انتخاب

روانگی کے وقت سلطان نے اپنے درباریوں سے کہا۔

''کسی ایسے شخص کا انتخاب کرو جسے اس ملک کا حاکم بنایا جا سکے اور یہاں کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں ہو۔''

درباریوں نے آپس میں مشورہ کیا اور محمود سے عرض کیا۔

''چونکہ اس طرف دوبارہ ہمارے آنے کا کوئی امکان نہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہیں کے کسی شخص کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جائے۔''

سلطان نے اس سلسلے میں سومنات کے شہریوں سے بھی مشورہ کیا۔ پس اس شہر کے باشندوں نے سلطان سے عرض کیا۔

''اس شہر کے باشندوں میں کوئی گروہ یا خاندان حسب ونسب کے لحاظ سے ''وابشلیم'' خاندان کی برابری نہیں کر سکتا۔ آج کل اُس خاندان کا ایک فرد برہمن کے بھیس میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہے۔ اگر جہاں پناہ یہ ملک اُس کے سپرد کر دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

لیکن اہل سومنات کے ایک دوسرے طبقے نے اس مشورے کی مخالفت کی اور کہا۔

''وابشلیم کا یہ شخص بڑا تند مزاج اور خشک ہے۔ اس نے چند بار حکمران بننے کا خواب دیکھا اور ہر بار اپنے بھائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اور اب جان بچانے کے لئے مندر میں پناہ گزین بن کر بیٹھ گیا ہے۔ اُس کی یہ عبادت و زیاضت سچے دل سے نہیں بلکہ زمانہ کے ہاتھوں اُس نے یہ سوانگ بھرا ہے۔ ہاں اُس کے رشتے داروں میں ایک ایسا

Marfat.com

شخص ضرور موجود ہے جو بڑا عقلمند اور سمجھدار ہے اور ہندوستان کے تمام برہمن اُس کی ہر بات کو قبول کرتے ہیں۔ وہ شخص فلاں ملک کا حاکم بھی ہے۔ اگر جہاں پناہ اُس کے نام اس ملک کا فرمان صادر فرما دیں تو وہ بڑے خلوص سے خدمت عالی میں حاضری دے گا اور اس کے علاوہ وہ مقررہ خراج ہر سال شاہی خزانے میں جمع کراتا رہے گا۔''

سلطان محمود نے اس کے جواب میں کہا۔

''اگر وہ شخص خود میرے پاس آ کر یہ درخواست کرتا تو ممکن تھا کہ میں اُس کی درخواست قبول کر لیتا۔ لیکن اس وسیع ملک کو ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا جسے میں نے دیکھا بھی نہیں اور جو خود بھی ایک ملک کا حکمران ہے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔''

## دابشلیم مرتاض

ان مشوروں کے بعد آخر سلطان نے دابشلیم مرتاض کو ہزدالہ کی حکمرانی کے لئے منتخب کیا۔ اُسے بلایا گیا اور ہزدالہ کی حکومت اُس کے سپرد کر دی گئی۔

دابشلیم نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد سلطان محمود سے عرض کیا۔

''میرا ہم قوم فلاں دابشلیم میرا جانی دشمن ہے۔ اُسے جب یہ معلوم ہوگا کہ آپ مجھے ہزدالہ کی حکومت سونپ کر واپس چلے گئے ہیں تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر ضرور حملہ کرے گا۔ چونکہ اس وقت حکومت کی بنیادیں مضبوط نہیں اس لئے اُس کے غالب آ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ مجھ پر اتنا کرم اور کریں کہ اُس شخص کی شرارتوں سے مجھے مطمئن کر دیں تو میں اس عنایت کے شکرانے کے طور پر کابل اور زابل کے خراج سے دوگنی رقم شاہی خزانے میں ہر سال جمع کیا کروں گا۔''

سلطان محمود نے اُسے جواب دیا۔

''ہم لوگ اپنے ملک سے جہاد کی نیت سے نکلے ہیں۔ اور دو سال گزر چکے ہیں، ہم نے غزنی کی صورت نہیں دیکھی۔ اگر ہم تمہارے دشمن دابشلیم پر لشکرکشی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ہمیں اپنے وطن سے چھ ماہ اور دُور رہنا پڑے گا۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی رضا پر چلنے والوں کے لئے دو سال اور ڈھائی سال برابر ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ

Marfat.com

ہم چلتے چلتے اس قضیے کو ختم کر دیں۔"

اس کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو وابشلیم کے ملک کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور محمود نے وہاں پہنچ کر تھوڑی مدت میں وابشلیم کو فتح کر لیا اور راجہ کو گرفتار کر کے مرتاض کے حوالے کر دیا۔

وابشلیم مرتاض نے سلطان محمود سے عرض کیا۔

"ہمارے مذہب میں بادشاہ کو قتل کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ جب ایک راجہ دوسرے راجہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی بنوا کر مفتوح راجہ کو وہاں قید کر دیتا ہے۔ یہ قید اسی وقت تک رہتی ہے جب تک فاتح اور مفتوح دونوں میں سے ایک کا انتقال نہ ہو جائے۔ چونکہ میرے پاس اس وقت نہ تو کوئی ایسا قید خانہ ہے اور نہ ہی مجھ میں ابھی اتنی قوت ہے کہ دشمن کو اس طرح قید میں رکھ کر اس کی حفاظت کروں اور آپ کے چلے جانے کے بعد اس کے ہمدرد علم بغاوت بلند کر کے اسے میرے قبضے سے چھڑا لیں۔ اس لئے میری آپ سے درخواست ہے کہ اسے میرے پاس رکھنے کی بجائے آپ اسے غزنی لے جائیں اور اُس وقت تک اپنے پاس رکھیں جب تک میری حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں۔ اُس وقت میں اسے آپ سے منگوا لوں گا۔"

سلطان نے مرتاض کی درخواست منظور فرمائی اور ڈھائی برس کے بعد غزنی کی طرف روانہ ہوا۔

جب سلطان محمود غزنی کی طرف روانہ ہوا تو اس وقت پرم دیو اور راجہ اجمیر نے ایک لشکر جرار تیار کر کے سلطان کے راستے میں رُکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان نے اُس سے جنگ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور راستہ بدل کر سندھ کی طرف سے ملتان نکل گیا۔ اس راستے میں بعض مقامات پر پانی اور شادابی نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کو طرح طرح کی ناقابل برداشت مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور بڑی مشکلوں سے سلطان محمود غزنوی 417ھ میں غزنی واپس پہنچا۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود غزنوی جب سندھ کے جنگلوں میں سفر کرتا

Marfat.com

ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اُس نے یہ مناسب خیال کیا کہ راستہ بتانے کے لئے کوئی رہبر ساتھ لے لینا چاہئے۔ اس طرح ایک ہندو نے رہبری کا کام سنبھالا اور مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس ہندو رہبر نے قصداً لشکر کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جہاں دُور دُور تک پانی نہ تھا۔ اس لشکر کا ایک ایسے جنگل سے گزر ہوا جہاں لشکر کو ایک دن اور ایک رات تک پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ لشکریوں کے لئے وہ جنگل میدانِ قیامت بن گیا۔ سلطان محمود نے یہ عالم دیکھ کر اُس ہندو رہبر سے دریافت کیا۔

''تو آخر کس طرف سے لشکر کو لئے جا رہا ہے؟''

اُس نے اکڑ کے جواب دیا۔

''میں سومنات کے جاںنثاروں میں سے ہوں اور آپ اور آپ کی فوج کو جان بوجھ کر اس جنگل میں لایا ہوں تاکہ آپ سب کو تباہ و برباد کر دوں۔''

سلطان نے جب یہ جواب سنا تو اُسے اتنا غصہ آیا کہ اُس نے فوراً اُس رہبر کی گردن اُڑا دی۔

اُسی رات سلطان محمود اپنے لشکر سے الگ ہو کر ایک گوشہ میں آیا اور اپنا سر نیاز خاک پر رکھ کر اُس نے خدائے تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ وہ مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے جلد از جلد نجات دلائے۔

رات ابھی تھوڑی ہی گزری تھی کہ اُس جنگل میں شمال کی جانب ایک روشنی نظر آئی جسے دیکھ کر سلطان نے کوچ کا حکم دیا اور اُس روشنی کے تعاقب میں چلنے کا اشارہ کیا۔ شاہی لشکر نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر رات بھر سفر کرنے کے بعد صبح کو پانی کے کنارے پہنچ گیا۔ اس طرح سلطان کی نیک نیتی اور خلوص کی بدولت لشکر نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

دوسری طرف جب وابشلیم مرتاض نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو اچھی طرح مضبوط کر لیا اور وہ سومنات پر پوری قوت کے ساتھ حکومت کرنے لگا تو اس کے چند سال بعد سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں اپنے ایلچی روانہ کئے اور وابشلیم (جو مرتاض کا دشمن

Marfat.com

اور سلطان محمود غزنوی کی قید میں تھا) کی واپسی کا تقاضہ کیا تا کہ وہ اُسے اپنے دستور کے مطابق سزا دے سکے۔ ان ایلچیوں کے ہاتھ مرتاض نے بہت سے گرانقدر جواہرات اور خراج کی سالانہ رقم بھی سلطان کی خدمت میں روانہ کی۔

سلطان کو اس قیدی وابشلیم پر رحم آیا اور وہ اس کو واپس بھیجنے میں پس و پیش کرنے لگا۔ سلطنت کے امیر و وزیر وابشلیم مرتاض کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھے اس لئے انہوں نے سلطان سے کہا۔

''آپ نے وابشلیم مرتاض سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا نہ کرنا آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔''

ان معززین کے کہنے پر سلطان محمود غزنوی نے وابشلیم قیدی کو مرتاض کے ایلچیوں کے سپرد کر دیا اور یہ ایلچی اُس قیدی کو لے کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب یہ سومنات کی حدود میں پہنچے تو انہوں نے مرتاض کو اپنے آنے کی خبر دی۔ اُس عبادت گزار راجہ نے یہ خبر سن کر اپنے کارکنوں کو دستور کے مطابق قید خانہ تیار کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے قیدی کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ مرتاض نے ایک طشت اور لوٹا بھی ساتھ لے لیا تا کہ وہ انہیں دستور کے مطابق قیدی کے سر پر رکھ کر اُسے اپنے گھوڑے کے ساتھ بھگاتا ہوا لائے اور اسی حالت میں اسے قید خانے تک پہنچائے۔

راستے میں مرتاض ایک جگہ رُک گیا اور سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ شکار کی تلاش میں اُس نے بڑی بھاگ دوڑ کی اور آخر کار دُھوپ کی شدت سے تنگ آ کر ایک درخت کے نیچے سائے میں دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ شکار کے لئے بھاگ دوڑ کی وجہ سے مرتاض کی حالت خستہ ہو رہی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے چہرے پر ایک سرخ رومال ڈال کر وہیں لیٹ گیا۔ اسی عالم میں قضائے الٰہی سے اُس کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہوا یہ کہ ایک پرندے نے سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھا اور نیچے اُتر کر اس رومال پر ایسے زور کا جھپٹا مارا کہ اُس پرندے کے ناخن اُس کی آنکھوں میں گھس گئے اور اُس کی آنکھیں زائل ہو گئیں۔

چونکہ اُس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ کسی ایسے شخص کو راجہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جس کے

Marfat.com

جسم کے کسی حصہ میں کسی قسم کا کوئی نقص ہو۔ اس لئے راجہ کے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر شخص نے مرتاض کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ عین اُسی وقت وابشلیم قیدی بھی وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ مرتاض کے بعد اُس قیدی کے علاوہ اور کوئی سلطنت کا مستحق نہ تھا اس لئے اُسی قیدی کو حکمرانی کے لئے منتخب کیا گیا اور مرتاض کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو وابشلیم قیدی کے ساتھ ہونے والا تھا۔ یعنی اُس کے سر پر وہی طشت اور لوٹا رکھا گیا اور قیدیوں کی طرح اُسے گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے لایا گیا اور قید خانہ میں داخل کر دیا گیا۔

خدا کی قدرت بھی عجیب وغریب ہے۔ چند لمحوں کے اندر کیا سے کیا ہو گیا۔ جو سزا مرتاض نے اپنے قیدی کے لئے تجویز کی تھی وہ اُسے خود ہی بھگتنی پڑی۔ مثل مشہور ہے کہ چاہ کندہ راچاہ درپیش۔ اُس کے مصداق مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانہ میں داخل ہوا اور تمام عمر اپنی بدقسمتی پر ماتم کرتا رہا۔

اس واقعہ سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس کے متعلق شیخ سعدیؒ نے کیا عمدہ بات کہی ہے۔ ''یہ سچ ہے کہ خدا کی قدرت ایک لمحے میں کسی ایک شخص کو تخت شاہی سے اتار کر فرش پر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے کو مچھلی کے پیٹ میں بھی تمام آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔''

## ہوائی بت

سلطان محمود غزنوی نے ہزدالہ کے سفر کے دوران شہر کے مندر میں ایک ایسا بت دیکھا جو بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا۔ سلطان اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اُس نے اپنے ندیموں سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے غور و خوض کے بعد جواب دیا۔

''اس بت خانہ کی چھت اور تمام دیواریں مقناطیسی پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے۔ آس پاس کی مقناطیسی کشش اور اس بت میں خاص تعلق ہے۔ ہر جانب کی کشش مساوی ہونے کی وجہ سے بت کسی ایک طرف جھکنے نہیں پاتا اور بالکل درمیان

Marfat.com

میں معلق ہو گیا ہے۔"

اس بات کو آزمانے کے لئے سلطان نے حکم دیا کہ اس بت خانے کی ایک دیوار گرا دی جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ جونہی ایک طرف کی دیوار گری وہ بت بھی زمین پر گر پڑا۔

## خلیفہ کا خط سلطان محمود کے نام

جس سال سلطان محمود، سومنات کے مندر سے کامیاب اور کامران واپس آیا اُسی سال خلیفہ قادر باللہ نے بغداد سے سلطان کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں خلیفہ نے سلطان محمود اور اُس کے بیٹوں اور بھائیوں کو خطابات سے نوازا۔ وہ خط اس طرح تھا:

سلطان محمود...... کہف الدولہ والاسلام

امیر مسعود...... امیر الدولہ جمال الملت

امیر محمد...... جلال الدولہ جمال الملتہ

امیر یوسف...... عند الدولہ جوید الملت

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ:

"تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ گے ہم بھی اُسے قبول کریں گے۔"

سلطان محمود کو یہ خط جس وقت موصول ہوا وہ اس وقت بلخ میں تھا۔ اُس نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کرا دیا۔

Marfat.com

## جتائی قوم پر حملہ

اُسی سال سلطان نے جتائی قوم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قوم کوہ جودی کے دامن میں دریا کے کنارے آباد تھی۔ اس حملہ کی وجہ یہ تھی کہ جب سلطان فتح سومنات سے واپس آ رہا تھا تو اس قوم کے باغیوں نے راستے میں سلطانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ اس لئے اُن سے اس ناشائستہ حرکت کا بدلہ لینا ضروری تھا تاکہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔

پس سلطان ایک لشکر عظیم لے کر سفر کی منزلیں طے کر کے ملتان پہنچا۔ وہاں پہنچ کے اُس نے چودہ سو کشتیاں بنانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ہر کشتی میں لوہے کی تین سلاخیں نصب کی جائیں۔ اس صورت سے کہ ایک سلاخ تو کشتی کی طرف ہو اور باقی دونوں طرف دو سلاخیں لگائی جائیں۔ ان سلاخوں کو لگانے کا مقصد یہ تھا کہ جو چیز ان کے سامنے آئے وہ اس سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے اور پانی میں ڈوب جائے۔ جب یہ کشتیاں تیار ہو گئیں تو سلطان کے حکم سے ہر کشتی میں بیس بیس آدمی بٹھائے گئے۔ ہر آدمی کو تیر کمان اور بارود کے گولے دے دیئے گئے۔ ان تمام انتظامات کے بعد یہ کشتیاں دریا میں چھوڑ دی گئیں اور دشمن کو تباہ کرنے کے لئے یہ لشکر آگے بڑھا۔

جتائیوں کو سلطان محمود کے لشکر کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔ پس انہوں نے بھی مقابلے کی تیاری کی۔ انہوں نے اپنے بال بچوں کو تو جزیروں میں بھیج دیا اور خود مقابلہ پر آئے۔ ان لوگوں نے تقریباً چار یا آٹھ ہزار کشتیاں دریا میں چھوڑیں اور ہر کشتی میں سپاہیوں کا ایک ایک مسلح دستہ بٹھایا اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ دونوں فوجیں دریا میں ایک دوسرے کے مقابل آئیں اور خوب زور کی لڑائی شروع ہو

Marfat.com

گئی۔ جٹائیوں کی جو بھی کشتی مسلمانوں کی کشتی کے سامنے آتی وہ فوراً آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے جٹائیوں کی تمام کشتیاں دریا میں غرق ہوگئیں۔ دشمن کے جو سپاہی دریا میں ڈوبنے سے بچ گئے انہیں مسلمانوں نے اپنی تلواروں سے ختم کر دیا۔ ان کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر دشمن کے بال بچوں کی طرف روانہ ہوا۔ جزیرے میں پہنچ کر مسلمانوں نے دشمن کے بال بچوں کو قید کرلیا اور ان سب کو لے کر سلطان محمود غزنوی غزنی کی طرف واپس ہوا۔

## سلجوقیوں سے معرکہ

418ھ میں سلطان محمود غزنوی نے طوس ارسلان کو باد آورد کے علاقہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر کا یہ مقصد تھا کہ ترکمانی سلجوقیوں کو برباد کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ باد آورد اور گرد و نواح میں ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے۔ امیر طوس نے سلجوقیوں پر زبردست حملہ کیا مگر اُسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے سلطان کو لکھا کہ سلجوقیوں کے خاتمہ کے لئے سلطان کو خود ہی ان پر حملہ کرنا پڑے گا۔ سلطان محمود نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ سلجوقیوں پر قابو پانے کے لئے اُسے خود ہی قدم اٹھانا پڑے گا۔ پس سلطان محمود نے خود ہی ترکمانوں پر لشکر کشی کی اور انہیں شکست دے کر ٹھکانے لگا دیا۔

سلجوقیوں نے عراق پر قبضہ کرلیا تھا چنانچہ سلطان نے عراق کو بھی ان سے چھڑایا اور عراق کے تمام خزانے اپنے قبضے میں کر لئے۔ اس کے بعد سلطان نے ملحدوں اور قرامطیوں کو قتل کرایا۔

مولانا آزاد نے قصص الہند میں سلطان محمود غزنوی کی جو تفصیل پیش کی ہے اور تبصرہ کیا ہے وہ سلطان کی زندگی کے بعض اہم گوشوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اس لئے ہم تبصرے اور تفصیل کو معزز قارئین کرام کی معلومات کے لئے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

مولانا آزاد، قصص الہند میں عہد اسلامی کے ذیل میں سلطان محمود غزنوی کے خاندان غزنوی کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں۔

سلاطین سامانیہ جو توران اور ایران و یمن بڑے با اقتدار بادشاہ گزرے ہیں ان میں

Marfat.com

عبدالملک بن نوح پانچویں بادشاہ کی خدمت میں الپتگین نامی ایک غلام تھا جو بھان متی کے تماشے دکھا کر بادشاہ کو خوش کیا کرتا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ مجلس عشرت سے نکل کر دربارِ سلطنت میں داخل ہوا اور پھر اپنی دانش اور دانائی کی بدولت حاکم خراساں ہوگیا۔

جب عبدالملک کا انتقال ہوا تو امرائے دربار نے اُسے بھی خط لکھا کہ تخت نشین کس کو کیا جائے۔ اس تقدیر کے مارے نے منصور کے برخلاف رائے دی کہ وہ نوجوان یہاں تخت نشین ہو چکا ہے۔ منصور نے اُس کا خط دیکھ کر بہت پیچ و تاب کھایا اور اُس کے درپے ہوگیا۔ دشمن اُس کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ فوراً دربار میں طلبی ہوئی۔ چنانچہ ایسے نازک وقت میں اگر جان نہ جاتی تو قید ہو جانے میں کوئی شبہ ہی نہ تھا۔ ناچار سپاہیانہ پیچ کھیلا۔ اُس کے پاس خاصے غلاموں اور نوکروں کا ایک خوب جتھا تھا۔ پس انھی کی آڑ میں جان بچا کر غزنی میں عین کوہِ سلیمان کے بیچوں بیچ میں سے جا پہنچا۔ غرض اُدھر کے بہادر اور قوی ہیکل خودسروں کو سمیٹ کر دشمنوں کے قابو میں نہ رہا مگر پھر بھی اپنے آقا کے گھرانے کی اطاعت ہی کرتا رہا۔

تین ہزار غلام اس کے ہمراہ آئے تھے۔ اس کے علاوہ اُدھر کے افغان اگر دل سے تابع نہ ہوئے تو وقت پر نوکر ہو گئے۔ غرض اس قلعہ پر قابض ہو گیا کہ جس میں بلخ، ہرات، سیستان وغیرہ شامل ہیں۔ سبکتگین ایک فلک زدہ ایران کے شاہی خاندان کا لڑکا تھا کہ الپتگین نے اُسے ایک بخاری سوداگر سے خریدا تھا اور ایسے مرتبہ پر پہنچایا تھا کہ بعد میں اُس کے دربار میں رُکن اعظم وہی ٹھہرا۔ چنانچہ الپتگین کے بعد جب اُس کا بیٹا تخت نشین ہوا اور اطراف کے لوگوں نے زور دیا تو سبکتگین اُسے بخارا سے حکومت کی سند دلوا کر لایا، جس میں نیابت سبکتگین کے نام پر تھی۔ دو برس کے بعد وہ بھی مر گیا اور ایک دو اُتار چڑھاؤ کے بعد جب اہل دربار نے ملک غیروں کے ہاتھ جاتا دیکھا تو بالاتفاق سبکتگین کی اطاعت پر رضامند ہو گئے۔ چونکہ صاحب رعیت اور باتدبیر شخص تھا، تخت پر بیٹھتے ہی ایک ہمسایہ کے حاکم نے اُس سے مدد لے کر دشمن کے ہاتھ سے اپنا ملک بچایا۔ مگر احسان نہ مانا اس لئے ملک سبکتگین کے حوالے کرنا پڑا۔ سبکتگین نے الپتگین کی بیٹی سے شادی بھی کر لی اور یہیں سے ستارۂ اقبال کا طلوع ہوا۔

Marfat.com

# محمود غزنوی کی نوجوانی

سبکتگین نے الپتگین کی بیٹی سے شادی کیا کی کہ اُس کی قسمت کھل گئی۔ پنجاب کی حد اُس وقت غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔ پنجاب کا راجہ اُس وقت جے پال تھا۔ اُس نے محسوس کیا بلکہ یہ دیکھا کہ مسلمانوں کے قدم آگے ہی آگے بڑھتے آ رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کو غزنی تک محدود کرنے کے لئے ایک بھاری لشکر کے ساتھ غزنی کی طرف بڑھا کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے پہلے ہی ان کا زور ختم کر دیا جائے۔ اس کی اطلاع سبکتگین کو ہوئی تو وہ بھی انگڑائی لے کر اٹھا اور اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ اس طرح دونوں طرف کے لشکر لمغان کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

یہ سلطان محمود کی جوانی کا زمانہ تھا۔ اس کا جوان خون رگوں میں گردش کر رہا تھا۔ وہ جلد از جلد دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے چین تھا مگر لشکر کے سرداروں نے اسے پہل کرنے سے روک رکھا تھا۔ کیونکہ دشمن کا لشکر پشاور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کی پیش قدمی کے منتظر تھے۔

ادھر گویا لشکر ایک دوسرے کی پیش قدمی کے منتظر تھے اور دوسری طرف قدرت نے ایک نیا تماشہ دکھایا۔ یعنی دفعتاً آسمانی گولہ پڑنے لگا۔ یعنی بے موسم برف گرنی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے۔ انہوں نے کوئی پروا نہ کی مگر ہندوستانی بیچارے تھر تھر کانپتے تھے اور دانت ان کے کٹ کٹ بجتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں ان پہاڑوں کی یہ کہانی سنی تھی کہ ان پہاڑوں میں ایک چشمہ ہے جب اس میں کوئی سخت چیز ڈالی جائے تو اتنی برف برستی ہے کہ شہر کے شہر اس میں دب جاتے ہیں یقیناً دشمن نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے کچھ ایسا ہی عمل کیا ہو گا۔

دوسری جانب راجہ جے پال نے ان پہاڑوں میں ایسی شدت کی بارش اور برف کا طوفان دیکھا تو اس نے فوراً سبکتگین کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ سبکتگین نے فوراً صلاح و مشورے کی محفل جمائی۔ سب نے صلح کا مشورہ پیش کیا۔ صلح کے لیے سب تیار تھے مگر محمود غزنوی کی نوجوانی نے صلح کی مخالفت کی اور صلح کا پیغام لانے والے وفد کو ناکام

Marfat.com

واپس کر دیا۔ راجہ جے پال کو جب معلوم ہوا کہ صلح کا پیغام رد کر دیا گیا ہے تو اسے سخت طیش آیا۔ مگر اُس نے پھر کوشش کی اور سبکتگین کو پیغام بھیجا کہ جنگ دونوں کے لیے بری ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم کو کامیابی کی صورت میں بہت مال و اسباب ملے گا تو یہ تمہارا خیال خام ہے۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب ہمیں آخری جنگ لڑنا ہی پڑے تو ہم یہ کرتے ہیں کہ ہم اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھوں سے فنا کر دیتے ہیں۔ ہاتھی گھوڑوں کو اندھا کر دیتے ہیں پھر آپس میں ایک دوسرے سے گلے مل کر دشمن پر جا پڑتے ہیں پھر جو کرے وہ خدا کرے۔

محمود کو یہ پیغام ملا تو وہ خاموش ہو گیا۔ ایک سردار نے کہا جس جان کے لینے سے مال ہاتھ سے جائے اس جان کے لینے سے کیا فائدہ۔ بہتر ہے رقم حاصل کر کے صلح کر لی جائے۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور مال و دولت اور ساز و سامان لے کر صلح پر آمادہ ہو گیا۔ مگر بات بنتے بنتے بگڑ گئی اور دونوں جانب جنگی تیاریاں پھر شروع ہو گئیں۔

جنگ شروع ہو گئی۔ خنجر کا تلوار سے اور کھانڈے کا کٹار سے مقدمہ پڑا۔ وہ جنگ ہوئی الامان و الحفیظ۔ دشمن کو پورے ہندوستان سے فوجی تعاون حاصل ہوا پھر ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ آخر ہزاروں کا کھیت پڑا اور خاتمہ ہندوؤں کی شکست پر ہوا۔ فاتح مسلمان لوٹتے مارتے اٹک تک گئے اور دو سو ہاتھی اور لاکھوں کا زر مال لے کر گھر لوٹے۔ مسلمانوں کی حکومت اس وقت غزنی سے قندھار سے آگے تک تھی۔ پس اس نے فوجوں کو درست کیا اور مکمل انتظام میں لگ گیا۔

اس طرح محمود غزنوی کے والد سبکتگین نے 997ء مطابق 387 ہجری انتقال کیا۔ سبکتگین کے محمود اور اسمٰعیل دو بیٹے تھے مگر محمود کا لڑکپن سے یہ حال تھا کہ فوج کشی اور لڑائیوں میں باپ کے ساتھ ہی رہتا تھا بلکہ ہر مہم میں اپنی بساط سے بڑھ کے قدم بڑھاتا تھا کہ تجربہ کار سپہ سالار دیکھتے رہ جاتے تھے۔ جب باپ کا انتقال ہوا تو محمود نیشاپور میں تھا۔ اس وقت عمر تیس سال تھی اور لیاقت اور شجاعت کے پیش نظر ہر طرح سے جانشینی کا مستحق تھا۔ اتنی بات ضرور تھی کہ ماں کی طرف سے داغدار تھا۔ چھوٹے بیٹے کو باپ بہت چاہتا اور اپنے پاس ہی رکھتا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد اسمٰعیل نے تخت خالی پایا تو فوراً

Marfat.com

تاج سر پر رکھ لیا جابجا فرمان جاری کیئے اور دربار میں امیروں وزیروں کے منصب فوج کی تنخواہیں بڑھا کر جشن شاہانہ شروع کر دیئے تا کہ سب کے دل میں اس کے لیے جگہ پیدا ہو جائے اور دلاور بھائی کا خیال ان کے دل سے نکل جائے۔

محمود کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو اس نے بھائی کو پیغام بھیجا جس میں تحریر کیا۔

"والد مرحوم نے خانۂ سلطنت آراستہ چھوڑا مگر حال اس کا یہ ہے کہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ اگر تمہاری عمر اور تجربہ اس کے سنبھالنے کے لائق ہوتا تو عین آرزو تھی کہ تم باپ کے جانشین ہوتے مگر مجھے مصلحت یہی معلوم ہوئی ہے کہ دولت اور خزانوں کو شریعت کے بموجب تقسیم کر کے دارالسلطنت کو میرے سپرد کردو۔ تمہاری حکومت کے لیے بلخ اور خراساں کا ملک میں صاف کیئے دیتا ہوں۔"

مگر جب تاج سر پر ہو اور خوشامدی آگے پیچھے لگے ہوں تو عقل کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ پس محمود کی بات اور مشورہ کو مانا اور تسلیم نہیں کیا گیا۔ محمود نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اس کی نصیحت نے نہ تو اس نو دولتیے پر اثر کیا اور نہ ارکان دولت ہی نے اس کا (محمود کا) ساتھ دیا تو اس نے فیصلہ کیا کہ دارالخلافہ پر حملہ کر کے خود ہی اس کا فیصلہ اپنے حق میں کرے۔

ادھر اسمٰعیل کو معلوم ہوا تو وہ ایک لشکر جرار لے کر آگے بڑھا۔ ہر چند کہ اس نے تمام انتظامات اپنی فتح اور کامیابی کے کر لئے تھے مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

پس اسمٰعیل باوجود تمام انتظامات کے میدان جنگ میں شکست کھا کر قید ہوا اور محمود کی سلطانی کا نقارہ غزنی کے نوبت خانہ میں بج گیا۔ اس وقت ایران اور توران دونوں ممالک مصائب میں گرفتار تھے۔ چنانچہ محمود نے پہلے تو اپنے گھر کا انتظام اور پکا بندوبست کیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سب کو مطیع کر لیا۔

ہندوستان جنت نشاں جس کا دروازہ اس کے باپ سبکتگین نے کھول دیا تھا محمود ان

Marfat.com

راستوں سے لشکر لے کر قنوج اور کالنجر تک مارتا کاٹتا پہنچا۔ ایک بار نہیں بلکہ دو بار اس نے ان علاقوں کو زیر و زبر کیا اور اس کے ساتھ ''سلطان'' کا لقب اختیار کر کے تمام مخالفین کو دہلا دیا۔ اللہ نے اسے وہ درجہ مرتبہ اور عظمت عطا کی کہ اس وقت تک کسی مسلم بادشاہ کو وہ درجہ حاصل نہ ہوا تھا۔

محمود کو جب بے فکری نصیب ہوئی اور حد نظر تک کوئی مقابل نظر نہ آیا تو اس نے ایک دن امرا اور وزرا میں خیال ظاہر کیا۔

''اے میرے رفیقو اور سلطنت کے بہی خوا ہو۔ قرب و جوار میں تو کوئی آپ کا مد مقابل نظر نہیں آتا۔ اب آپ لوگ خیالوں کے گھوڑے دوڑایئے اور اس مقام اور سلطنت کو تلاش کیجئے جس کے مال و زر سے غزنی کے خزانے کو اپنی ضرورت کے مطابق بھرا جائے اور عوام و خواص کو خوشحالی اور عظمت حاصل ہو۔''

پس اراکین دولت اور سرداران لشکر نے اپنے اپنے خیالوں کے گھوڑے چاروں طرف دوڑائے کسی نے ایک ملک کسی نے دوسرا ملک ''نامزد'' کیا مگر کسی ایک ملک پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ اس وقت ایک جہاندیدہ بزرگ نے تسلیمات عرض کرنے کے بعد کمال ادب مگر استقلال سے عرض کیا۔

''اے سلطنت غزنی کے محبوب تاجدار اور سلطان، ہر چند کہ آپ نے اس ملک کو زر و مال سے بھر دیا ہے مگر حکم خداوندی یہ ہے کہ انسان پیر توڑ کے نہ بیٹھے اور جدو جہد اور کوشش جاری اور ساری رکھے۔ مجھ ناچیز نے بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے اور طرح طرح کے لوگوں اور تاجداروں سے گفتگو کا موقعہ ملا ہے مگر ہمیشہ میری نظر گھوم پھر کے خراب آباد ہندوستان پر آ کر رک جاتی ہے کیونکہ وہاں کے لوگ سرزمین اور علاقے نہ صرف قابل ذکر ہیں بلکہ انہیں دیکھنے اور ان پر اپنا قبضہ جمانے کا ارادہ اور حوصلہ رکھتے ہیں۔''

''ہندوستان کا اب ذکر نہ کیجئے۔'' ایک امیر نے اس کا قطع کلام کیا۔ ہندوستان میں اب کیا دھرا ہے ہم ہندوستان کو گیارہ مرتبہ زیر و زبر کر چکے ہیں۔''

''یہ ٹھیک ہے ہم گیارہ بار ہندوستان کو چیر پھاڑ چکے ہیں۔ مگر میں پھر کہتا ہوں کہ

Marfat.com

ہندوستان پھر ہندوستان ہے اور وہاں اس قدر دولت کی فراوانی ہے کہ جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آپ کا اشارہ کس شہر یا صوبے کی طرف ہے۔'' معترض نے بھی دخل دیا۔

اُس کے جواب میں دوسرے امیر نے کہا۔

''اے امیر محترم! دراصل یہ اشارہ ہندوستان کے شہر گجرات کی طرف ہے۔ دراصل گجرات سمندر کے کنارے ایک عظیم الشان شہر ہے اور اس میں ہندوؤں کا ایک عبادت خانہ ہے۔ اس عبادت خانہ یعنی ہندوؤں کے مندر میں ایک پتھر کا عظیم الشان بت ہے جسے وہ لوگ ''سومنات دیوتا'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ چونکہ ہزار ہا سال سے راجہ سے لے کر پرجا تک ملک ملک کی خلقت اس بت کو صدق دل سے مانتی ہے اس لیے نہ مال و زر کا ٹھکانہ ہے اور نہ زر و جواہر کی کچھ انتہا۔''

اس وقت ایک امیر حسن میمندی نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور اس طرح عرض گزار ہوا۔

''اے قبلۂ عالم! وہاں کے حالات عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس مکان میں ''سومنات دیوتا'' ہے وہاں باہر کی روشنی کا دخل نہیں۔ جواہرات اور الماس جو در و دیوار میں جڑے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہیں ان کی جگمگاہٹ سے دن رات برابر ہیں۔ بیچ میں ایک بڑی بھاری سونے کی زنجیر ہے کہ اس میں گھنٹے اور گھڑیال آویزاں ہیں۔ جب ہندوؤں کی پوجا (عبادت) کا وقت ہوتا ہے تو جس طرح ہم اذان دیتے ہیں ہندو اس زنجیر کو ہلاتے ہیں کہ سب کو خبر ہو جائے۔ ملک ملک کے راجاؤں نے جو جاگیریں دے رکھی ہیں انہیں جمع کریں۔ تو دو ہزار گاؤں ہوتا ہے۔ ہر چند کہ گنگا وہاں سے چھ سو کوس پر ہے مگر روز تازہ گنگا جل (گنگا کا پانی) سے اس دیوتا (سومنات) کو نہلایا جاتا ہے۔ دو ہزار برہمن فقط وہاں کے پجاری ہیں۔ پانچ سو لونڈیاں گانے والی اور تین سو گوئیے ہیں کہ پوجا کے وقت بھجن گاتے ہیں اور ناچتے ہیں۔ زیور، لباس، خرچ اخراجات ان سب کا وہیں سے ملتا ہے یہ سب تو ان کی باتیں ہیں مگر ہمارے مطلب کی بات ہے کہ مال و زر اور زیور و جواہر کا وہاں یہ عالم ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی کسی بادشاہ

Marfat.com

کے خزانہ میں نہیں سما سکتا۔

یہ سن کر محمود کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور دل تھا کہ سانپ کی طرح لہرانے لگا۔ اس وقت سپہ سالار کو حکم پہنچا کہ ''لشکر'' تیار ہو۔ پس ہر علاقے سے سپاہ طلب ہوئی۔ میدان شہر خیموں ڈیروں سے پٹ گیا۔ ہر فوج کے نشاں جدا جدا، لشکر خاصہ کے علاوہ تاتار کے ترک اور کوہستان کے افغان لوٹ مار کی نیت باندھے شب و روز روزے سے بیٹھے رہتے تھے وہ ہزاروں کی جگہ لاکھوں جمع ہو گئے۔

سلطان محمود اس ٹڈی دل کو لے کے اڑا اور ملتان میں آ کے دم لیا۔ ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت اور درستی کی یہ بھی معلوم ہوا کہ راستے میں ایسے ایسے ریگستان اور چٹیل میدان ہیں کہ جہاں کوسوں تک پانی کا پتہ نہیں۔ اور نہ گھاس کا۔ اس نے حکم دیا کہ ہر شخص کئی کئی دن کا کھانا پانی اپنے اپنے ساتھ اٹھا لے اور سرکار شاہی سے بھی دو ہزار اونٹ رسد کے دانے، پانی اور گھاس پات سے لدوا کر ساتھ لئے۔

غرض ان لق و دق میدانوں کو لپیٹ سمیٹ کر دفعتاً اجمیر جا پہنچا۔ اگرچہ کوئی راجہ محمود کے حال سے غافل نہ تھا۔ مگر یہ بھی خیال نہ تھا کہ ایسے میدان طے کر کے یہ طوفان یوں اچانک بجلی کی طرح آن گرے گا۔ اب سوائے کنارہ کرنے کے اور کوئی صورت باقی نہ تھی۔ چنانچہ راجہ اور رجواڑ کے لوگ جو بھاگ سکتے تھے اپنی اپنی جانیں بچا کے بھاگ کھڑے ہوئے اور پورا شہر ویران اور سنسان ہو گیا۔ شہر میں کوئی چراغ جلانے والا باقی نہ رہا۔

سامنے تاراگڑھ کا قلعہ پہاڑ پر چمک رہا تھا۔ سوچا کہ کیا، کیا جائے تو رائے ٹھہری کہ منزل کیوں کھوٹی کی جائے اور محاصرے میں وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ اس لئے سیدھے منزلِ مقصود کا رُخ کیا۔ یہ ضرور کیا کہ اثنائے راہ جو قلعے اور شہر نظر آئے یا مزاحم ہوئے انہیں خاک میں ملاتا اور سامانِ خداداد سمیٹتا منزل مقصود کا رُخ کیا۔ لشکر دو منزلہ اور سہ منزلہ مارا مار کرتا چلا جا رہا تھا کہ سمندر کے کنارے پر ایک قلعہ سر اُٹھائے نظر پڑا جس کے بُرج آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور دریا کی لہریں پاؤں میں لوٹ رہی تھیں۔

لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ''سومنات'' یہی ہے۔ پورا شہر محو خواب تھا کہ

Marfat.com

لشکر مارا مار کرتا وہاں پہنچا۔ لوگ گھبرا کے اُٹھے۔ باہر نکل کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فوجوں کے بادل چھا گئے ہیں اور نشان محمودی لہرا رہا ہے۔ بھولے بھالے پانڈے بیچارے جنہوں نے کبھی تلوار کی شکل بھی نہ دیکھی تھی وہ سب کے سب فصیل پر چڑھ گئے۔

انہوں نے سلطان محمود غزنوی کے لشکر جرار کو دیکھا تو مضحکہ اُڑایا اور بولے۔

''اے مسلمانو! تم اپنی فوج اور لشکر کے گھمنڈ میں ہمیں لوٹنے آئے ہو۔ مگر تم کیا جانو ہمارا پرماتما تم کو یہاں اس لئے لایا ہے کہ جو جو مندر اور شوالے تم نے ہندوستان میں توڑے پھوڑے ہیں سب کی سزا تم کو یہاں دی جائے گی۔''

اُن کی اس طرح کی باتیں اور بکواس سلطان محمود کے کانوں تک پہنچیں تو اُس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اُس نے غصہ سے منہ پھیر کر کہا۔

''خیر...... جو کچھ ہوگا وہ کل دیکھا جائے گا۔''

پس وہ دن تو جوں توں کٹ گیا۔ دوسرے دن جب آفتاب طلوع ہوا اور ذرا دن چڑھا جس کے ساتھ ہی آفتاب عالمتاب اور بت پرستوں کا سورج دیوتا شکست و ریخت کا نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے افلاک پر نمودار ہوا تو محمود غزنوی سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہوا کے گھوڑے پر سوار جھنڈا اُٹھائے میدانِ جنگ میں آ کھڑا ہوا۔

نقارے پر چوٹ پڑی اور جنگ کا بگل بجا تو کمزور سینوں میں دل دہل گئے۔ محمود غزنوی نے قلعہ کی طرف پیش قدمی کر کے اس قدر تیر برسائے کہ فصیل پر کھڑے ہندوؤں کو فصیل چھوڑ کے نیچے اُترنا پڑا اور قلعہ والوں کو بھی بھاگ بھاگ کے اِدھر اُدھر چھپنا پڑا۔ پس جس کو جہاں جگہ ملی وہ اس میں چھپ گیا۔ دم کے دم میں فصیل صاف ہوگئی۔

قلعہ سے ایک راستہ مندر کو جاتا تھا۔ سب لوگ گھبرا کے اُدھر ہی بھاگے۔ مسلمانوں نے اُن کی بھگدڑ سے فائدہ اُٹھایا۔ وہ جھٹ سیڑھیاں لگا کر اور کمندیں ڈال کر فصیلوں پر چڑھ گئے۔ پھر انہوں نے ''اللہ اکبر...... اللہ اکبر'' کے ایسے نعرے لگائے کہ دشت و جبل گونج اُٹھے۔ نعرۂ تکبیر کی آواز سے برہمنوں اور پانڈوں کے دل میں گیان و دھرم کی آگ سے ایک دُھواں سا اُٹھا اور راجپوتوں کے دلوں میں قومی غیرت نے جوش مارا۔ وہ

Marfat.com

آگ بگولہ ہو کر دوڑے۔ جو تیر انداز فصیل پر کھڑے تھے، اُن سے آتے ہی شمشیر زنی شروع ہوگئی اور مسلم شمشیروں نے اُنہیں کاٹ کے رکھ دیا۔

پھر تو ادھر سے آتش بازی کے بان اور رال کی ہانڈیاں تھیں اور اُدھر سے تیروں کی بارش، برچھیوں کی بجلیاں۔ تمام فضا گرد آلود ہوگئی۔ ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا۔ دونوں طرف سے تلوار زنی کے جوہر دکھائے جا رہے تھے کہ اتنے میں شام کا اندھیرا پھیل گیا اور تلواریں جہاں تھیں وہیں رُک گئیں۔ اندھیرے نے دونوں لشکروں کے درمیان حد فاصل کھینچ دی۔

دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ رات کو شب خون کا خطرہ تھا۔ اس کے روک تھام کا انتظام کیا گیا۔ حکم تھا کہ آگ تو الگ رہی، ایک چنگاری بھی نہ چمکنے پائے۔ مگر دل تھا کہ بے چین تھا۔ اس کی مایوسی اور بے قراری دیکھنے والی تھی۔

اِدھر تو محمود غزنوی کے لشکری سناٹے میں تھے کہ کہاں وہ کوہ و دشت پُر بہار اور خدائی گلزار اور کہاں یہ ریگستان و بیابان۔ گھروں سے ہزاروں میل دور آ پڑے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اب بال بچوں کی صورت دیکھنا نصیب بھی ہوگی کہ نہیں۔ روح طمع سیاہ، جس نے یہ دن دکھایا۔ اگر لوٹ مار کا لالچ نہ ہوتا تو کیوں اس مصیبت میں گرفتار ہوتے۔ جو نہ کرنا تھا وہ تو کر بیٹھے اب دیکھتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اُدھر قلعہ بند بیچارے مصیبت کے مارے جانوں سے ناامید تھے اور کہتے تھے مصیبت کی ناگہانی بلا کہاں سے آ گئی۔ ہم تو آرام سے گھروں میں رام رام کرتے تھے۔ خدا ہے جو اس مصیبت کو ٹالے۔ اس کے سوا اور کس کا سہارا ہو سکتا ہے۔

غرض یہ کہ دونوں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ اندھیری رات میں سنسان جنگل سائیں سائیں اور بھائیں بھائیں کرتا تھا اور گھوڑے سے لے کر اونٹ تک سانس نہ لیتا تھا۔ ہاں تدبیروں کے قاصد اور کاغذ کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ قلعہ والوں کو رات بھر نیند نہ آئی۔ انہوں نے اپنے اپنے دیس کے ٹھاکروں اور راجاؤں کو چٹھیاں لکھیں کہ یہی وقت ہے کہ اگر آج دھرم کی لاج نہ رکھی تو پھر کب وقت آئے گا۔

ادھر آدھی رات تھی کہ محمود جیسے خواب سے جاگا۔ اس کا دل گھبرایا اور سرداران لشکر کو

Marfat.com

بلا کر مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔ ''صبح سر پر کھڑی ہے۔ لہٰذا کچھ کرنا چاہئے کہ میدان جنگ کس ڈھنگ پر ڈالا جائے؟''

وزیر نے عرض کیا۔

''جس طرح ممکن ہو اس لڑائی کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ ملک بیگانہ ہے اور گھر دور ہے جس قدر دیر ہو گی دشمن پر ہماری ہیبت کم ہوتی جائے گی۔ اور ساتھ ہی ساتھ جمعیت بھی کم ہو گی۔ دشمن کو کمک مل رہی ہے اور اس کی قوت بڑھ رہی ہے۔ ایک ایک کے دل پر خادم کی نظر ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ رفیق اور ساتھی دل چھوڑ رہے ہیں۔''

سلطان محمود نے اس رائے کو پسند کیا اور سب نے اس کی تائید کی۔ اسی وقت پس و پیش یمین و یسار الغرض پورے لشکر کی ترتیب ہوئی اور ڈیرے ڈیرے میں حکم پہنچ گیا کہ صبح نور کے تڑکے قلعہ پر دھاوا ہو گا۔

چنانچہ راتوں رات سینکڑوں سیڑھیاں اور قندیلیں اور ہزاروں فولادی منجنیقیں تیار ہو گئیں۔ تمام رات بہادروں نے ہتھیاروں کی تیاری میں کاٹی جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو محمود نے وضو کر کے دوگانہ نماز ادا کی۔ اسلحہ جسم پر سجاتے ہی سواری کا حکم ہوا۔ اُدھر صبح کی سفیدی مشرق سے نمودار ہوئی ادھر پھریرا جنگ کا ہوا میں لہرایا۔

جب سپہ سالار کو تیسرا حکم پہنچا تو اس نے ادھر پہلو دے کر دوسرے رخ سے لڑائی کا آغاز کیا۔ خود محمود غزنوی ایک رسالہ لے کر الگ کھڑا ہوا کہ جب قلعہ والے فوج کی طرف جھکیں تو یہ ادھر سے کمندیں ڈال کر اندر جا پڑے۔ قلعہ میں بھی تمام رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ پانڈے، پجاری، برہمن، راجپوت دھاوے کا غل سن کر گھبرا گئے۔ پہلے تو سب مندر کی طرف دوڑے اور سومنات کے بت سے لپٹ لپٹ کر زار زار روئے۔ کوئی پاؤں میں لوٹتا تھا کوئی کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔

آخر روتے دھوتے باہر نکلے۔ جدھر دھاوے کا زور دیکھا سب کے سب ادھر امنڈ پڑے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ چاروں طرف سے خبریں چلی آتی تھیں اور ہر طرح کی تدبیر کی جا رہی تھی۔ اتنے میں ایک سپاہی نے آ کے محمود غزنوی کی خدمت میں عرض کیا۔

''سلطان معظم ادھر سے غبار نمودار ہو رہا ہے اور خیال یہ ہے کہ اس کا رخ اسی طرف

Marfat.com

کا ہے۔ کیا عجب کہ کوئی راجہ قلعہ والوں کی مدد کو آ رہا ہو۔''

سلطان محمود نے ہرکاروں کو اشارہ کیا۔ وہ بھاگے اور ذرا دیر بعد ہی خبر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ''سلطان معظم فلاں فلاں شہر کا راجہ اس قدر جمعیت کے ساتھ قلعہ والوں کی مدد کو آ رہا ہے۔''

شاہ معظم نے اس بات کو سنا اور فوراً دبا دیا کہ اگر بات لشکر میں پھیل گئی تو سارے لشکر میں ہلچل پڑ جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اپنی زیر کمان فوجی دستوں کو ساتھ لے کر برق و باراں کی طرح اس طرف لپکا اور فوراً اس کے مقابلے کے لیے پہاڑ کی طرح جا کے جم گیا۔ پھر سلطان نے آنے والوں کے پاس پیغام بھیجا۔

''ہمارا اور قلعہ والوں کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اس لئے شان جوانمردی تو یہ ہے کہ جب تک ہم ادھر سے فارغ نہ ہولیں تم ہم پر حملہ نہ کرو۔''

ادھر سے یہ سوکھا سا جواب آیا۔

''قلعہ والے اور ہم جدا جدا ہیں۔ زبانی باتیں نہ بناؤ اگر مرد ہو تو تلوار سے مقابلہ کرو۔''

سلطان محمود کو اتنی مہلت ہی کافی تھی۔ اس نے دائیں اور بائیں بازوؤں کو تو سرداروں کے سپرد کیا۔ ادھر سے قرنا اور ادھر سے نرسنگا لڑائی کا پھونکا گیا۔ پہلے تو دور ہی دور سے تیر و تفنگ سے موت کے پیام و سلام ہوئے۔ ادھر سے ہندوستان کے سور بیر اور ادھر سے ترک طرار اور افغان خونخوار بڑھ بڑھ کے حملے کرنے لگے۔ جنگ میں شدت اور گرمی پیدا ہوگئی کہ تلوار کی آنچ کے نیچے خود اور زرہ کے نیچے بدن بہادروں کے جل اٹھے اور خون پانی ہو کر بہنے لگا۔

دفعتاً ایک طرف سے غبار اٹھا۔ سب کی نظریں اس طرف لگ گئیں۔ جب غبار کا دامن چاک ہوا اور نشان لشکر نے سر نکالا تو معلوم ہوا کہ ہزدالا کا راجہ قلعہ والوں کی مدد کو آیا ہے۔ اس خبر کو سن کر کیا ترک کیا افغان سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور محمود غزنوی کے بھی اوسان جاتے رہے۔ مگر محمود سنبھلا اس نے فوراً قلعہ والی فوج کو پیغام بھیجا کہ قلعہ کا پیچھا چھوڑو اور ادھر ہماری خبر آ کے لو۔ پھر سلطان خود گھوڑے سے کودا اور

Marfat.com

جبین نیاز فوراً خاکِ عجز پر رکھ دی۔ اس عالم عجز میں اس نے حضورِ خدا بہت گریہ وزاری کی اور دعائے خیر مانگتا رہا۔

دعا سے فارغ ہو کر سلطان نے فوج سے خطاب کیا۔ اس نے کہا۔

''اے خدا کے شیرو اور دلیرو، آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ دشمن نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ہم خراساں اور ترکستان سے ہزاروں میل دور ہیں اڑ کر بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ اب صرف اپنے دست و بازو پر اعتماد کرو اور خدا کا نام لے کر سینہ سپر ہو جاؤ۔ بھاگ کے مرنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ مرو تو دنیا میں نام تو رہے۔ غازی مرتا نہیں شہید ہوتا ہے۔''

اس تقریر نے ایسا اثر کیا کہ ٹوٹی ہوئی کمریں پھر سے بندھ گئیں۔ پھر تو سب کے سب ایک دل اور ایک جان ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ پانچ ہزار کی نفری کا دم بے دم میں صفایا کر دیا۔ مخالف شکست سے دو چار ہوا اور اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی جس کا جدھر کو منہ اٹھا وہ اُدھر بھاگ نکلا۔ بھاگنے والوں کا دور تک پیچھا کیا گیا۔ اس صورت حال میں قیدیوں کو کون پکڑتا کہ غزنی میں ان کی پہلے ہی بہتات تھی۔ اس فتح کو دیکھ کر قلعہ والوں کی رہی سہی آس ٹوٹ گئی۔

اور سلطان محمود فتح وظفر کا نقارہ بجاتا قلعہ میں داخل ہوا۔ اوز قلعہ پر سلطانی پرچم لہرا دیا گیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر سلطان سیدھا مندر میں پہنچا۔ مندر کی شاندار اور عظیم الشان عمارت دیکھ کر سلطان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مندر کی چھت چھپن ستونوں پر مشتمل تھی اور سنگ مرمر کے ستون جواہرات سے مرصع تھے۔ پچی کاری گلکاری چینی کے نقش و نگار سے مزین ستاروں کو آنکھ مارتی تھی۔ عین درمیان میں ایک جڑاؤ زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ دن رات جلتا تھا۔ پتہ نہیں یہ کب سے روشن تھا جسے آج مسلمانوں کے ہاتھوں گل ہونا تھا۔

دروازے کے سامنے ہندوؤں کے دیوتا سومنات کا بت کھڑا تھا جس کا قد پورے پانچ گز یعنی پندرہ فٹ کا تھا۔ بت چھ فٹ زمین کے اندر اور نو فٹ اوپر تھا۔ پس سلطان

Marfat.com

محمود نے کمان میں تیر جوڑا اور بت کی ناک کا نشانہ لے کر چھوڑ دیا۔ تیر سیدھا بت کی ناک پر لگا اس کے ساتھ ہی محمود غزنوی نے بت کے توڑنے کا حکم دیدیا۔

اس حکم کو سن کے تمام پجاری اور پانڈے محمود غزنوی کے پیروں پر گر پڑے اور رو رو کر التجا کی۔

''ہمارے دیوتا کو نہ توڑو۔ اس کے بدلے میں جس قدر زر و مال اور خزانہ چاہو لے لو۔''

محمود کے وزیر نے بھی سفارش کی مگر بادشاہ (سلطان محمود) نے سوچ سوچ کر کہا۔

''میرے نزدیک بت فروش نام پانے سے بت شکن ہونا بہتر ہے۔''

یہ کہہ کر سلطان محمود غزنوی جس کے ہاتھ میں فولادی گرز تھا، اس زور سے بت پر مارا کہ وہ پر ماتما جو سونے کی ڈلی اور اندر سے کھوکھلی تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑی۔

سلطان محمود غزنوی کی قسمت دیکھیئے کہ پجاری اس بت کے بدلے میں جتنا روپیہ محمود کو دینا چاہتے تھے۔ اس سے کئی گنا زیادہ زر و جواہر بت کے پیٹ سے نکلے۔ سلطان محمود یہ دیکھ کے خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ سلطان نے بت کے دو ٹکڑے مکہ مدینہ بھیجے اور دو ٹکڑے غزنی بھجوا دیئے کہ ایک ٹکڑا جامعہ مسجد اور دوسرا دیوان عام کے دروازے پر ڈال دیا جائے۔ اس سلسلہ میں تاریخ فرشتہ کا مصنف گیارہویں صدی ہجری میں لکھتا ہے کہ وہ ٹکڑا مقام مذکور پر پڑا ہے۔

مندر سے زر و جواہر اور مال و دولت اس قدر ہاتھ آیا کہ اب تک کہیں اور سے حاصل نہ ہوا تھا۔ پھر سلطان چند روز بعد غزنوی واپس آیا۔

سلطان محمود غزنوی کے شجرہ نسب میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے اور مختلف کتابوں میں بہت کچھ مختلف ہے۔ اس سلسلے میں مختلف کتابوں میں جو نسب نامہ ہے اس سے مندرجہ ذیل حسب و نسب سامنے آتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی بن امیر سبکتگین بن قرا بن ارسلان بن قرا ملت بن قرا لقمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارس۔

صاحب طبقات ناصری نے بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ دنیائے اسلام کا مشہور

Marfat.com

زمانہ فاتح سلطان محمود غزنوی ایران کے مشہور عالم بادشاہ نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔

غزنوی خاندان کی حکومت کا پہلا بانی ساسانیوں کے دربار کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا۔ جسے اس کی خداداد شجاعت اور حسن لیاقت تدبیر کی بنا پر عبدالملک ساسانی نے خراساں میں سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ ساسانیوں کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ ساسان، بلخ کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ حسن اتفاق سے عباسیوں کے مقرر کیے ہوئے خراسان کے گورنر اسد بن عبداللہ کے یہاں چلا آیا اور اپنا آبائی زرتشتی مذہب چھوڑ کے مسلمان ہوگیا۔

ساسان کے ایک بیٹے کا نام بھی اسد تھا اور اس کے آگے چار بیٹے تھے جو حسن لیاقت اور شجاعت کی بنا پر خلیفہ ماموں رشید عباس کی نگاہ میں بے حد پسندیدہ تھے۔ چنانچہ خلیفہ نے

1- نوح بن اسد ساسانی کو سمرقند۔

2- احمد بن اسد ساسانی کو فردعانہ۔

3- یحیٰ بن اسد ساسانی کو چاچ۔

4- الیاس بن اسد ساسانی کو ہرات کا گورنر بنا دیا۔

احمد بن اسد ساسانی اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور مدبر تھا۔ چنانچہ اس نے تھوڑی ہی مدت میں اپنی حکومت کی حدود وسیع کر لی اور اپنے بھائیوں کے علاقے چھین کر ''ساسانی'' خاندان کی ایک علیحدہ مضبوط حکومت بنائی۔

احمد بن اسد ساسانی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام اسمٰعیل اور دوسرے کا نام نصر، دولت ساسانیہ کی حدود میں سیستان، خراسان، ماورالنہر، قندھار بخارا شامل تھے۔ اسمٰعیل اور نصر دونوں بھائیوں نے مل کر بہت ہی فتوحات حاصل کیں اور سلطنت کو خوب وسعت دی۔ اسمٰعیل بن احمد کے زمانہ میں دولت ساسانیہ خاص کر قندھار اور بخارا نے بڑی ترقی کی لیکن اسمٰعیل کے انتقال کے بعد ساسانیوں کی طاقت گھٹنے لگی حتی کہ صرف پچاس سال بعد حکومت کی حدود کم ہوتے ہوتے صرف خراساں اور ماورالنہر تک محدود ہوگئی۔

Marfat.com

ساسانیوں کے دربار میں ترک غلاموں کی کثرت تھی۔ انہی میں سے ایک الپتگین تھا جسے اسمٰعیل کے بھتیجے عبدالملک بن نوح نے خراسان کی سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کیا تھا پھر جب عبدالملک بن نوح حکمراں بنا تو اس نے الپتگین کو بلخ کا گورنر بنا دیا۔ وہ عبدالملک کی زندگی تک اس علاقے پر فائز رہا لیکن جب عبدالملک کے مرنے کے بعد تخت نشینی کا جھگڑا ہوا تبھی وزیر سلطنت عبدالملک کے بھائی اور منصور کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا اور الپتگین چاہتا تھا کہ عبدالملک کا کمسن بچہ تخت و تاج کا مالک بنے۔ جب یہ کشمکش حد سے گزرنے لگی تو الپتگین اسے وہیں چھوڑ کے غزنی چلا گیا۔

الپتگین نے وہاں 251ھ (962ء) میں غزنوی سلسلے کی ایک آزاد حکومت کی بنیاد رکھی اور اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا لیکن قدرت الٰہی نے اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی حکومت کی حدود کو وسیع کرتا، وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد 252ھ 963ء میں انتقال کر گیا۔

الپتگین کے مرنے پر اس کا بیٹا اسی وقت تخت نشین ہوا مگر وہ سخت نا اہل ثابت ہوا۔ قریب تھا کہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے کہ سلطان محمود غزنوی کے والد سبکتگین نے کمال شجاعت سے آگے بڑھ کر غزنوی سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام لیا اور لوہے کی طرح مضبوط بنا دیا۔ اس لحاظ سے دولت غزنویہ کا اصل بانی سبکتگین کو کہا جاتا ہے۔

سبکتگین کے زمانہ میں ہندو شاہی سلطنت سے وادی لمغان میں دو لڑائیاں ہوئیں۔ جے پال نے 942ء میں حملہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ سبکتگین نے ایک زرکثیر کے وعدے پر اسے رہا کر دیا۔ جے پال نے وعدہ پورا نہ کیا بلکہ اس نے شمالی ہندوستان کے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر کابل پر حملہ کر دیا۔ جے پال کو پھر شکست ہوئی۔ لمغان سے پشاور تک کا علاقہ امارت غزنی میں شامل کر لیا گیا۔ اس علاقے کے افغان اور خلجی قبائل مشرف بہ اسلام ہو کر سبکتگین کی فوج میں داخل ہوئے۔

سبکتگین خودمختار امیر تھا لیکن اس نے امیران سامانہ سے اپنا رشتہ استوار رکھا اور ان کی فوجی اعانت بھی کی۔ امیر نوح کے دربار میں اس کا اتنا اثر اور اقتدار تھا کہ اس کے کہنے پر امیر کو اپنا وزیر بدلنا پڑا۔ سبکتگین بڑا کامیاب حکمران تھا۔ اس کے عہد میں غزنی کو

Marfat.com

بڑی استقامت اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ 997ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سبکتگین کا سب سے بڑا بیٹا ابوالقاسم محمود تھا۔ وہ 971ء میں پیدا ہوا۔ ابھی اس کی عمر مشکل سے سات سال تھی کہ سبکتگین نے پایہ تخت کی نگرانی اس کے سپرد کر دی۔ محمود بڑا ہوا تو اس نے اپنے باپ کی فوجی مہمات میں حصہ لینا شروع کیا۔ سبکتگین کی آخری عمر میں تمام تر فوجی مہمات محمود نے ہی سر کیں۔ اس زمانہ ہی میں محمود کی دور اندیشی اور اصابت رائے کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وادی لمغان کی پہلی لڑائی میں وہ جے پال کی رہائی کے خلاف تھا۔ جے پال کی رہائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبکتگین کو اس سے دوبارہ جنگ کرنا پڑی۔ لیکن جب سبکتگین کا آخری وقت قریب پہنچا تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔

اسمٰعیل نے گدی سنبھال تو لی لیکن دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ بات یہاں ختم نہ ہو گی۔ محمود نے گفت و شنید کے ذریعہ معاملہ طے کرنا چاہا اور اسمٰعیل کو بلخ اور خراساں کی پیشکش کی لیکن جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ تو پھر غزنی کے میدان میں دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی۔ اگرچہ دونوں کی فوجوں کی طاقت برابر تھی لیکن محمود کی سپاہ گری اور عسکری ذہانت کی بدولت اس کا پلہ بھاری رہا اور میدان اس نے جیت لیا۔ محمود تخت نشیں ہوا یہ 998ء کا سال تھا۔ اسمٰعیل کو نظر بند کر دیا گیا لیکن اس پر محمود کی طرف سے کوئی سختی نہیں کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد محمود کے خلاف ایک سازش ہوئی اور محمود نے اسمٰعیل کو احتیاط کے طور پر جرجان میں قید کر دیا۔

سامانیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن ضابطہ کے مطابق غزنی کی امارت سامانیوں کی باجگذار تھی۔ محمود کے تخت نشیں ہونے کے ایک ہی سال کے اندر کاشغر کے امیر ایلک خاں نے سامانیوں کا خاتمہ کر دیا 999ء محمود نے ایلک خاں کو اس کامیابی پر مبارک باد دی اور طاقت زیادہ استوار کرنے کے لیے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔

اس طرح سامانیوں کی خالی چودھراہٹ پر اب محمود نے قبضہ کر لیا اور اس طرح وہ وسطی ایشیا کا سب سے سربرآوردہ تاجدار تھا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ نے بھی محمود کی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور اسے امین الملت اور یمین الدولہ کے خطابات دیئے گئے۔ عتبی کا بیان

Marfat.com

ہے کہ محمود نے شکریہ کے طور پر یہ عہد کیا کہ۔

''وہ ہر سال ہندوستان پر فوج کشی کیا کرے گا۔''

محمود کے یمین الدولہ کے خطاب کی نسبت سے اس کا خاندان ''یمنی'' کہلایا۔

سلطان محمود نے ہندوستان پر سترہ (17) حملے کئے۔ ان حملوں کا مختصر حال پچھلے صفحات میں درج کیا جا چکا ہے۔ مگر اب ہم ان حملوں کو دوبارہ بیان کر رہے ہیں یہ بیان تاریخ سلطنت دہلی کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ پہلے بیان اور اس بیان میں کافی فرق ہے اس لئے قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لیے اسے درج کیا جا رہا ہے۔

یہاں اس بات کا بھی خیال رہے کہ سلطان محمود کے بعض حملوں کی تاریخ دوسنوں پر حاوی ہے۔ مثلاً دوسری مہم کی تاریخ 02-1001ء ہے یا وہ ہند کی دوسری لڑائی کی تاریخ 09-1008ء ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمود کی ہر مہم میں دو دو سال لگے۔ اصل بات یہ تھی سلطان محمود اپنی فوج کی آسانی کے باعث ہندوستان پر جاڑوں میں لشکر کشی کرتا تھا۔ 09-1008 کے معنی یہ ہیں کہ اس نے 1008ء کے آخر میں مہم شروع کی اور 1009ء کے آغاز میں واپس چلا گیا۔

سلطان محمود کی پیدائش سے تھوڑی دیر پہلے اس کے باپ سبکتگین نے خواب دیکھا کہ اس کے محل کے آتش خانے سے ایک بہت گھنا اور نادر درخت پیدا ہوا۔ وہ درخت اس قدر لمبا اور چوڑا تھا کہ اس کے سائے میں دنیا کے تمام لوگ بیٹھ سکتے تھے۔ صبح کو جب سبکتگین بیدار ہوا تو اسے اس عجیب وغریب خواب کی بہت فکر دامن گیر ہوئی۔ اسی وقت اسے محمود کے پیدا ہونے کی اطلاع ملی۔ غرض اسے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی۔ اور اس نے پیدا ہونے والے بچے کا نام محمود رکھ دیا۔ محمود اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور بچپن ہی سے اپنے باپ کے ساتھ جنگی مہمات میں شریک ہوتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ محمود کو بچپن کے ان فوجی کارناموں میں حصہ لینے کی وجہ سے، اس میں بے خوفی، دلیری اور جنگی اسلحہ کے استعمال کا اچھی طرح تجربہ ہو گیا تھا۔ اور ان جنگوں سے محمود کی طبیعت کے خوب جوہر کھلے اور وہ لڑکپن میں ہی ایک نڈر سپاہی اور تجربہ کار مجاہد بن گیا۔

Marfat.com

محمود کی فہم و فراست اور شجاعت کا ثبوت اس معرکہ سے بخوبی مل جاتا ہے جو سبکتگین اور راجہ جے پال والی پنجاب کے درمیان برپا ہوا تھا۔ محمود نے اس معرکہ میں بطور شہزادے کے حصہ لیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جس زمانہ میں امیر سبکتگین وسطی ایشیا اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں فتوحات حاصل کر رہا تھا اس وقت پنجاب میں راجہ جے پال کی ایک طاقتور اور زبردست حکومت قائم تھی اور اس کی سرحدیں مشرق میں سرہند تک، شمال و مغرب میں پشاور اور غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں اور شمال میں کشمیر بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب میں اس کی حکومت ملتان تک قائم تھی۔ اس کا صدر مقام (دارالسلطنت) بٹھنڈہ تھا۔ غرض کہ جے پال کی حکومت نہایت وسیع اور مضبوط تھی۔

راجہ جے پال جو رشن پال کا بیٹا اور برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ امیر سبکتگین کی سلطنت غزنہ کی فتوحات کو بڑے غور سے دیکھتا اور خوف کھاتا تھا کہ کہیں غزنہ والے اس کی حکومت پر قبضہ نہ کر لیں حالانکہ امیر سبکتگین کا ہرگز ہرگز کوئی ایسا ارادہ نہ تھا کہ وہ پنجاب کا رخ کرے ۔ امیر سبکتگین ان دنوں افغانستان اور ملحقہ علاقوں کی مہم میں مصروف تھا۔

پھر پتہ نہیں راجہ جے پال کو کیا سوجھی یا پھر اس نے توسیع سلطنت کے ذوق میں امیر سبکتگین سے سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی جو کافی عرصہ تک جاری رہی اور انہی سرحدی تنازعوں کا سہارا لے کر راجہ جے پال کئی لاکھ پیدل سپاہ اور کئی ہزار ہاتھی لے کر غزنہ پر حملہ آور ہو گیا۔

سلطان محمود اس وقت نیشا پور میں سلطنت کے باغیوں سے نبرد آزما تھا۔ جے پال نے اس موقعہ کو اپنے لیے غنیمت سمجھا اور بجلی جیسی تیزی کے ساتھ لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمرود ہوتا ہوا سلطنت غزنویہ کی حدود میں داخل ہو گیا۔ ادھر امیر سبکتگین کو خبر ملی تو وہ فوراً ایک مختصر سی فوج لے کر "طمغان" کے میدان میں رزم آرائی کے لیے پہنچ گیا۔

اگرچہ امیر سبکتگین کا لشکر تعداد میں بہت کم تھا۔ اس کے برعکس مخالف فوج امیر کے لشکر سے پانچ گناہ زیادہ تھی تاہم امیر کے لشکریوں کے دل بے حد مضبوط اور حوصلے بے

Marfat.com

حد بلند تھے اور سب سے بڑھ کے یہ کہ انہیں اپنے زور بازو کے بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا اور یہی وہ صفت تھی جس سے امیر سبکتگین کی چند ہزار سپاہ جے پال کی فوج کے لاکھوں سواروں اور ہزاروں ہاتھیوں کے گروہ کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

لمغان کا علاقہ آندھیوں اور طوفانوں کا برف پوش علاقہ تھا۔ جے پال کی فوج ان دشواریوں میں چلنے کی عادی نہ تھی۔ لہٰذا ہاتھی، سپاہی اور گھوڑے اس برفانی اور پہاڑی علاقے کی سردی سے اکڑ اکڑ کر مرنے لگے اور جے پال کو اپنی طاقت اور فوج کی کثرت پر جو گھمنڈ اور غرور تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اور اس نے امیر سبکتگین کے مقابلہ میں بری طرح شکست کھائی۔ اب جے پال نے سبکتگین سے اس کی طاقت اور قوت کا اندازہ کر کے سوچا کہ اس کو شکست دینا ناممکن ہے تو اس نے نہایت عجز و انکسار اور لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ اس نے جو غزنی پر حملہ کر کے سخت غلطی کی ہے اس کے لئے وہ اب معافی چاہتا ہے اور آئندہ کے لیے وعدہ کرتا ہے کہ تمام عمر آپ کا فرمانبردار اور اطاعت گزار بن کر رہے گا۔ اس کے علاوہ جے پال نے یہ بھی کہا کہ معافی کے صلے میں وہ بے اندازہ سونا، چاندی، جواہرات اور دس لاکھ درہم نقد اور پچاس ہاتھی اور کئی ایک شہر اور سرحدی قلعے تاوان جنگ کے طور پر دینے کو تیار ہے اور یہ تمام چیزیں پنجاب پہنچتے ہی حضور (بادشاہ) کے قابل اعتماد افراد کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھجوا دے گا اور میرے چند امیر بطور یرغمال حضور کے پاس رہیں گے۔

جب امیر سبکتگین نے یہ تمام شرطیں جے پال کی زبانی سنیں تو ایک سچے بہادر کی طرح اسے معاف کر دیا۔ اور جے پال کے کہنے کے مطابق اپنے چند ساتھی اس کے ہمراہ کر دیئے۔

اس وقت اگرچہ سلطان محمود غزنوی بہت کمسن تھا مگر شجاعت اور بہادری کے ساتھ ساتھ فہم و فراست کا بھی پتلا تھا۔ وہ اس بات کے خلاف تھا کہ صرف معاف ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ امیر کے چند امراء بھی پنجاب جائیں۔ سلطان محمود نے کہا۔

"جے پال نہایت مکار اور عیار معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے چکر دیا ہو اس لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے امراء کو جے پال کے ہمراہ نہ بھیجا

Marfat.com

جائے۔"

لیکن امیر سبکتگین اس سے (راجہ جے پال سے) کہہ چکا تھا کہ میرے چند امیر تمہارے ساتھ جائیں گے اس لیے اس نے اپنے کہنے سے پھر جانا گوارا نہ کیا اور اس کے ہمراہ اپنے چند آدمی بھیجنے کا ارادہ ملتوی نہیں کیا۔

لیکن بد قماش راجہ جے پال نے پنجاب پہنچتے ہی آخر وہی کیا جس کا سلطان محمود کو پہلے ہی خطرہ تھا۔ پس راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کے امراء کو قید میں ڈال دیا اور نئے سرے سے پھر جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ہندوستان کے تمام راجاؤں کو مسلمانوں کے خطرے سے ڈرا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس نے انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ ہندو مذہب کو مسلمانوں سے سخت خطرہ ہے۔ اس طرح اس نے ان کے خزانوں کے منہ کھلوا دیئے۔ اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں نے روپے، پیسے، سازوسامان اور فوجی طاقت سے اس کی دل کھول کر مدد کی۔ مختصراً یہ کہ 376 ہجری مطابق 986 عیسوی میں جے پال تین لاکھ پیادے، سوار سپاہ اور سینکڑوں جنگی ہاتھیوں کو لے کر آندھی اور طوفان کی طرح غزنی کی طرف بڑھا اور سبکتگین کو اس کی جنگی تیاریوں کا اس وقت پتہ چلا جب وہ غزنی کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

پس امیر سبکتگین اطلاع پاتے ہی ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ فوج لے کر جے پال کے مقابلے کے لیے اسی وقت چل کھڑا ہوا۔ وہ بمشکل تمام دارالسلطنت سے کچھ ہی دور پہنچا تھا کہ جے پال اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے نمودار ہوا اور وہیں یعنی لمغان کے میدان میں ایک بار پھر جنگ شروع ہو گئی اور امیر سبکتگین نے اپنی تیغ خار اشگاف کے جب جوہر دکھائے تو جے پال کی فوج میدان میں نہ ٹھہر سکی اور اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی جے پال بھی میدان سے بھاگ نکلا۔ وہ بے شمار سامان جنگ اور دوسری اشیاء اپنے پیچھے میدان میں چھوڑ گیا۔ مثلاً بے شمار گھوڑے، ہتھیار، اناج، نقد روپیہ، ہاتھی، کپڑے، خود اور جوتے حتیٰ کہ ان تمام چیزوں کو سمیٹنے میں امیر سبکتگین کی جنگ کے گذشتہ اخراجات ہی پورے نہ ہوئے بلکہ آئندہ جنگوں کے لیے بے پناہ سازو سامان ہاتھ لگا۔

Marfat.com

سلطان محمود اب تئیس 23 سال کا ہو چکا تھا۔ امیر سبکتگین نے خراسان کا گورنر مقرر کر دیا اور پھر ایک سال کی مدت میں اس نے اپنے زور بازو فضل ربی کی تائید سے سیستان کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ صورتحال معلوم کر کے خلیفہ بغداد قادر باللہ عباسی نے اسے افغانستان، سیستان اور خراساں کی سند حکومت عطا کر دی اور یمین الدولہ اور امین السلطنت کے خطابات سے نواز دیا۔

اس دوران راجہ جے پال کی طرف سے شکست کا انتقام لینے کے لیے زور وشور سے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں کہ سلطان محمود کے پدر گرامی امیر سبکتگین نے 387ھ مطابق 997ء انتقال کیا۔ سبکتگین کو غزنی ہی میں دفن کیا گیا۔ اس نے 56 سال کی عمر پائی۔ آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ سبکتگین کے دو بیٹے تھے۔ چھوٹا بیٹا اسمٰعیل اور بڑا شہزادہ محمود تھا۔ چنانچہ باپ کے مرتے ہی محمود کے سامنے اسمٰعیل آ کھڑا ہوا۔ اس نے غزنی کی حکومت خود سنبھالنے کی کوشش کی۔ محمود نے بھائی سے مصالحت کی کوشش کی مگر اسمٰعیل نہ مانا۔ دونوں بھائیوں کے پاس برابر لشکر تھا لیکن سپہ گری اور جنگی صلاحیت کے اعتبار سے محمود بڑھا ہوا تھا۔ احباب اور سرداروں نے دونوں بھائیوں کو سمجھایا اور مصلحت کا ڈول ڈالا۔ آخر جنگ کی نوبت آئی۔ جنگی صلاحیت میں محمود بہت آگے تھا اس لیے اسمٰعیل نے میدان جنگ میں محمود سے شکست کھائی۔ محمود نے بھائی کا لحاظ کیا اور اسے صرف نظر بند کر دیا تاکہ وہ آئندہ امن و امان کی فضا برباد نہ کر سکے اور سکون اور اطمینان سے زندگی بسر کرے۔

جنگ میں کامیاب ہونے پر محمود تخت نشین ہوا۔ محمود میں بڑی صلاحیتیں تھیں۔ اس لیے ستائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہونے کے بعد 33 برس تک کامیابی سے حکومت کی۔ ابتداء میں اسے مخدوش حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ حالات ہی اس کے لیے ایک حوصلہ مند، جری، بہادر ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف کاشغر میں ایلخانی مسلمان خاندان کی حکومت تھی تو دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیوں کی بخارا میں حکومت تھی جو اگرچہ اسلامی علم و ادب کی سرپرستی کرنے میں بڑے مشہور تھے مگر اب اس میں کمی آ گئی تھی۔ تیسری طرف دیلمیوں اور طبرستان کے آل زیاد کی حکومت تھی اور

Marfat.com

چوتھی جانب غوریوں کی حکومت۔

الغرض محمود ہر طرف سے گھرا ہوا تھا اور ہر خاندان یہی چاہتا تھا کہ غزنی اسی کی حدود سلطنت میں شامل ہو جائے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے مخالف حکومتیں منہ پھیلائے بیٹھی تھیں اور دوسری سمت پنجاب کا جے پال اپنی سلطنت کی توسیع کے خواب دیکھ رہا تھا اس کا یہ خیال تھا کہ محمود ابھی کاروبار سلطنت میں نا تجربہ کار اور خام ہے اور یہ کہ وہ چاروں طرف سے حریص حکومتوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس لیے اس کی (جے پال) طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

پس 391ھ 1001ء میں جے پال فوجیں لے کر غزنی پر چڑھ دوڑا۔ اس بار جے پال کے ہمراہ بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیدل اور تین سو ہاتھی تھے۔ وہ دریائے سندھ پار کرتے ہوئے پشاور کی طرف بڑھا۔ ادھر محمود بھی بمشکل تمام صرف دس ہزار فوج لے کر پشاور کی طرف چل پڑا۔ پشاور کے قریب ایک میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا بالآخر جے پال کی فوجیں بری طرح پسپا ہوئیں جس میں جے پال کے پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور جے پال سمیت پندرہ بڑے بڑے سوار پکڑے گئے۔ اور باقی فوج ساری کی ساری جنگی سامان چھوڑ کر لاہور کی طرف بھاگ نکلی۔

سلطان محمود جنگی قیدیوں کو لے کر غزنی چلا گیا۔ جے پال نے جاں بخشی کی درخواست پیش کی اور نہایت عجز و انکسار سے وعدہ کیا کہ اگر اسے اس مرتبہ معاف کر دیا جائے اور میری آخری غلطی بھی نظر انداز کر دی جائے تو میں تمام عمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔ اور شکر گزاری کے طور پر خراج کی رقم باقاعدہ ادا کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ پنجاب کو غزنی کا صوبہ خیال کرتے ہوئے آپ کی طرف سے اپنے آپ کو صرف گورنر تصور کروں گا۔ چونکہ سلطان محمود ابھی جوان تھا، صاحب دل، بلند حوصلہ، عالی ظرف اور بہادر تھا۔ بالآخر اس نے جے پال کی باتوں پر اعتبار کر کے اسے چھوڑ دیا۔

رہائی پانے کے بعد جے پال نے غزنی پر پھر حملہ کرنے کی جرات نہ کی تاہم اپنے آپ کو زندہ چتا میں چھلانگ لگا کر ختم کر لیا۔ مرنے سے پہلے وہ اپنے بیٹے آنند پال کو وصیت کر چکا تھا کہ وہ سلطان محمود کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے اور خراج کی رقم سلطان

Marfat.com

کو با قاعدہ ادا کرتا رہے۔

اگرچہ آنند پال ظاہری طور پر سلطان کا اطاعت گزار بن گیا مگر در پردہ وہ سلطان کے خلاف سازشوں کا جال بننے اور اس کے راستے میں کانٹے بچھانے میں لگا رہا۔ چنانچہ اب آنند پال نے مسلمانوں کو براہ راست زک پہنچانے کے بجائے ہر ایسے گروہ، جماعت یا فرقے کی حمایت کر کے بالواسطہ سلطان کو نقصان پہنچانے کی مہم شروع کر دی جو مسلمانوں کے خلاف تھا۔ اس وقت مسلمانوں کے خلاف قرامطیوں کا زیادہ زور تھا ان کے خلاف سلطان محمود کو بارہا معرکہ آرائی کرنا پڑی۔

## فتنۂ قرامطہ

قرامطیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بظاہر تو مسلمان تھے لیکن باطن میں اس فرقہ کے بانی عبداللہ اور ضیمون کی وضع کردہ پالسی کے مطابق مسلمانوں کو جھوٹ موٹ کے مسلمانوں کی طرح بن کر دھوکہ دیتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ نیکی اور بدی کوئی چیز نہیں۔ اس کی نہ کوئی جزا ہے اور نہ سزا زندہ رہو۔ عیش کرو۔ حرام و حلال سب ڈھکو سلے ہیں۔ جو ہاتھ آئے سب کھاؤ پیئو اور مزے کرو۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ درحقیقت یہ فرقہ عیسائی مبلغوں کی ایک سازش تھا۔ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی تخریب کاری اور بربادی مقصود تھی۔ لہٰذا جب سلطان محمود معرکہ پنجاب سے فارغ ہو کر اپنے مکمل انتظام میں مصروف ہوا تو قرامطیوں نے تین سال کی مدت میں خوب قدم جما لئے اور اس کے بعد قرامطیوں نے سلطان محمود کے خلاف ہندوستان کے شمال و مغرب میں سازشوں کے جال پھیلانے شروع کر دیئے۔

قرامطیوں کے کارناموں کا مختصر حال یہ ہے کہ وہ اصل کے اعتبار سے ایک ایرانی فرقہ ہے جے پال کے زمانہ میں وارد ہند ہوا اور آنند پال کے زمانے میں تقویت پائی۔ قرامطیوں نے 290 ہجری میں شام کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا حتیٰ کہ 311 ہجری میں کوفہ اور بصرہ کو خوب لوٹا اور ایک بدقماش آدمی ''ابوطاہر'' کو خلیفہ بنا کر مکہ کے شہر پر قبضہ کر لیا اور خانہ کعبہ کے مشہور تاریخی پتھر حجرا سود اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ جو

Marfat.com

پورے بیس برس تک ان کے پاس بصرہ میں پڑا رہا۔ آخر کار ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اور اُن کا بیشتر حصہ ہلاکو خاں اور منگو خاں کی تلواروں کی نذر ہو گیا۔

اس داروگیر میں کچھ لوگ جان بچانے میں کامیاب ہو گئے اور ایران سے بھاگ کر سندھ اور بلوچستان میں آباد ہو گئے اور یہیں انہوں نے اپنے فرقہ کی تحریک دوبارہ جاری کی۔ جے پال اور ریاست بھاٹنہ سے مل کر منصورہ اور ملتان وغیرہ ریاستوں کو ختم کیا۔ اس کے بعد قرامطیوں نے سلطان محمود کو نشانہ بنایا اور آنند پال سے مل کر سازشیں کرنا شروع کیں۔

سلطان محمود ہر چند کہ اپنی ملکی مہمات میں مصروف تھا تاہم اسے بیرونی دنیا کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ آنند پال نے قرامطیوں سے گٹھ جوڑ کر کے پھر طبل جنگ بجانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ قرامطیوں نے اپنے مرکزی مقام بحرین سے ایک جماعت جہازوں میں بٹھا کر دیبل اور ٹھٹہ روانہ کی۔ نیز سندھ کے راجاؤں سے بھی امداد حاصل کرنے کے لیے معاہدے کر لئے اور ریاست بھاٹنہ کا راجہ اور ملتان کا حاکم داؤد بن نصر قرامطی جس کا دادا حمید خاں لودھی قرامطی تھا اور جس نے کسی زمانہ میں ملتان کو تباہ و برباد کیا تھا وہ اس سلسلے میں پیش پیش ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے قرامطیوں اور ان کے بہی خواہ آنند پال کو کچل ڈالنے کا ایک بار پھر تہیہ کر لیا۔

آنند پال نے اگرچہ قرامطیوں کو اپنے یہاں داخل نہ ہونے دیا تاہم ان کی مدد ضرور کی۔ قرامطیوں کا اصل مرکز چونکہ بھاٹنہ اور ملتان تھا اس لیے سلطان محمود نے بھاٹنہ کے راجہ کو لکھا کہ تم جب ہمارے باج گزار ہو پھر تم ہمارے دشمن قرامطہ سے کیوں میل ملاپ رکھتے ہو اور کیوں انہیں اپنے ہاں پناہ دیتے ہو۔ لیکن راجہ نے سلطان کو اس کا نہایت درشت جواب دیا اور قرامطہ کی حمایت کی۔ جس پر سلطان کے لیے لازم ہو گیا کہ وہ بھاٹنہ کے راجہ بجے رائے کا مزاج درست کرے

چنانچہ 395ھ 1004ء میں راجہ بھاٹنہ (بھیرہ) اور سلطان محمود کے درمیان پھر معرکہ آرائی ہوئی جس میں راجہ شکست فاش سے دوچار ہوا۔ وہ میدان سے بھاگ نکلا مگر پھر ذلت کے خوف سے خود ہی اپنے سینے میں خنجر اتار کر واصل جہنم ہو گیا۔ سلطان

Marfat.com

اس معرکہ سے فارغ ہو کر پھر بھاتنہ (بھیرہ) اور اس کے مضافات کو غزنہ کی سلطنت میں شامل کر کے ملتان کی طرف بڑھا اور چاہا کہ داؤد بن نصر حاکم ملتان کو راجہ بھاتنہ کی ناکام مدد کرنے کے جرم کی سزا دے۔ آنند پال فوجیں لے کر اس کی مدد کو آ گیا لیکن جب معرکہ آرائی ہوئی تو وہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور داؤد بن نصر قرامطی نے اطاعت کا اقرار کر کے معافی مانگ لی اور تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

اس معرکہ سے جب فراغت ہوئی تو آنند پال کے بیٹے سکھ پال جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اسے بھیرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ اک دم دین اسلام سے پھر گیا (مرتد ہو گیا) چنانچہ اس کی سرکوبی کے لیے سلطان کو 398ھ 1007ء میں پھر پنجاب آنا پڑا۔ سلطان نے سکھ پال کو گرفتار کیا اور اسے حبس دوام کی سزا دی۔

آنند پال کا خُبثِ باطن ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا اس لئے سلطان اسے اپنا باج گزار سمجھتے ہوئے اس کی طرف سے مطمئن رہا لیکن اب حاکم ملتان کی مدد کے لیے سلطان کے خلاف کھلم کھلا فوجیں لانے سے واضح ہو گیا نیز ایک طرح سے آنند پال کے اس اقدام نے دعوت جنگ دے دی۔ آخر کار 399ھ بمطابق 1008ء میں سلطان محمود اور آنند پال کی فوجوں کے درمیان اٹک کے قریب حضرو کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں سلطان کے بہت سے آدمی مارے گئے لیکن جب سلطان نے آنند پال کے تیس ہزار کھوکھر (راجپوت) سپاہیوں پر ایک نئے انداز سے بجلی کی طرح لپک کر حملہ کیا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہزاروں سپاہی قتل ہوئے اور جو کسی طرح بچ رہے وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انہی میں سے ایک آنند پال کا ہاتھی بھی تھا جو اپنے ہی سپاہیوں کو روندتا ہوا آنند پال کو کسی طرح بھگا لے گیا۔

سلطان محمود غزنوی نے فتح پانے کے بعد آنند پال کے بیٹے بھیمن پال کو لاہور (پنجاب) کی حکومت پر بحال کیا صرف اتنا کیا کہ اسے اپنا باجگذار بنا لیا اور غزنی واپس ہو گیا۔ اس جنگ میں سلطان کو دو سو ہاتھی اور دوسری گرانقدر اشیاء حاصل ہوئیں اور بھاتنہ (بھیرہ) اپنے تمام مضافات کے ساتھ اسلامی مملکت میں داخل کیا گیا۔

Marfat.com

پھر سلطان نے 322ھ میں ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ ملتان کا مرحوم حاکم شیخ حمید لودھی امیر سبکتگین مرحوم کے بہی خواہوں میں سے تھا اور ہر طرح سے امیر مرحوم کی اطاعت اور فرمانبرداری بجا لاتا تھا۔ شیخ حمید کے بعد اس کا بے دین پوتا ابو الفتح ملتان کا حاکم مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ تک تو ابو الفتح نے اپنے اسلاف کی پیروی کی اور محمود کے حلقہ بگوشوں میں شامل رہا لیکن بعد ازاں مذہب کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا اور جب سلطان محمود نے بھاتنہ کا محاصرہ کیا تو ابو الفتح نے اپنی نمک حرامی کا ثبوت دینا شروع کیا اس سے بہت سی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوئیں جن کے پیش نظر سلطان محمود نے اسے جلد از جلد تنبیہ کرنا مناسب خیال کیا۔

اس سال تو محمود نے ابو الفتح سے کچھ نہ کہا البتہ دوسرے سال اس نے یہ پکا ارادہ کر لیا کہ اس بدکردار انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے۔ زین الاخبار کی روایت کے مطابق سلطان محمود نے غیر معمولی راستے سے سفر کیا اور فوراً ابو الفتح پر حملہ کر دیا۔ اس وقت راجہ آنند پال راستے کا روڑہ بن کر سلطان محمود کی کامیابی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا لیکن اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔

ایک مورخ کا یہ بیان ہے کہ جب ابو الفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے گھبرا کر راجہ آنند پال کو محمود کے ارادے سے باخبر کر دیا اور مدد کی بھی درخواست کی۔ آنند پال نے اس دفعہ بھی جاہلانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے لاہور سے پشاور پہنچ کر اپنے لشکر کو اسلامی فوج کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ آنند پال کی اس حرکت سے سلطان بہت غضب ناک ہوا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اس ناعاقبت اندیش کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

سلطان کے لشکر کے بہادروں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑی بہادری سے آنند پال کے مقابل ہوئے اور اس قدر سرفروشی اور ہمت سے لڑے کہ دشمن کی فوج بدحواس اور منتشر ہو گئی۔ آنند پال نے اپنے لشکر کا یہ حال دیکھا تو جان بچا کر فرار کی راہ اختیار کی۔ سلطان نے فوراً ایک دستہ فوج اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جب یہ لشکر اس کا پیچھا کرتا ہوا دریائے چناب کے کنارے سودرہ کے مضافات میں پہنچا تو آنند پال کی

Marfat.com

ہمت نے جواب دیدیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور وہ گھبرا کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔

سلطان نے بھی اب اس کا زیادہ تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور ملتان کی طرف واپس ہوا۔ اب ابوالفتح کو بھی ہوش آ گیا کہ جب ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ آنند پال مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے تو وہ کیوں اس سے سر مارے اور کیوں نہ خاموش ہو کر ایک طرف بیٹھ رہے چنانچہ اس نے اپنے اس خیال کے پیش نظر اپنی تگ و دو ختم کر کے سلطان محمود کی خدمت میں اپنا معافی نامہ بھجوا دیا۔ اس نے اس معافی نامہ میں اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کیا کرے گا۔

سلطان نے ابوالفتح کے معافی نامہ کو قبول کر لیا اور محاصرے کے آٹھ دن بعد مندرجہ بالا شرط پر صلح کر کے واپسی کا ارادہ کیا سلطان ابھی سوار نہ ہو پایا تھا کہ حاکم ہرات ''ارسلان جاذب'' کے تیز رفتار قاصد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں ایلک خاں کے حملے اور اس کی غارت گری کی خبر سنائی۔ سلطان نے یہ خبر سنتے ہی یہاں کا اہم کام سکھ پال کے سپرد کیا اور خود غزنی روانہ ہو گیا۔

سکھ پال حقیقت میں ایک راجہ کا بیٹا تھا جو پشاور میں ابوعلی ہجویری کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ اب عام طور سے بادشاہ کے نام سے مشہور تھا۔

## ایلک خاں پر حملہ

ایلک خاں کے حملے کی روداد اس طرح بیان کی گئی ہے۔

ایلک خاں اور سلطان محمود کے درمیان ایک عرصہ دراز سے خلوص اور محبت کا رشتہ قائم تھا۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان محمود نے ایلک خاں کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس رشتے سے دونوں کے تعلقات اور زیادہ مضبوط ہو گئے تھے لیکن ان پر خلوص تعلقات کو بد خواہوں اور چغل خوروں نے دشمنی میں بدل دیا تھا اور یہ دونوں اچھے دوست ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔

Marfat.com

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب سلطان محمود ملتان کی طرف روانہ ہوا تو ایلک خاں کو لالچ سوار ہوئی اور اس نے خراساں کو فتح کرنے کا ارادہ کرلیا۔ دوسری طرف جب ہرات کے حاکم ارسلان جاذب نے یہ خبر سنی تو وہ فوراً غزنی کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں پہنچ کے دارالسلطنت کی حفاظت کرے۔ سلطان محمود کی دارالسلطنت غزنی سے طویل غیر حاضری کی وجہ سے بعض امرا شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے سلطان کی اطاعت چھوڑ کے اپنا رشتہ ایلک خاں سے جوڑ لیا۔

پس سلطان محمود نے غزنی پہنچ کے ایک زبردست فوج تیار کی اور بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ جعفر تکین سلطان محمود کی واپسی کی خبر پا کر بھاگ نکلا اور ترمذ میں جا کر دم لیا۔ ایلک خاں نے چین کے بادشاہ قدر خاں سے مدد کی درخواست کی۔ قدر خاں، پانچ ہزار سوار لے کر ایلک خاں کی مدد کو آیا۔ اس کی مدد سے ایلک خاں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ ایلک خاں کے ساتھ دریائے جیحوں کے پار اترا اور بلخ سے چار میل کے فاصلے پر سلطان محمود کے مقابلے کے لیے مقیم ہوا۔

سلطان محمود نے اپنا لشکر اس طرح ترتیب دیا کہ اس نے قلب پر اپنے بھائی نصیر الدین حاکم جرجان، میمنہ پر التونتاش، میسرہ پر ارسلان اور دوسرے افغان سرداروں کو مقرر کیا۔ دونوں لشکر بڑے پرجوش اور جنگ کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ گرد وغبار کی وجہ سے میدان تیرہ وتار ہو رہا تھا۔ لڑائی کا بازار بڑی شدت سے گرم ہوا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ تلواریں اور نیزے چل رہے تھے اور لوگ زخمی ہو کر گر رہے تھے دم کے دم پورے میدان جنگ میں ہر طرف خون ہی خون بہنے لگا۔

ایلک خاں اپنے مخصوص غلاموں کا دستہ لے کر آگے بڑھا اور مردانگی کے جوہر دکھانے لگا۔ سلطان محمود نے ترکوں کے حملے کی شدت دیکھی تو گھوڑے سے نیچے اترا اور سر سجدے میں رکھ کر کامیابی کی دعا کی۔ اس نے صدقات کی منتیں مانیں پھر ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہو کے دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ اس وقت سلطان محمود پر خدا کی رحمت کا سایہ تھا اس لیے اس کے ہاتھی نے پہلے ہی وار میں ایلک خاں کے علمبردار کو سونڈ میں لپیٹ کر اس کے لشکر پر اچھال دیا۔ اس کے بعد ترک فوج کی طرف بڑھا اور ان

Marfat.com

گنت ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب غزنوی لشکر نے اپنے بادشاہ کو اس سرفروشی سے دشمن پر حملہ کرتے دیکھا تمام کی تمام فوج حریف پر حملہ آور ہوگئی۔ ترکوں کی فوج میں ایسی بدحواسی اور پریشانی پھیلی کہ وہ اپنے سرداروں کو چھوڑ بھاگے۔ ایلک خاں اور قدر خاں نے بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچائیں۔ وہ سر پر پیر رکھ کر اس طرح بھاگے کہ دریائے جیحوں پار کر کے اپنے ملک میں پہنچ کے دم لیا۔

## ہائے سردی وائے سردی

یہ سردی کا زمانہ تھا اور اس علاقے میں برف باری ہوتی تھی۔ چنانچہ تیسری رات جنگل میں شدید برف باری ہوئی۔ سلطان محمود کے لیے ایک خیمہ لگایا گیا۔ اس میں انگیٹھیاں جلائی گئیں۔ انگیٹھیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ سردی کا تو خاتمہ ہوگیا اور لوگ سردیوں کے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے۔

سلطان نے ایک غلام سے کہا۔

''باہر جا کر سردی سے کہو کہ تم کیوں اس قدر جان توڑ کوشش کر رہی ہو۔ ہمارا تو گرمی کے مارے یہ حال ہے کہ گرمی کے مارے تن پر سے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔''

غلام باہر گیا پھر ذرا دیر بعد واپس آ کر عرض کیا۔

''حضور سردی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر بادشاہ اور اُن کے خاص ندیموں پر میرا زور نہیں چلتا تو کیا ہوا۔ مگر میں سائیسوں اور دوسرے درجے کے ملازمین کو آج رات اس قدر تنگ کروں گی کہ کل صبح بادشاہ اور اس کے ندیم اپنے گھوڑوں کی تیمار داری خود اپنے ہاتھ سے کریں گے۔''

بادشاہ غلام کے اس جواب سے خود اا جواب ہو گیا اور اس نے فوراً واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔

## اب سارا کا مرتد ہونا

اسی رات کو خبر پہنچی کہ اب سارا نے مرتد ہو کر اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا اور موقعہ پا کر اس نے بادشاہ کے کارندوں کو شہر سے باہر نکال دیا ہے۔ اس خبر کو سن کر محمود نے فوراً

Marfat.com

ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا اور صبح ہوتے ہی ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سلطان نے اب سارا کو گرفتار کر کے اس پر چار لاکھ درہم جرمانہ کیا اور قید کر دیا۔ اسی عالم میں وہ مر گیا۔

## سلطان اور آنند پال

محمود غزنوی نے 399ھ ایک لشکر جرار کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا۔ سلطان کے مقابلہ کے لیے آنند پال نے گوالیار اجین، کالنجر، قنوج اور دہلی کے لشکروں کو بلوالیا۔ پشاور کے جنگل میں سلطان اور آنند پال کے لشکروں کے درمیان میدان گرم ہوا۔ مخالف لشکر بہت زیادہ تھا مگر سلطان نے پرذوانہ کی اور لشکر کے چاروں طرف خندق کھدوادی۔ دشمن لشکر میں تیس ہزار وحشی گکھڑ سپاہی تھے انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا مگر اسی دوران آنند پال میدان چھوڑ بھاگا۔ مسلمان نے فراریوں کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بے شمار قیمتی سامان اور تیس ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

## نگرکوٹ کا معرکہ

اب سلطان محمود نگرکوٹ کے ہندوؤں سے معرکہ آرائی کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور وہاں بتوں کا گڑھ تھا۔ سونے چاندی، ہیرے جواہرات کا یہاں ٹھکانہ تھا۔ اس قلعہ کی فتح سے سلطان کو سات لاکھ اشرفیاں سات سو من سونے چاندی کے اوزار، دو سو من خالص سونا دو ہزار من چاندی، بیس من ہیرے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانہ سے یہاں جمع تھے۔ وہ سب محمود غزنوی کے ہاتھ آئے۔ 400 ہجری میں سلطان غزنوی واپس آیا اور 401ھ میں اس نے غور پر حملہ کر دیا۔ غوری وہ مقام ہے جہاں کے باشندے اہل بیت رسالت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے۔

نگرکوٹ پر حملے کی جو تفصیل ایک اور کتاب یعنی تاریخ فرشتہ نے درج کی ہیں وہ

Marfat.com

دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم اپنے قارئین کے لیے اسے یہاں درج کر رہے ہیں۔

آنند پال کو شکست دینے کے بعد سلطان محمود کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اور اس نے اسلام کی اشاعت اور سر بلندی کا پکا ارادہ کرلیا اور نگر کوٹ کے ہندوؤں سے معرکہ آرائی کرنے اور وہاں کے مندر کو مسمار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

اس زمانہ میں نگر کوٹ کا قلعہ ''قلعہ بھیم'' کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان محمود غزنوی منزل بہ منزل راستہ طے کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور اس قلعہ کے محاصرے کا حکم دیا۔ یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک یہ قلعہ ''بتوں کا گڑھ'' تھا گرد و پیش بلکہ دور دور کے راجے مہاراجے وہاں اعلیٰ درجے کی اشیاء بطورِ نذرانہ وہاں بھیجتے تھے اور اپنے اس فعل کو تقریب خداوندی کا ایک بڑا وسیلہ تصور کرتے تھے۔ چونکہ اس قلعہ میں ہر چہار طرف سے دولت آ آ کے جمع ہوتی تھی اس لئے یہاں سونے چاندی، جواہرات اور موتیوں وغیرہ کا ایک بڑا ذخیرہ ہو گیا تھا۔ یہ اس قدر عظیم ذخیرہ تھا جو کسی بادشاہ کے خزانے میں بھی نہ تھا۔

مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ یہ قلعہ سپاہیوں سے خالی تھا۔ یہاں کے مکین زیادہ تر برہمن اور مندر کے پجاری تھے اس لیے سلطان محمود کے عظیم الشان لشکر کا رعب داب ان لوگوں پر اس قدر ہوا کہ وہ سخت ہراساں ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرے کے تیسرے روز ان لوگوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان مانگی۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور ان کی جاں بخشی کی اور وہ خود اپنے خاص ندیموں کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوا۔ (اس قلعہ سے سلطان نے بہت سی دولت اپنے قبضے میں کی تھی) سات لاکھ اشرفیاں، سات سو من سونا اور چاندی، دو سو من خالص سونا، دو ہزار من چاندی اور بیس من انواع و اقسام کے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانہ سے اس مندر میں جمع ہو رہے تھے۔ محمود کی ملکیت بن گئے اور وہ اس دولت فراواں کو اپنے ساتھ لے کر غزنی کی طرف لوٹا۔

400 ہجری میں محمود غزنی پہنچا۔ وہاں اس نے شہر سے باہر ایک مکان بنوایا اور چند

Marfat.com

سونے چاندی کے تخت اس مکان میں بچھوائے اور جو مال و اسباب وہ نگر کوٹ سے لایا تھا اس کو وہاں قرینے سے سجوا دیا۔ تمام رعایا کیا شہری اور کیا دیہاتی سبھی اس نمائش کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ یہ نمائش تین دن جاری رہی۔ سلطان نے بے شمار جشن کئے اور نیکوں اور مستحقوں کو اعزاز و اکرام اور عطیوں وغیرہ سے مالا مال کیا۔

## غور پر لشکر کشی

سلطان محمود نے 410 ھ میں غور پر حملہ کیا۔ محمد بن ثوری حاکم غور دس ہزار سوار لے کر مقابلے کے لئے نکلا۔ دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ سورج نکلنے سے پہلے سے دوپہر تک یہ معرکہ بڑی شدت سے جاری رہا۔ غوری نے اس معرکہ میں ہمت اور مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے۔ جب سلطان محمود نے غوریوں کی جانبازی کا یہ عالم دیکھا تو فوراً اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ حریف کو دھوکہ دے کر گرفتار کیا جائے۔
پس اس حکم پر یوں عمل کیا گیا کہ سلطان محمود کی فوج دشمن کے مقابلے سے بھاگ نکلی۔ غوریوں نے یہ سمجھا کہ سلطان کی فوج مقابلے کی تاب نہ لا سکی۔ اس لیے راہ فرار اختیار کر رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس فراری فوج کا پیچھا کیا اور اس سلسلے میں خود اپنی کھودی ہوئی خندق کو بھی پار کر گئے۔ جب غوریوں کا لشکر کھلے میدان میں آیا تو محمود نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر دی اور یوں غوریوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ ان کے لشکر کا بیشتر حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سلطان محمود کے فوجی محمد بن غوری کو گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے لائے۔ غوری اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے ایک زہر آلود نگینہ چوس کر محمود کی مجلس ہی میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

غوری کی وفات کے بعد اس کا ملک سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا تاریخ یمنی میں مذکور ہے کہ اس لڑائی سے پہلے اہل غور مسلمان نہ تھے بلکہ اس واقعہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن صاحب طبقات ناصری اور فخرالدین مبارک شاہ وغیرہ مورخین نے جنہوں نے غور کے سلطانوں کی تاریخیں لکھی ہیں اس امر پر متفق ہیں کہ

Marfat.com

اہل غور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مسلمان ہو چکے تھے۔ اور بنو اُمیہ کے زمانہ میں جب تمام اسلامی ملکوں میں خاندان حضرت علیؓ سے تبرا ظاہر کیا جاتا تھا تو غور وہ قابل فخر مقام تھا جہاں کے باشندے اہل بیت رسالتؐ کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے۔

## ملتان پر حملہ

سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر وغضب سے ملتان کو فتح کیا۔ بہت سے قرامطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اکثر کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ داؤد بن نصر کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اور اسے وہاں ''غور'' کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ داؤد نے اسی قلعہ میں وفات پائی۔

## تھانیسر پر حملہ

402ھ میں سلطان محمود کے دل میں ایک بار پھر جہاد کی لہر اٹھی اور اس نے تھانیسر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا محمود نے یہ سن رکھا تھا کہ تھانیسر کی حیثیت ہندوؤں کے نزدیک ایسی ہے جیسی مسلمانوں کے لیے ''کعبہ'' کی (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ) تھانیسر میں ایک پرانا مندر ہے جس میں بڑے بڑے بت رکھے ہوئے ہیں اور سب سے بڑے بت کا نام ''جگ سوم'' تھا جس کے متعلق ہندوؤں کا ایمان تھا کہ اس بت کا وجود اس وقت ظہور میں آیا تھا جس وقت دنیا میں انسان پیدا ہوا تھا۔ تھانیسر پر حملہ کرنے کے خیال سے محمود پنجاب پہنچا تو اس نے محض اس صلح نامے کے خیال سے جو راجہ آنند پال اور سلطان محمود کے درمیان ہوا تھا۔ ایک قاصد آنند پال کے پاس بھیجا اور اس کو مطلع کیا کہ اس بار میرا ارادہ (تھانیسر) پر حملہ کرنے کا ہے۔ چونکہ پنجاب سے تھانیسر کے راستے کی تمام مشکلات کو دور کرنا ہے اور راستہ صاف کرنا ہے اس لیے تم اپنے کچھ قابل اعتبار آدمی ہمارے ساتھ کر دو تاکہ جو قصبہ تمہارا ہو وہ میری فوج کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

Marfat.com

اس حکم کی تعمیل آنند پال کے لیے ایک فرض بن گیا۔ پس اس نے فوراً خاطر تواضع کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنند پال نے تاجروں اور بنیوں کو حکم دیا کہ وہ ضروریات زندگی کی مثلاً غلہ اور روغن وغیرہ سلطانی لشکر میں پہنچانے کا انتظام کریں تاکہ لشکر کو کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہو۔

اس کے علاوہ آنند پال نے اپنے بھائی کو دو ہزار سواروں کے ساتھ سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا اور اسے ایک خط بھی دیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

''میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر طرح سے حاضر ہوں۔ اور آپ کا سچا فرمانبردار ہوں لیکن مجھے اس نیاز اور محبت کی بنا پر جو مجھے آپ کی ذات با برکات سے ہے اس قدر عرض کرنے کی اجازت اور جرأت عطا کی جائے کہ تھانیسر کا مندر شہر والون کی ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے۔ اگرچہ آپ کے مذہب کی رو سے بت شکنی ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ہے لیکن نگر کوٹ کے قلعہ کی بت شکنی کر کے آپ اس مقصد کو حاصل کر چکے ہیں۔ تھانیسر کے مندر کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ اس کو تاخت و تاراج نہ کریں اور اس کے عوض آپ جو مناسب خیال فرمائیں طلب کر لیں۔ یہاں کی رعایا کو اپنا باجگذار بنا کر اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں تو یہ بندہ حقیر بھی اپنی اس درخواست کی قبولیت کے شکریے کے طور پر ہر سال پچاس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت اشیاء ارسال خدمت کیا کرے گا۔''

سلطان محمود نے اس خط کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

''ہم مسلمانوں کا اس امر پر اعتقاد ہے کہ ہم اس دنیا میں جس قدر مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کریں گے اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کریں گے اگلے جہاں میں ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جب دنیا سے بت پرستی کے رواج کو ختم کر دینا ہی ہمارا مقصد ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ تھانیسر جیسے بت پرستی کے مرکز کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کے فتح

Marfat.com

کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔"

جب یہ بات راجہ دہلی کے کانوں تک پہنچی تو اس نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے تمام تیاریاں شروع کر دیں اس نے ہندوستان کے کونے کونے میں یہ خبر بھجوا دی۔

سلطان محمود ایک لشکر جرار کے ساتھ میری سلطنت کے مشہور مندر تھانیسر پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ اگر پہلے ہی سے ہم نے اس سیلاب مصیبت کو روکنے کی تدبیریں نہ کیں تو ہر چھوٹا بڑا اس سیلاب کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائے گا۔ میرے نزدیک اس وقت یہی مناسب ہے کہ ہم سب مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کریں۔

اس سے قبل کہ تمام ہندو آپس میں مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کرتے، سلطان محمود خود تھانیسر پہنچ گیا۔ شہر کو خالی پا کر مسلمانوں نے غارت گری کا بازار گرم کیا۔ محمود نے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ سب سے بڑے بت "جگ سوم" کو غزنی بھجوا دیا اور یہ حکم دیا کہ اس بت کو بیچ راستے میں ڈال دیا جائے تاکہ چلنے والوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو کر رہ جائے۔ مورخ "قندھاری" کے مطابق تھانیسر کے مندر سے سرخ یاقوت کا ایک ٹکڑا محمود کے ہاتھ لگا جس کا وزن 450 من کا تھا۔

مورخین کہتے ہیں کہ اس طرح کے جواہر ریزے آج تک دیکھنے یا سننے میں نہیں آئے۔

## فتح دہلی کا ارادہ

تھانیسر کی فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی نے دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے امیروں اور وزیروں نے اسے یہ سمجھایا کہ دہلی کو اس وقت تک فتح نہیں کیا جا سکتا جب تک پورے پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جائے اور آنند پال کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ سلطان نے ان کے اس مشورے کو قبول کیا اور دہلی کی فتح کا ارادہ ترک کر کے واپس غزنی چلا آیا۔ وہ تقریباً دو لاکھ لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

Marfat.com

مورخین کا بیان ہے کہ اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ غزنی بھی ہندوستان کا ایک شہر سمجھا جانے لگا۔لشکر سلطانی کے ہر رکن کے پاس کئی کئی لونڈیاں اور غلام تھے۔

## ایک نصیحت آموز واقعہ

تاریخ بتاتی ہے کہ سپہ سالار التون تاش اور ارسلان جاذب نے 403 ہجری میں غربستان کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم ''شاہ سارا ابونصر'' کو قید کر کے غزنی لے آئے جس وقت غزنوی لشکر شاہ سارا ابونصر کو قید کر کے غزنی لا رہا تھا۔ اس وقت ایک غلام نے یہ ارادہ کیا کہ غزنی پہنچنے سے قبل اپنی بیوی کو حالات سے آگاہ کرے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس غلام نے شاہ ابونصر سے ایک خط لکھنے کی درخواست کی شاہ ابونصر نے اگرچہ خط لکھنے سے بہت انکار کیا لیکن غلام کے بےحد اصرار پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس نے قلم کاغذ سنبھال کر اس ضدی غلام کی طرف سے اُس کی بیوی کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔

> ''اے بدچلن طوائف اور نابکار عورت تو اپنے طور پر خیال کرتی ہے کہ تیرے برے اعمال اور تیری سیاہ کاریوں کی مجھے خبر نہیں اور اپنی نفسیاتی خواہشات کو پورا کرنے میں تو جس طرح میری دولت کو ضائع کر رہی ہے اس سے میں باخبر نہیں ہوں۔ مگر تو یہ یاد رکھ کہ میں اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہوں کہ تو شب و روز بادہ خواری اور بدکاری میں گزارتی ہے اور یوں میرے گھر کو تباہ و برباد کر کے میری عزت کو خاک میں ملا رہی ہے۔ اگر میں صحیح و سلامت اپنے وطن آیا تو پھر تجھے درست کروں گا اور تیری بداعمالیوں کی سزا دوں گا۔''

اس خط کو سربمہر کر کے شاہ سارا نے غلام کو دیدیا۔ جب یہ خط اس غلام کی بیوی تک پہنچا تو وہ خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر بڑی پریشان ہوئی،اور اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ دشمنوں نے جھوٹی سچی باتیں لگا کر اس کے شوہر کے کان بھرے ہیں۔ وہ بیچاری عورت اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اپنی چند لونڈیوں کے ساتھ اپنے گھر سے نکل کر کسی گوشے

Marfat.com

میں چھپ گئی تا کہ جب اس کا شوہر واپس آئے تو اس سے برا سلوک نہ کرے۔ جب وہ غلام شاہ سارا کو غزنی پہنچا کر اپنے وطن واپس آیا اور اپنے گھر پر پہنچا تو اس نے وہاں گھر کا دروازہ بند پایا۔ گھر بالکل خالی تھا۔ اس نے دروازہ کسی نہ کسی طرح کھولا اور دیکھا کہ وہاں تو آبادی کا نام نشان تک نہیں اور سارا گھر ویران ہے۔ نہ بیوی ہی کی کوئی خبر ہے اور نہ لونڈیوں غلاموں کا کوئی اتہ پتہ۔

یہ عالم دیکھ کر اس غلام نے آس پاس کے رہنے والوں سے اصل حقیقت جاننے کی کوشش کی اور پھر ہمسایوں نے غلام کو اس عجیب وغریب خط کی بات بتائی۔ یہ سن کر وہ بے چارا اپنا سر پیٹنے اور رونے لگا۔ وہ ہر شخص سے کہتا تھا کہ مجھے اس خط کے مضمون کا مطلق علم نہیں۔ اس بیچارے نے بیوی کو بہت تلاش کیا اور آخر کار اسے ڈھونڈ نکالا اور معذرت کر کے اسے راضی کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب شاہ سارا ابو نصر پہلی مرتبہ سلطان محمود کے دربار میں آیا تو بعض خوش مزاج مصاحبوں نے مندرجہ بالا واقعہ اس سے بیان کیا۔ سلطان یہ واقعہ سن کر مسکرایا اور بولا۔

''جو شخص اپنے بزرگوں کا ادب نہیں کرتا اور اپنی حد سے باہر قدم رکھتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

## سلطان محمود اور خلیفہ بغداد

سلطان محمود غزنوی نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ عباسی کو ایک خط بھیجا جس میں یہ درج تھا۔

''خراساں کا بیشتر حصہ چونکہ مملکت غزنویہ کے ماتحت ہے اس لیے یہ بہتر ہو گا کہ خراساں کا بقیہ حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔''

خلیفہ بغداد نے سلطان محمود کی اس خواہش کو مجبوراً پورا کیا اور پورا خراساں سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد سلطان نے خلیفہ سے کہا کہ سمرقند بھی ایک فرمان کے ذریعہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کر دیا

Marfat.com

اور محمود کو لکھا۔

''اگر تو میری مرضی کے خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں تمام دنیا کو تیرے خلاف کر دوں گا۔''

یہ جواب پا کر محمود غزنوی کو بہت غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد سے کہا۔

''اب میں جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزار ہا کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور دربار خلافت کا ملبہ اپنے ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لے آؤں۔''

یہ جواب لے کر قاصد واپس بغداد چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک خط لے کر پھر غزنی آیا۔ جس وقت خلیفہ بغداد کا یہ خط لے کر قاصد آیا اس وقت محمود اپنی بارگاہ میں بیٹھا تھا۔ غلام ہاتھ باندھے ہوئے سامنے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

قاصد نے محمود کے سامنے حاضر ہو کر سر بمہر خط پیش کیا اور کہا۔

''خلیفہ نے فرمایا ہے کہ تمہارے خط کا جواب یہ ہے۔'' معاملات خارجہ کے وزیر خواجہ ابونصر روزنی نے خط کھولا اور دیکھا کہ اس میں بسم اللہ کے بعد چند حروف مقطعات ا، ل م، ال م میں لکھے ہوئے ہیں اور ان سطروں کے بعد یہ لکھا ہے۔

''الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ و آلہ اجمعین''

اس عجیب غریب خط کو پڑھ کر اور سن کر سلطان محمود اور تمام درباری بڑے حیران ہوئے اور دیر تک غور کرتے رہے کہ اس تحریر سے خلیفہ بغداد کی کیا مراد ہے اور ان مقطعات سے کس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا وہ سب پڑھی گئیں اور ان کے مفاہیم اور مطالب پر غور کیا گیا لیکن کسی کی سمجھ میں اس خط کا مطلب نہ آیا۔

کچھ دیر بعد خواجہ ابوبکر قہستانی جنہیں ابھی سلطان محمود کے دربار میں کچھ زیادہ رسوخ حاصل نہ ہوا تھا نے جرأت کر کے عرض کیا۔

''میرا خیال ہے کہ چونکہ آنجناب نے خلیفہ بغداد کو کوہ پیکر ہاتھیوں سے روند دینے کی

Marfat.com

دھمکی دی تھی اس لیے ممکن ہے کہ اس کے جواب میں خلیفہ نے سورۃ فیل کی طرف اشارہ کیا ہو اور مقطعات سے تر اکیف فعل ربک باصحاب الفیل مراد ہو۔

سلطان محمود نے جب یہ سنی تو اس کے ہوش جاتے رہے۔ جب ہوش آیا تو بہت رویا اور خلیفہ بغداد کے قاصد سے معافی مانگی۔ اسے بیش قیمت تحفے تحائف دیئے۔ واپس بغداد روانہ کیا اور ابوبکر قہستانی کو بیش قیمت خلعت دے کر اپنے امیروں کے گروہ میں شامل کر لیا۔

## قلعہ نندونہ پر حملہ

سلطان محمود نے 404ھ میں بالنات کے مشہور قلعہ نندونہ پر حملہ کیا۔ اس وقت راجہ آنند پال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا لاہور کا راجہ تھا۔ جب اس راجہ کو محمود کے حملہ کی خبر پہنچی تو اس نے محمود کا مقابلہ کرنا اپنی طاقت سے باہر پا کر چند سمجھدار اور تجربہ کار لوگوں کو قلعہ سپرد کر دیا۔ اور خود درۂ کشمیر میں جا کر چھپ گیا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور نقب زنی اور قلعہ کے دروازے کھولنے کی دوسری تجویزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ اہل قلعہ نے عاجز آ کر ہتھیار ڈال دیئے اور جان کی امان مانگی۔ محمود نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اپنے ایک معتمد کو کہ اس قلعہ کا حاکم مقرر کیا اور خود درہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ آنند پال کے بیٹے نے جب یہ خبر سنی تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ محمود نے درہ پر قبضہ کر لیا۔ بہت سا مال غنیمت ساتھ لے کر اور بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کر کے محمود غزنوی واپس آ گیا۔

## لوہ کوٹ کا حادثہ

406ھ میں سلطان محمود نے کشمیر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ کشمیر کی حدود میں پہنچ کر اس نے "لوہ کوٹ" کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ اپنی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس لیے اس کے سر کرنے میں بڑی دیر لگی۔ اس دوران سردی اور برف باری کی شدت ہو گئی اور غزنوی فوج کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اہل قلعہ کو

Marfat.com

دارالسلطنت کشمیر سے بھی مدد پہنچ گئی۔ ان وجوہ کی بنا پر سلطان نے محاصرہ چھوڑ کر غزنی واپس جانا مناسب سمجھا۔

مگر واپسی میں فوج غلط راستے پر پڑ گئی اور ایسی جگہ جا پہنچی جہاں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ سارا جنگل پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بہت سے سپاہی اس پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کو تسخیر کرنے کے سلسلے میں سلطان محمود کو سب سے پہلے جو سب سے بڑا حادثہ پیش آیا وہ یہی تھا۔

الغرض چند دنوں کی حیرانی اور پریشانی کے بعد محمود نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ بغیر کوئی کارنامہ سرانجام دیئے غزنی واپس آ گیا۔

## سلطان محمود اور خوارزم شاہ

اس سال ابو العباس مامون خوارزم شاہ نے محمود کو ایک خط لکھا جس میں یہ درخواست کی گئی کہ محمود اپنی بہن کی شادی خوارزم شاہ سے کر دے۔ سلطان محمود نے یہ درخواست منظور کر لی اور اپنی بہن کا نکاح خوارزم شاہ سے کر دیا۔

پھر 407 ھ میں سلطان محمود کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ باغیوں نے فتنہ وفساد پیدا کر کے خوارزم شاہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی سلطان غزنی سے فوراً بلخ پہنچا اور وہاں سے خوارزم شاہ روانہ ہوا جب سلطان خوارزم کے قریب ''حضر بند'' پہنچا تو اس نے اپنے ایک امیر محمد طائی کو مقدمتہ الجیش بنا کر اپنے لشکر کے آگے روانہ کیا اور خود ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ اسی دوران جب سلطان کا لشکر ایک جگہ قیام کئے تھا اور جب تمام لشکری صبح کی نماز میں مشغول ہوئے تو اہل خوارزم کے سپہ سالار نے جس کا نام خمارتاش تھا۔ اک دم کمین گاہ سے نکل کر محمود کے لشکر پر حملہ کر دیا اور بہت سے لشکریوں کو تہ تیغ کر دیا۔

سلطان محمود نے نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس کے تمام لشکری اس کے خاص غلام تھے۔ اس لشکر نے خمارتاش کا پیچھا کیا۔ خمارتاش گرفتار ہوا اور سلطان کے سامنے لایا گیا۔ سلطان اسے حراست میں لے کر ہزار اسپ کے قلعہ کی طرف بڑھا۔ اس نام کا شہر اب بھی دریائے جیحوں کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ اسی قلعہ کے

Marfat.com

قریب اہل خوارزم کی فوج ایک جگہ جمع ہو کر سلطان محمود کی فوج سے نبرد آزما ہوئی۔ یہ ایک بڑی سخت اور خوفناک جنگ تھی۔ آخر اس جنگ کے نتیجے میں اہل خوارزم کو شکست فاش ہوئی اور خوارزمیوں کا سپہ سالار الپتگین بخاری قید ہوا۔

اب سلطان محمود نے خوارزم کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کے عباس کے قاتلوں سے قصاص لیا اور اپنے امیر التون تاش کو خوارزم شاہی کا خطاب دے کر ''خوارزم اور آور کند'' کا حکمران مقرر کیا۔ خوارزم کی فتح کے بعد سلطان محمود بلخ پہنچا اور اپنے بیٹے امیر مسعود کو ہرات کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ابو سہیل محمد بن جین زوزنی کو مسعود کا وکیل مقرر کر کے اس کے ساتھ کر دیا۔ محمود نے اپنے دوسرے بیٹے امیر محمد کو گورگاں کا حاکم بنایا اور قہستانی کو اس کے ساتھ روانہ کیا۔

## سلطان محمود اور قنوج

خوارزم کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد محمود نے سردی کا زمانہ بست میں گزارا کہ سپاہیوں کو بھی آرام کا موقع مل جائے۔ پھر 409 ھ میں جب موسم بہار آیا اور آب و ہوا میں اعتدال پیدا ہوا تو محمود غزنوی نے قنوج کا رخ کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ اپنے ایک لاکھ لشکری اور بیس ہزار دوسرے مسلمان تھے جو ترکستان، ماور النہر اور خراساں وغیرہ سے جہاد کے لیے آئے ہوئے تھے۔

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ گشتا شپ سے لے کر محمود غزنوی کے عہد تک کسی قوم کے فرد یعنی غیر ہندوستانی نے قنوج پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اب محمود پہلا شخص تھا جس نے قنوج پر حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ غزنی سے قنوج تک کا راستہ تین ماہ میں طے ہوتا تھا۔ راستے میں سات بڑے بڑے دریا پڑتے تھے جنہیں عبور کرنا تھا مگر محمود نے یہ راستہ بآسانی طے کر لیا۔ جب وہ کشمیر کی حدود میں پہنچا تو والی کشمیر نے سلطان کی خدمت میں بیش قیمت تحفے اور نذرانے پیش کئے سلطان نے بھی اسے شاہی عنایات سے سرفراز کیا۔ یہاں سے والی کشمیر محمود کے لشکر کا مقدمتہ الجیش بن کر اس کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔

سفر کی منزلیں طے کر کے جب مسلمانوں کا لشکر پہنچا اور قلعہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ

Marfat.com

یہ قلعہ پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے قنوج کے راجہ کا نام ''کورہ'' تھا اس کے باوجود کہ یہ راجہ اپنے وقت کا ایک زبردست حکمراں تھا مگر مسلمانوں کے لشکر کی کثرت اور سلطان محمود کی حشمت اور شان و شوکت دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے خود میں سلطان محمود سے مقابلہ کی سکت نہ پائی اور اپنا قاصد بھیج کر اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کا اظہار کیا۔ چونکہ راجہ کی قسمت ابھی بگڑی نہ تھی اس لیے وہ بغیر ہچکچاہٹ اپنے بیٹوں اور سرداروں کے قلعہ سے باہر آیا اور سلطان محمود کی خدمت میں پہنچ کر اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ سلطان نے راجہ سے بہت محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور اسے اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل کرلیا۔

''صاحب جیب السیر'' کا بیان ہے کہ محمود کی اطاعت کے ساتھ ساتھ راجہ کورہ مشرف بہ اسلام ہوا۔

## قلعہ میرٹ کی تسخیر

قنوج میں تین دن قیام کے بعد سلطان نے قلعہ میرٹ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب میرٹ والوں کو سلطان کے آنے کی خبر ہوئی تو قلعہ کا راجہ جس کا نام ''ہردت'' تھا قلعہ کو چند قابل اعتماد درباریوں کے سپرد کر کے خود جنگل کی طرف نکل گیا۔ اہل لشکر نے سلطان سے جنگ کرنے کی غلطی نہ کی۔ انہوں نے سلطان کو دو لاکھ پچاس ہزار روپے اور تیس ہاتھی پیش کیے اور جان کی امان مانگی۔ سلطان نے اس نذرانے کو قبول کر کے ان کی جاں بخشی کر دی۔

## مہاون کی فتح، ایک دردناک واقعہ

میرٹ کی فتح کے بعد سلطان قلعہ مہاون کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ یہ قلعہ دریائے جمنا کے کنارے تھا۔ حملہ کی خبر جب راجہ کو پہنچی تو وہ ہاتھی پر سوار ہو کے بھاگ نکلنے پر آمادہ ہوا مگر مسلمانوں نے ٹھیک اس وقت راجہ کو گھیر لیا۔ مگر راجہ گلچند نے پہلے تو اپنے خنجر سے اپنی بیوی اور بیٹے کی گردنیں کاٹ دیں پھر وہی خنجر اپنے پیٹ میں اتارلیا۔

Marfat.com

اس قلعہ سے مسلمانوں کو بہت سا مال اور اسباب ملا جن کی تفصیل لکھنا مشکل ہے۔ قیمتی اشیاء کے علاوہ مہاون سے سلطان کو اسّی کوہ پیکر ہاتھی بھی ملے۔

## متھرا کی فتح

سلطان نے متھرا کا نام سن رکھا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ متھرا ہندوؤں کے دیوتا سری کرشن کی جنم بھومی ہے۔ چونکہ ہندوؤں کے لئے یہ سری کرشن بھگوان کے اوتار تھے۔ اس لیے یہاں کی دولت اور آبادی دونوں ہی مسلمانوں کے لیے اپنی مثال آپ تھیں۔ سلطان کو بتایا گیا تھا کہ متھرا میں ایسی ایسی عجیب چیزیں موجود ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی نے جب متھرا پر حملہ کیا تو باوجود اس کے کہ متھرا، سلطنت دہلی کے زیر نگیں تھا۔ کوئی بھی اُس کی مدد کو نہیں آیا۔ سلطان محمود بغیر روک ٹوک متھرا پر قابض ہو گیا اور اس نے دل کھول کے شہر کو تاراج کیا۔ وہاں سے بے شمار زر و جواہر حاصل ہوا۔ متھرا کی فتح کے بارے میں سلطان نے غزنی کے امیروں کو ایک خط لکھا تھا جس میں درج تھا۔

اس شہر میں ایک ہزار بلند ترین محلات ہیں جو زیادہ تر سنگ مرمر کے ہیں اور مندر تو اتنی تعداد میں ہیں کہ انہیں توڑتے توڑتے میں تھک گیا ہوں لیکن پھر بھی ان کا شمار نہیں کر سکا۔ اگر کوئی اس قسم کی عمارتیں بنانا چاہے (جیسی کہ وہاں تھیں) تو سو سال کے عرصہ میں بہت ہی مشاق معماروں کے ہاتھوں شاید سرانجام دے سکے۔ یہاں پانچ سونے کے بت تھے جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان کی قیمت پچاس پچاس ہزار زر سرخ تجویز کی جا سکتی تھی۔ ان بتوں میں سے ایک بت میں ارزقی یاقوت کا ایک ٹکڑا جڑا ہوا تھا جس کا وزن تقریباً چار سو من مثقال تھا (ایک مثقال برابر پونے دو ماشے) جب یہ بت پاش پاش کیا گیا تو 98300 مثقال سونا اس سے برآمد ہوا۔ وہاں سونے کے بتوں کے علاوہ چاندی کے بھی بت تھے۔ ان سے جو چاندی حاصل ہوئی وہ ایک سو اونٹوں پر لاد کر لے جائی گئی۔ سلطان نے متھرا میں صرف بیس

Marfat.com

دن قیام کیا۔

## قلعہ پر حملہ

اسی اثنا میں سلطان محمود غزنوی کو اطلاع دی گئی کہ متھرا سے کچھ فاصلہ پر دریا کے کنارے قلعہ محلّہ آباد ہے۔ یعنی وہاں سات قلعے دریا کنارے بنائے گئے تھے جو اپنی مضبوطی اور بلندی کا جواب نہ رکھتے تھے۔ سلطان کے کان میں یہ آواز پڑی تو اس نے بلاتاخیر ادھر کا رخ کیا۔ مگر سلطان کی جوانمردی کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا چنانچہ جب قلعہ محلّہ میں سلطان کی آمد کی خبر پہنچی تو ان قلعوں کا حاکم اعلیٰ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ پس سلطان نے ان قلعوں پر با آسانی قبضہ کرلیا۔

ان قلعوں میں ایسے بت خانے بھی تھے جن کی بنا چار ہزار سال پہلے پڑی تھی اور وہاں اس وقت سے اب تک بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ چنانچہ سلطانی لشکر نے ان قلعوں کو خوب لوٹا اور مسلمانوں نے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا۔

## قلعہ منج کا احوال

قلعہ محلّہ کی فتح کے بعد سلطان نے مشہور قلعہ منج کا رخ کیا۔ یہ قلعہ سپاہیوں اور لشکریوں سے بھرا پڑا تھا اور وہاں زندگی کا ہر سامان افراط سے موجود تھا۔ پس سلطان نے قلعہ منج کا محاصرہ کرلیا اور قلعہ پر قبضے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ ایک طرف تو سلطان نے محاصرے میں سختی کی اور دوسری طرف قلعہ جانے والے تمام راستوں کو اس طرح بند کیا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔

پھر جب قلعہ والوں کو علم ہو گیا کہ آنے جانے کے تمام راستے بند ہیں اور مسلمان بغیر قلعہ فتح کئے آگے نہ جائیں گے تو انہوں نے آخری جنگ لڑی۔ قلعہ کے کمزور انسان تو حملہ سخت ہوتے ہی چتا (آگ) جلا کر اُس میں کود پڑے اور جو باقی بچے وہ خنجر بکف ہو کر قلعہ کھول کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور دم کے دم میں ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے اور وہ سب مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے۔ سلطان نے قلعہ کے تمام

Marfat.com

مال واسباب پر قبضہ کرلیا۔

## چند پال پر حملہ

اس کے بعد سلطان محمود نے قلعہ چند پال کا رخ کیا۔ راجہ چند پال نے محسوس کرلیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ بیکار ہے اس لیے وہ معہ بیوی بچوں کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ سلطان کو بتایا گیا تھا کہ راجہ چند پال کے پاس ایک ایسا کوہ پیکر ہاتھی ہے جس کی مثال پورے ہندوستان میں موجود نہیں۔ کہتے ہیں سلطان محمود نے اس ہاتھی کو خریدنے کی بارہا کوشش کرلی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا تھا۔

Marfat.com

## مغرور راجہ

چند پال کے قلعہ کی فتح کے بعد محمود غزنوی نے مغرور ''راجہ چندرائے'' سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ راجہ چندرائے نے راجہ چند پال کی تقلید کی اور وہ بھی معہ اپنی بیوی بچوں کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ کہتے ہیں چندرائے کے پاس ایک کوہ پیکر ہاتھی تھا جس کا ثانی پورے ہندوستان میں نہ تھا۔ چندرائے کے فرار کے بعد وہ ہاتھی ایک رات بغیر فیل بان پہنے تھان سے بھاگا اور سلطان محمود کے خیمے کے پردے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان کے آدمیوں نے ہاتھی کو بغیر کسی دقت اور پریشانی کے پکڑ لیا اور سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان اس ہاتھی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ہاتھی کا نام ''خداداد'' رکھا اور اس خوشی میں ایک بڑا جشن منایا۔ پھر جب سلطان غزنی واپس ہوا تو خداداد ہاتھی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

## مسجد کی تعمیر

سلطان محمود غزنوی جب غزنی واپس پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت کی ایک فہرست تیار کی جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور مال غنیمت کی فہرست تیار ہو کے سلطان کے سامنے پیش کی گئی۔ اس فہرست سے اندازہ لگایا گیا کہ اس سفر میں بیس ہزار اشرفیاں، کئی لاکھ روپے، پچاس ہزار لونڈی غلام، 350 ہاتھی اور دوسری بہت سی چیزیں سلطان کے ہاتھ آئی تھیں۔ چونکہ محمود غزنوی کا یہ سفر بہت کامیاب اور مبارک رہا تھا اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس نعمت کے شکریئے کے طور پر ''غزنی'' میں ایک جامعہ مسجد تعمیر کی جائے اور مسجد کو سنگ مرمر سے بنایا جائے اور ہر قسم کے پتھر تراش خراش کے بعد اس عمارت میں لگائے اور جڑے جائیں۔ تاکہ دیکھنے والے اس سے محظوظ ہوں اور اس کے بنانے والے بھی سلطان محمود غزنوی کی ہمت اور جرأت کی داد دیں۔

جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو محمود غزنوی نے اسے بڑے سلیقے سے آراستہ کیا۔ اس میں خوبصورت قندیلیں آویزاں کی گئیں۔ یہ مسجد اپنی خوبی، دلکشی اور آرائش کے سبب

Marfat.com

لوگوں کو بہت پسند آئی اور اس کا نام ''عروس فلک'' رکھا گیا۔ اس مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالیشان مدرسہ بھی قائم کیا جس میں نایاب اور نادر کتابیں رکھی گئیں۔ مسجد کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کیے گئے تاکہ مسجد اور وہاں تعلیم پانے والے طلباء اور اساتذہ کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک مختصر سے عرصہ میں غزنی میں بے شمار مسجدیں، درس گاہیں، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوگئیں۔

## غزنی کے نوادرات

قنوج کے سفر میں سلطان محمود کے ہاتھوں بہت سے نوادرات آئے جس میں بیش قیمت اشیاء کے علاوہ ایک عجیب وغریب مرغ تھا جو اپنی شکل وصورت میں قمری سے مشابہت رکھتا تھا۔ اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس جگہ موجود ہوتا اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا اس مرغ کی حالت اضطرابی ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ سلطان محمود نے اس عجیب وغریب مرغ کو بعض دیگر تحائف کے ساتھ عباسی خلیفہ القادر باللہ کے پاس بغداد بھجوا دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان کو ایک عجیب وغریب پتھر بھی ملا تھا۔ اس پتھر کی یہ خاصیت تھی کہ زخم پر خواہ وہ کتنا گہرا یا خراب ہوگیا ہو۔ اس پر اس پتھر کو گھس کر لگایا جاتا تو زخم فوراً بھر جاتا تھا۔

## سلطان محمود کا فتح نامہ

سلطان محمود غزنوی نے 410 ہجری میں ایک فتح نامہ جس میں ہندوستانی فتوحات کی تفصیل درج تھی۔ خلیفہ بغداد کی خدمت میں ارسال کیا۔ یہ فتح نامہ جب خلیفہ کو ملا تو اس نے اس کا ایک جشن منایا اور اس فتح نامہ کو اس محفل اور جشن میں لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا۔ لوگوں نے ان فتوحات کے شکرانے کے طور پر اس وقت خداوند تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کے سجدے ادا کیے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جس روز یہ محفل منعقد ہوئی۔ اس دن بغداد کا ہر فرد و بشر خوش

Marfat.com

تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آج عید کا دن ہے۔ تمام لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ عرب و عجم، روم اور شام میں جو کارنامے صحابہ کرامؓ نے انجام دیئے وہی کام اور کارنامے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان میں انجام دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے سلطان نے دین و دنیا میں سعادت حاصل کی تھی۔

## قرامطیوں اور بدویوں کا جھگڑا

یہ 412 ہجری کا واقعہ ہے کہ علماء کے ایک گروہ نے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے سلطان محمود آپ ہندوستان جا کر کافروں سے جنگ کرتے ہیں یہ واقعی ایک عظیم دینی خدمت ہے لیکن آپ نے کبھی بیت اللہ کے راستے پر نظر نہیں کی۔ ایک زمانے سے اس راستے کو قرامطیوں اور بدوؤں نے ایک طرح سے بند کر رکھا ہے اس راستے پر یہ گروہ راہزنی کرتا ہے اور مسلمان لوٹ مار کی وجہ سے حج بیت اللہ کے ثواب سے محروم ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ خلافت عباسیہ میں اب اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اس مقدس راستے کو ان مفسدوں سے پاک کر سکے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آپ اس طرف توجہ فرمائیں۔

سلطان محمود غزنوی نے علماء اور مشائخ کی اس درخواست کو نہ صرف سراہا بلکہ وعدہ کیا کہ ان کی درخواست پر فوری طور پر توجہ کی جائے گی اور اس فتنہ پردازی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے قاضی القضات ابو محمد ناصحی کو حاجیوں کے ایک قافلہ کا امیر مقرر کیا۔ قاضی کو قافلہ کو لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے لیے تیس ہزار اشرفیاں عطا کی گئیں اور قافلہ کو مکہ روانہ کرایا گیا۔

ظاہر ہے یہ قافلہ مکہ جا رہا تھا اور اس کی نگہبانی قاضی القضات کے سپرد تھی اس لیے اس قافلہ میں غزنی کے بہت سے امیر اور سردار بھی حج بیت اللہ کے لیے شامل ہو گئے۔ پس یہ قافلہ سفر کرتا ہوا ایک جنگل میں پہنچا اور فید نامی ایک مقام پر قیام کیا۔ بدوؤں نے اپنے معمول کے مطابق اس قافلے کو لوٹنا چاہا۔ ابو محمد ناصحی نے بدوؤں سے صلح کرنا چاہی اور پانچ ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھیجیں کہ وہ قافلے کو پریشان نہ کریں۔ لیکن بدوؤں

Marfat.com

کے سردار حماد بن علی نے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دے دیا۔

جب بدوؤں نے قافلہ پر چھاپا مارا تو اہل قافلہ نے انہیں منتشر کرنے کے لیے تیر چلانا شروع کر دیئے۔ اتفاق سے ایک ترکی غلام جو ماہر تیر انداز تھا کا ایک تیر بدوؤں کے سردار حماد بن علی کے سر پر لگا اور وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ بدوؤں نے فوراً اسے اٹھایا اور اہل قافلہ کے سامنے سے بھاگ گئے۔ اس حادثہ کے بعد ابو محمد ناصحی اپنے قافلہ کے راستے کی تمام مشکلات کو جھیلتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے اور حج بیت اللہ کے بعد صحیح وسلامت غزنی واپس آئے۔

## آنند پال سے جنگ

اسی سال یعنی 412 ہجری میں سلطان محمود غزنوی کو بتایا گیا کہ ہندوستان کے لوگ قنوج کے راجہ کورا کے خلاف ہو گئے ہیں اور اس پر چاروں طرف سے لعنت و ملامت کی جا رہی ہے۔ یہ مخالفت اس قدر بڑھی کہ کالنجر کے راجہ نندا نے قنوج پر حملہ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ راجہ کورا نے سلطان محمود کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس حملہ میں راجہ کورا قتل کر دیا گیا۔

سلطان محمود غزنوی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ راجہ نندا سے انتقام لینے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ مسلمانوں کا یہ لشکر جب دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو راجہ آنند پال کا بیٹا جو کئی بار سلطان محمود سے شکست کھا چکا تھا۔ راہ میں حائل ہوا۔ اس وقت دریائے جمنا میں پانی بہت چڑھا ہوا تھا اور وہ بہت گہرا تھا اس لیے محمود غزنوی کے لشکر کے لیے دریا پار کرنا مشکل ہو گیا۔ اور ہر شخص دریا پار کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔

اس اہم موقعہ پر سلطان محمود غزنوی کے آٹھ خاصے کے غلام ہمت کر کے دریا پار کر گئے اور انہوں نے آنند پال پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ اس کے نتیجے میں آنند پال کا بیٹا اور اس کے دوست و مصاحب اپنی اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ آٹھوں غلام ہندی لشکر کو شکست دے کر ایک قریبی شہر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے جی بھر

Marfat.com

کے شہر کو خوب لوٹا اور وہاں کے مندروں کو مسمار کر دیا۔ ممکن ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ صرف آٹھ غلام ایک شہر کو کس طرح لوٹ سکتے ہیں۔ اس کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ یہ آٹھ اشخاص جنہیں خاصے کے غلام کہا گیا ہے وہ اشخاص سلطانی لشکر کے آٹھ امیر ہوں اور ان میں ہر ایک اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دریا پار اتر کر ہندوؤں سے نبرد آزما ہوا ہو۔

## سلطان محمود غزنوی اور راجہ نندا

آنند پال کو شکست دینے کے بعد مسلمانوں کا لشکر نندا کی طرف روانہ ہوا۔ کالنجر پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر بہت بڑا ہے جس میں چھتیس ہزار سوار، پینتالیس ہزار پیادے اور چار سو چالیس ہاتھی ہیں۔ سلطان نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر دشمن کے لشکر پر نظریں دوڑائیں۔ اس لشکر کو دیکھ کر سلطان اگرچہ کچھ پشیماں اور پریشان ہوا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔

چنانچہ اس نے سر جھکا کر خدائے تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع سے کامیابی کی دعا مانگی۔ اس دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس رات نندا کے دل میں سلطان کا ایسا خوف سمایا کہ وہ راتوں رات میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ایک سچے مسلمان اور دیندار مجاہد جیسا کہ سلطان محمود غزنوی تھا۔ اس کی دعاؤں اور عجز کا یہی نتیجہ نکلتا تھا۔

صبح کو جب محمود غزنوی نے یہ خبر سنی تو وہ ہندوؤں کے لشکر میں گیا پھر جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ راجہ نندا واقعی جان بچا کر بھاگ نکلا ہے تو اس نے ہندو لشکر کو لوٹنے کا حکم دیا۔ اس لوٹ مار کے نتیجے میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ پانچ سو اسی ہاتھی آئے۔ چونکہ سلطان دوسرے علاقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہ تھا اس لیے اس نے اسی فتح پر اکتفا کی اور غزنی واپس آ گیا۔

سلطان محمود غزنوی کے شجرہ نسب کی تلاش میں کتابوں میں ادھر اُدھر ہاتھ مار رہا تھا کہ پچیس برس پہلے چھپی ہوئی ایک کتاب ہاتھ آئی۔ نام اس کتاب کا ''مسلمان فاتحین'' ہے اور اسے احمد مصطفیٰ صدیقی نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں سلطان محمود کا تفصیلی

Marfat.com

شجرہ نسب نظر پڑا جو اس طرح ہے۔

''سلطان محمود غزنوی بن امیر سبکتگین بن قرالحکم بن قرار ارسلان''

''بن قراملت بن قرالقیمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہر یار الفارس''

صاحب طبقات ناصری نے بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ دنیائے اسلام کا مشہور زمانہ فاتح سلطان محمود غزنوی ایران کے مشہور عالم بادشاہ نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔''

غزنی خاندان کی حکومت کا پہلا بانی ساسانیوں کے دربار کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا۔ جسے اس کی خداداد شجاعت اور حسن لیاقت و تدبیر کی بنا پر عبد الملک ساسانی نے خراساں کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ساسانیوں کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ ساسان، بلخ کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ حسن اتفاق سے عباسیوں کے مقرر کئے ہوئے خراساں کے گورنر اسد بن عبداللہ کے یہاں چلا آیا اور زرتشتی مذہب چھوڑ کے مسلمان ہوگیا۔

ساسان کے ایک بیٹے کا نام بھی اسد تھا اس کے چار بیٹے تھے جو حسن لیاقت اور شجاعت کی بنا پر خلیفہ مامون رشید عباسی کی نگاہ میں بے حد پسندیدہ تھے۔ چنانچہ خلیفہ نے نوح بن اسد ساسانی کو سمرقند احمد بن اسد ساسانی کو فردعانہ، یحیٰ بن اسد ساسانی کو چاچ ، اور الیاس بن اسد ساسانی کو ہرات کا گورنر بنا دیا۔ احمد بن اسد اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور مدبر تھا۔ چنانچہ اُس نے تھوڑی ہی مدت میں اپنی حکومت کے حدود وسیع کر لیے اور اپنے بھائیوں کے علاقے چھین کر ساسانی خاندان کی ایک الگ مضبوط حکومت قائم کر دی۔

احمد بن ساسانی کے دو بیٹے تھے ایک کا نام اسمٰعیل اور دوسرے کا نام نصر، سلطنت ساسانیہ کے حدود میں سیستان، خراساں، مادر النہر، قندھار اور بخارا اور یمن شامل تھے۔ اسمٰعیل اور نصر دونوں بھائیوں نے مل کر بہت سی فتوحات حاصل کیں اور سلطنت کو خوب وسعت دی۔ اسمٰعیل بن احمد کے زمانہ میں دولت ساسانیہ خاص کر قندھار اور بخارا نے بڑی ترقی کی لیکن اسمٰعیل کے مرنے کے بعد ساسانیوں کی طاقت گھٹنے لگی حتیٰ کہ پچاس

Marfat.com

سال کی حکومت میں کم ہوتے ہوئے صرف خراساں اور ماورالنہر تک محدود ہو کر رہ گئی۔

ساسانیوں کے دربار میں غلاموں کی کثرت تھی۔ ان ہی میں ایک الپتگین تھا جسے اسمٰعیل کے بھتیجے عبدالملک بن نوح نے خراساں کی سپہ سالاری پر مامور کیا تھا۔ پھر جب عبدالملک بن نوح حکمران ہوا تو اس نے الپتگین کو بلخ کا گورنر بنا دیا۔ وہ عبدالملک کی زندگی تک اس عہدے پر فائز رہا۔لیکن عبدالملک کے مرنے کے بعد تخت نشینی کا جھگڑا ہو گیا یعنی وزیر سلطنت عبدالملک کے بھائی امیر منصور کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا اور الپتگین چاہتا تھا کہ عبدالملک کا کم سن بیٹا تخت تاج کا وارث بنے۔ حتی کہ جب کشمکش حد سے گزرنے لگی تو الپتگین وہاں سے غزنی چلا گیا۔ جہاں 351 ہجری 962ء میں غزنوی سلسلے کی ایک آزاد حکومت کی بنیاد رکھ دی اور اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا لیکن قدرت الٰہی نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ حکومت کی حدود کو وسیع کرے۔ پس وہ 352ھ میں فوت ہو گیا۔

الپتگین کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا مگر وہ سخت نا اہل ثابت ہوا۔ قریب تھا کہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے کہ سلطان محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین نے کمال شجاعت سے آگے بڑھ کر غزنوی سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام لیا اور اسے لوہے کی طرح مضبوط کر دیا۔ اس لیے دولت غزنویہ کا اصل بانی امیر سبکتگین کہلاتا ہے۔

امیر سبکتگین ابتدا میں الپتگین کا غلام تھا۔ اس کی ماں ترک تھی اور باپ ایرانی بچپن میں ڈاکوؤں نے اسے اغوا کر لیا اور غلاموں کے بازار میں لا کر بیچ دیا۔ وہ بخارا میں ایک غلام کی حیثیت سے دن گزار رہا تھا کہ الپتگین کی اس پر نظر پڑی اور اسے جوہر قابل سمجھ کے خرید لیا۔ سبکتگین نے اپنی لیاقت، شجاعت اور نیک نفسی کی بدولت جلدی اپنے آقا کا دل جیت لیا اور الپتگین نے امیر الامراء کا خطاب دے کر اسے امراء میں شامل کر لیا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ الپتگین نے اسے اپنا داماد بنا لیا۔

Marfat.com

قارئین!

اب تک سلطان محمود غزنوی کے جو حالات اور واقعات پیش کئے گئے ہیں وہ تمام کے تمام مختلف تواریخ یا تاریخی مضامین کے حوالے سے اخذ ہیں۔ اب میں سلطان کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلی حالات پیش خدمت کر رہا ہوں جو مندرجہ ذیل کتب کے حوالے سے لکھے جا رہے ہیں۔

1- سپہ سالار اور فاتح
2- تاریخ سلطنت دہلی
3- مسلمان فاتحین
4- تاریخ فرشتہ
5- تاریخ ایران
6- تاریخ ہند

# محمود غزنوی

## امارت غزنہ کا آغاز

خلافت بغداد کے زوال پذیر ہوتے ہی دور افتادہ صوبوں میں خودمختاری کی ہوا چلنے لگی۔ خراساں کی گورنری طاہر کے خاندان میں موروثی ہو چکی تھی۔ 872ء میں صفاریوں نے طاہریوں کی جڑیں کھود کر اپنی عمارت کی بنیاد ڈالی۔ صفاریوں کی امارت خلیفہ بغداد کی مرضی سے قائم ہوئی۔ صفاریوں کی جگہ سامانیوں نے لے لی۔ امیر احمد بن اسمٰعیل

Marfat.com

ساسانی کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا۔ نصر بن اسمٰعیل نے اسے غلامی سے آزاد کیا۔ نوح بن نصر نے اسے ترقی دے کر حاجب مقرر کیا۔ نوح کے انتقال کے بعد الپتگین نے نوعمر عبدالملک کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ اس نے پہلے الپتگین کو بلخ کا گورنر پھر خراسان کا سرِ لشکر مقرر کیا۔

اس کے انتقال کے بعد جانشینی کے مسئلہ پر الپتگین اور وزیر میں اختلاف ہو گیا۔ وزیر نے مرحوم کے بھائی منصور کو تخت حاصل کرنے میں مدد دی۔ الپتگین مرحوم امیر کے خورد سال لڑکے کو تخت پر دیکھنا چاہتا تھا۔ پس سبکتگین نے منصور کے خلاف فوج کشی کرنا چاہی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ منصور نے اس کے خلاف فوج بھیجی تو وہ شکست کھا کر واپس آ گئی۔ الپتگین نے ان حالات میں پایہ تخت سے دور رہنا مناسب سمجھا۔ پس اسؒ نے غزنی کا رخ کیا اور وہاں کے حاکم ابو بکر لادق کو شکست دے کر اپنی امارت قائم کر لی۔

منصور نے اسے کچلنے کی ایک اور ناکام کوشش کی اور اس کے بعد اس سے مفاہمت کرنا مناسب سمجھا اس نے الپتگین کو غزنی کا گورنر مقرر کیا۔ الپتگین نے بست اور ہندو شاہی سلطنت کے کچھ علاقے فتح کیے اور اپنی امارت میں ملائے پھر 963ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

الپتگین کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحاق ابراہیم امارت کا مالک ہوا لیکن کامیاب ثابت نہ ہوا۔ اس کے بعد الپتگین کے غلام سبکتگین اور پری تکین کے بعد دیگرے برسر تخت آئے۔ پری تکین کے زمانہ میں لادق نے غزنی پر حملہ کیا تو امیر مرحوم کے ایک اور غلام سبکتگین نے لادق کو شکست دے کر امارت غزنی کو بچا لیا۔ اس لیے امرا نے پری تکین کو ہٹا کر عنانِ حکومت سبکتگین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ 977ء کا ہے۔

سبکتگین نے زمانہ میں ہندو شاہی سلطنت سے وادی لمغان میں دو لڑائیاں ہوئیں۔ جے پال نے 986ء حملہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ سبکتگین نے ایک زر کثیر کے عوض اسے آزاد کر دیا۔ جے پال نے وعدہ پورا نہ کیا بلکہ اس نے شمالی ہندوستان کے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر کابل پر حملہ کر دیا۔ جے پال کو پھر شکست ہوئی۔ لمغان سے پشاور تک کا علاقہ امارت غزنی میں شامل کر لیا گیا۔ اس علاقے کے افغان اور خلجی قبائل مسلمان ہو کر

Marfat.com

سبکتگین کی فوج میں داخل ہو گئے۔

سبکتگین خودمختار امیر تھا لیکن اس نے امیرانِ سامانہ سے اپنا رشتہ استوار رکھا اور ان کی فوجی مدد بھی کی۔ امیر نوح کے دربار میں اس کا اتنا اثر اور اقتدار تھا کہ اس کے کہنے پر امیر کو اپنا وزیر بدلنا پڑا۔ سبکتگین بڑا کامیاب حکمران تھا۔ اس کے عہد میں غزنی کو بڑی خوشحالی نصیب ہوئی۔ 997ء میں امیر سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔

سبکتگین کا سب سے بڑا لڑکا ابو القاسم 971ء میں پیدا ہوا۔ ابھی اس کی عمر سات سال کی تھی کہ سبکتگین نے پایہ تخت کی نگرانی اس کے سپرد کر دی۔ محمود بڑا ہوا تو اس نے باپ کی فوجی مہمات میں حصہ لینا شروع کیا۔ سبکتگین کی آخری عمر میں تمام تر فوجی مہمات محمود نے سر کیں۔ اس زمانہ میں بھی محمود کی دور اندیشی اور اصابت رائے کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وادی لمغان کی پہلی لڑائی میں وہ جے پال کی رہائی کے خلاف تھا۔ جے پال کی رہائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبکتگین کو جلدی اس سے دوبارہ نبرد آزما ہونا پڑا۔ لیکن جب سبکتگین کا آخری وقت قریب پہنچا تو اس نے اپنے چھوٹے لڑکے اسمٰعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اسمٰعیل نے گدی سنبھال تو لی لیکن دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ بات یہاں ختم نہ ہو گی۔ محمود نے گفت و شنید کے ذریعہ معاملہ طے کرنا چاہا اور اسمٰعیل کو بلخ اور خراساں کی پیش کش کی لیکن جب وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا تو غزنی کے میدان میں جنگ ہوئی۔ دونوں طرف فوجی قوت تقریباً برابر تھی لیکن محمود کی سپہ گری اور عسکری ذہانت کی بدولت اس کا پلہ بھاری رہا اور میدان اس کے ہاتھ رہا۔

محمود تخت نشین ہوا تو اسمٰعیل کو نظر بند کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 998ء کا ہے۔ اس کے باوجود اس پر کوئی سختی نہیں کی گئی کچھ عرصہ بعد محمود کے خلاف ایسی سازش ہوئی تو احتیاطاً اسمٰعیل کو نظر بند کر دیا گیا۔

سامانیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن غزنی کی امارت ضابطہ کے اعتبار سے ان کی باجگذار تھی۔ محمود کی تخت نشینی کے ایک سال کے اندر کاشغر کے امیر ایلک خاں نے سامانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ 999ء محمود نے ایلک خاں کو اس کارگزاری پر مبارک باد دی اور اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ سامانیوں کی چودھراہٹ پر اب محمود کا قبضہ تھا اور اب

Marfat.com

وہ وسطِ ایشیا کا سب سے سربرآوردہ تاجدار تھا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ نے بھی محمود کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا اور اسے امین الملک (امین الملت) اور یمین الدولہ کے خطابات دیئے۔ عتبی کا بیان ہے کہ محمود نے تشکر کے طور پر عہد کیا کہ وہ ہر سال ہندوستان پر فوج کشی کیا کرے گا۔

## سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر سترہ حملے

''تاریخ سلطنت دہلی'' میں سلطان محمود غزنوی کے ہند پر سترہ حملوں کا مختصر احوال اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سلطان کے بعض حملوں کی تاریخ دو سنوں پر حاوی ہے۔ مثلاً سلطان محمود غزنوی کی دوسری مہم کی تاریخ 1001-1002ء ہے یا ویہند کی دوسری لڑائی کی تاریخ 1008-1009ء اس کے یہ معنی ہیں کہ سلطان محمود کی ہر مہم میں دو دو سال لگے اصل بات یہ ہے کہ سلطان محمود اپنی فوج کی آسانی کے باعث ہندوستان پر جاڑوں میں لشکر کشی کرتا تھا۔ پس 1008-1009ء کے یہ معنی ہیں کہ سلطان نے 1008ء کے آخر میں اپنی مہم شروع کی اور 1009ء کے آغاز میں واپس چلا گیا۔

آیئے اب سلطان محمود کے ہندوستان پر سترہ حملوں کا مختصر حال پڑھیے۔

### پہلا حملہ

سلطان محمود غزنوی کا پہلا حملہ 1000ء میں ہوا جو امارت غزنہ اور ہندوشاہی راج کی سرحد تک محدود رہا۔

### دوسرا حملہ

سلطان کی دوسری مہم 1001-1002ء میں واقع ہوئی جس میں سلطان نے ہندو شاہی پر کاری زخم لگایا۔ پشاور اور ویہند کے مقام پر لڑائیاں ہوئیں۔ جس میں ہندوشاہی افواج کو شکست ہوئی اور راجہ جے پال گرفتار ہوا۔ پھر راجہ کو ایک بڑی رقم کی ادائیگی پر

Marfat.com

رہا کر دیا گیا لیکن راجہ کو اپنی پیہم شکستوں اور گرفتاریوں پر اس قدر خجالت ہوئی کہ وہ خود ہی چتا تیار کر کے اس نے خود کو پھونک لیا (جل گیا) جے پال کی خودکشی کے بعد ہندی شاہی راج گدی آنند پال نے سنبھالی۔ محمود ویہند کے علاقے کو تاراج کر کے غزنی واپس چلا گیا۔

## تیسرا حملہ...... 1003-1004ء

محمود نے اس مرتبہ کچھ اور آگے بڑھ کر بٹھنڈہ پر حملہ کیا۔ تین روز کی لڑائی کے بعد سلطان نے میدان مار لیا۔ راجہ نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن گرفتار ہو گیا۔ اُس نے بھی خودکشی کر کے سلطان محمود کی قید اور قید حیات دونوں سے نجات حاصل کر لی۔

## چوتھا حملہ...... 1005-1006ء

اس دفعہ سلطان نے ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ملتان اُس وقت کرامتیوں (یہ اسماعیلیوں کا ایک فرقہ تھا) کے زیر اثر تھا۔ یہاں کا حاکم ابوالفتح داوٗد تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت قرامطیوں کو ملحد سمجھتی تھی اور خلیفہ بغداد ان کے سخت خلاف تھا۔ اس لئے ان کا سیاسی رشتہ مصر کی فاطمی خلافت سے تھا جو اپنے عقائد اور سیاسی مقاصد کے اعتبار سے بغداد کی حریف تھی۔ محمود نے کچھ مذہبی جذبہ کے ماتحت اور کچھ ملک گیری کی خاطر ملتان کی طرف قدم اٹھانا چاہا لیکن آنند پال نے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے ابوالفتح کی حمایت میں محمود کو پشاور سے آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔ محمود نے پہلے آنند پال کو شکست دے کر مار بھگایا، پھر یلغار کرتا ہوا ملتان پہنچا۔ ابوالفتح نے کچھ دن محصور رہنے کے بعد صلح کی درخواست کی اور خراج دینے اور اپنے عقائد سے تائب ہونے کا وعدہ کیا۔

محمود ابھی ملتان کے معاملات سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ خبر آئی کہ ایلک خان امیر کاشغر نے اُس کی وسط ایشیائی سلطنت پر دھاوا بول دیا ہے۔ یہ موقع بہت نازک تھا اس لئے کہ محمود کاشغر اور غزنی کی سرحد سے ہزاروں میل دُور تھا۔ محمود نے ملتان، نواسہ شاہ کے سپرد

Marfat.com

کیا۔ نواسہ شاہ کا اصل نام سکھ پال تھا۔ وہ جے پال کا نواسہ تھا۔ قبول اسلام کے بعد وہ نواسہ شاہ کے نام سے معروف ہوا۔ آنند پال نے بھی اس موقع پر محمود کو فوجی امداد کی پیشکش کی۔

## پانچواں حملہ

محمود بڑی سرعت کے ساتھ بلخ پہنچا اور ایلک خان کو شکست دے کر فارغ ہی ہوا تھا کہ ہندوستان سے خبر پہنچی کہ نواسہ شاہ نے پھر اپنا آبائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور بٹھنڈہ سے محمود کے افسروں کو نکال کر علم بغاوت بلند کیا ہے۔ محمود غزنوی بغیر آرام کئے اس پانچویں مہم پر روانہ ہو گیا۔ موسم سخت سرد تھا لیکن محمود نے ذرا پرواہ نہ کی اور پنجاب پہنچ کر سکھ پال کو شکست دی اور اُسے قید کر لیا۔

## چھٹا حملہ...... 1008-1009ء (وہند کی لڑائی)

محمود، آنند پال سے ایک فیصلہ کن معرکہ چاہتا تھا تاکہ شمالی پاک و ہند کے حملے کے لئے راستہ صاف ہو۔ آنند پال کو اس کا علم ہوا تو اُس نے اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج اور اجمیر کے راجاؤں کو لکھا کہ وہ محمود کی مزاحمت اور سدباب میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ ان سب راجاؤں کو بھی فکر ہوئی کہ اگر سلطان محمود، آنند پال کے استیصال میں کامیاب ہو گیا تو پھر ہندوستان (موجودہ دہلی اور یوپی) اور محمود کے درمیان کوئی رُکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ پس انہوں نے آنند پال کے ساتھ مل کر ایک متحدہ محاذ قائم کیا۔ جنگ ہوئی تو ایک طرف محمود کی مختصر مگر منظم فوج تھی اور دوسری طرف متعدد راجاؤں کا مخلوط جم غفیر تھا جس کی کوئی متحدہ کمان نہ تھی۔ لڑائی کے آغاز میں گکھڑوں نے سخت حملہ کیا اور صفیں کاٹتے ہوئے محمود کے خیمے تک پہنچ گئے۔ لیکن جلد ہی لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ آنند پال کا ہاتھی بگڑ کر بھاگا۔ دوسرے راجاؤں نے یہ سمجھا کہ آنند پال نے ان کے ساتھ دغا کیا۔ وہ سب بد دل ہو گئے۔ فوج میں افراتفری پھیل گئی اور میدان محمود کے ہاتھ رہا۔ اس فتح کا ہندوستان پر غیر معمولی اثر پڑا۔ اکیلے محمود نے کئی بڑے بڑے راجاؤں کے قدم اُکھاڑ دیئے۔ ان پر محمود کی دھاک بیٹھ گئی اور یہ خیال عام ہو گیا کہ محمود کا مقابلہ بے سود اور

Marfat.com

اسے شکست دینا محال ہے۔

## ساتواں حملہ...... 1009-1010ء

محمود نے آنند پال کے خلاف پھر صف آرائی کی۔ لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ آنند پال نے خراج دینے کا وعدہ کیا اور وفاداری اور تابعداری کا یقین دلایا۔ آنند پال کے اس یقین سے ہندوستان پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ یہاں سے محمود غزنی واپس گیا اور وہاں ''غور'' پر ایک ''چال'' کے ذریعے قبضہ کر لیا۔

## آٹھواں حملہ...... 1010-1011ء

سلطان محمود نے ملتان پر پھر لشکر کشی کی اور قلعہ فتح کر لیا۔ ابوالفتح داؤد نے اپنا عہد پورا نہ کیا تھا اور ابھی تک اپنے فرقہ کے عقائد پر قائم تھا۔ چنانچہ سلطان محمود نے اُسے حبس دوام کی سزا دی اور دوسرے قرامطیوں کو بھی سخت سزائیں دیں۔

## نواں حملہ...... 1011ء

سلطان محمود نے تھانیسر کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں ہندو شاہی راج کا علاقہ تھا۔ آنند پال کی کافی گوشمالی ہو چکی تھی اس لئے اُس نے نہ صرف مزاحمت نہ کی بلکہ سامانِ رسد پہنچایا۔ اُس نے یہ بھی استدعا کی کہ اگر تھانیسر کے مندروں کو صحیح و سالم چھوڑ دیا جائے تو وہ اس کے عوض ایک خطیر رقم پیش کرے گا۔ مگر محمود نے یہ پیشکش نا منظور کر دی۔ تھانیسر کے راجہ نے دوسرے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن اُس نے یہ کوشش اُس وقت کی جب وقت گزر چکا تھا اور محمود کی فوجیں سر پر آ گئی تھیں۔ راجہ نے مجبور ہو کر راہِ فرار اختیار کی۔ معابد اور شہر سے بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ دارالخلافہ واپس آ کر محمود نے خلیفہ بغداد کو دھمکا کر سمرقند پر قبضہ کر لیا۔

## دسواں حملہ...... 1014-1013ء

آنند پال کے انتقال کے بعد گدی تری لوچن نے سنبھال لی۔ لیکن ہندو شاہی کا

Marfat.com

اصل کرتا دھرتا تری لوچن کا لڑکا بھیم پال تھا جو ''نڈر بھیم'' کے نام سے مشہور تھا۔ بھیم نے آنند پال کی راہ چھوڑ کر دولت یمینی کی مخالفت پر کمر باندھی۔ محمود فوج لے کر بڑھا تو اُس نے دریائے جہلم پر راستہ روکا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ بھیم نے بھاگ کر کشمیر میں پناہ لی۔

## گیارہواں حملہ...... 1015ء

1015ء میں سلطان محمود نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن قلعہ لوہ کوٹ کو فتح نہ کر سکا۔ یہ ہندوستان میں محمود کی پہلی ناکامی تھی۔ غزنی واپس جا کر محمود نے خوارزم کا علاقہ اپنی وسیع وسط ایشیائی سلطنت میں شامل کر لیا۔

## بارہواں حملہ...... 1018-1019ء

ہندو شاہی کو پامال کر کے محمود کے لئے ہندوستان کا راستہ صاف ہو گیا۔ اُس نے وادی گنگ پر کئی زبردست حملے کئے۔ پہلے حملے میں اُس نے پے در پے سات آٹھ اہم مقامات فتح کئے جن میں بلند شہر، متھرا اور میرٹھ کے علاقے میں بھی کامیاب فوج کشی کی۔ محمود کے رُعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کئی مقامات کے راجہ اُس کی آمد کی خبر سن کر حملے سے پہلے ہی بھاگ گئے اور اپنی رعایا اور مندر کے دیوتاؤں کو بے یارومددگار چھوڑ گئے۔ اس لئے اس مہم میں محمود کو زیادہ وقت نہیں لگا اور معابد سے مالِ غنیمت بھی بے حساب ہاتھ آیا۔ متھرا کے مندروں کی طرزِ تعمیر محمود کو اس قدر پسند آئی کہ اُس نے اُن کی تعریف اپنے فتح نامہ میں بھی کی۔ اس حملے کی خبر سارے عالم اسلام میں گونجی تھی۔ عباسی خلیفہ نے محمود کے فتح نامہ کو وصول کرنے کے لئے ایک خصوصی دربار منعقد کیا تھا۔

## تیرھواں حملہ...... 1019-1020ء

محمود کے واپس جانے پر ہندو شاہی کے تری لوچن پال اور کالنجر کے رائے نندا میں محمود کے خلاف اتحاد ہو گیا۔ پس رائے نندا نے قنوج کے راجہ جے پال کو محمود کے حملے

Marfat.com

کے وقت فرار ہو جانے پر ملامت کی اور اُس کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ ان حالات میں محمود کو پھر فوج کشی کرنا پڑی۔ وہ پنجاب سے گزرتا ہوا روہیل کھنڈ کے علاقے میں پہنچا اور دریائے دام گنگا کو مشکوں کی مدد سے پار کر کے تری لوچن پال کی فوج کو منتشر کر دیا۔ کالنجر کا راجہ نبرد آزمائی کے خیال سے ایک بڑی فوج لے کر آگے بڑھا لیکن پھر محمود کے دبدبے سے اس قدر ہراساں ہوا کہ راتوں رات فرار ہو گیا۔ محمود نے اتنے دُور دراز علاقہ میں مزید قیام یا لشکر کشی محفوظ نہ سمجھی۔ کیونکہ پنجاب ابھی تک اُس کے زیرِ نگیں نہ تھا۔ اس لئے کسی مزید فوجی کارروائی کے بغیر محمود واپس آ گیا۔

## چودھواں حملہ...... 1021-1022ء

سلطان محمود کو پنجاب پر پورا قبضہ کرنے کی اہمیت اور ضرورت کا احساس کئی بار ہو چکا تھا کیونکہ اس کے بغیر اُس کی دُور دراز کی مہمیں خطرے سے خالی نہ تھیں۔ اس لئے اس مرتبہ اُس کی معیت میں صرف فوج ہی نہیں بلکہ فوج کے ساتھ انجینئر، بڑھئی، لوہار اور سنگ تراش بھی تھے۔ اس لئے اس بار وہ صرف تاخت و تاراج اور مالِ غنیمت کی خاطر نہیں آیا تھا بلکہ اس کا مقصد پنجاب کو فتح کر کے وہاں منظّم حکومت قائم کرنا تھا۔ اُس نے جنگلات کو صاف کیا۔ لاہور دارالخلافہ بنا اور یہاں کی گورنری محمود نے اپنے چہیتے غلام ایاز کے سپرد کی۔ پنجاب کے مختلف حصے اُس نے اپنے افسروں کے سپرد کر دیئے اور اہم مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ پنجاب کو زیرِ نگیں کر کے محمود کو اپنی آئندہ مہمات کے بارے میں ذرا اطمینان ہوا۔ چنانچہ اُس کی آئندہ دو مہمیں بڑے دُور دراز علاقوں میں ہوئیں۔

## پندرھواں حملہ...... 1022ء

سلطان محمود نے گوالیار کا محاصرہ کیا۔ راجہ نے ہاتھیوں کی پیشکش کی۔ محمود غزنوی نے قبول کی اور محاصرہ اٹھا لیا۔ پھر پورب کی طرف بڑھ کر محمود نے کالنجر کے قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ نے تین سو ہاتھی پیش کئے اور محمود کی تعریف میں ہندی میں کچھ اشعار لکھ کر بھیجے۔ محمود نے پیشکش منظور کی۔ کالنجر مشرقی یو پی ہے۔ محمود نے اس سے پیشتر ہندوستان میں

Marfat.com

اتنے دُور دراز مقام پر فوج کشی نہیں کی تھی۔

محمود کی وسط ایشیائی سلطنت میں ایک نیا خطرہ نمودار ہو رہا تھا۔ سلجوقی ترکوں کا قبیلہ تعداد اور طاقت میں برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ محمود نے اُن کو دریائے آکسس (جیحون) کے پار کے علاقے میں بھیج دیا۔ محمود کے انتقال کے بعد سلجوقیوں نے ایسا سر اٹھایا کہ سارے مغربی اور وسطی ایشیا پر چھا گئے۔

## سولہواں حملہ...... 1026-1025ء (سومنات)

محمود کی آخری عظیم مہم فتح سومنات تھی۔ سومنات جس کے لفظی معنی ''چاند دیوتا'' ہیں۔ وہ شیومت کا بہت بڑا اور مشہور مندر تھا۔ یہ خلیج کچ (کچھ) پر سمندر سے ذرا دُور واقع تھا۔ اس مندر میں چونکہ بے حساب مال و دولت تھی اس لئے اسے قلعہ کی طرز پر بنایا گیا تھا۔

محمود غزنوی ملتان پہنچا۔ ملتان میں اُس نے بڑی احتیاط سے مہم کی تیاری کی اور ریگستانی علاقوں کو عبور کرنے کے لئے پانی کا انتظام کیا۔ پھر اجمیر، جیسلمیر سے ہوتا ہوا 6 دسمبر 1025ء کو سومنات پہنچا۔ اس کوچ کے دوران ایک جگہ ہندو راجاؤں نے اُس کا راستہ روکنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ مندر کے برہمن پجاری فصیلوں پر جمع ہو کر حملہ آوروں کو منہ چڑانے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ سومنات دیوتا ان سب کو ٹھکانے لگا دے گا۔ لیکن مندر کا فوجی افسر دوسروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ سمجھدار اور دُور اندیش تھا اس لئے وہ پہلے ہی فرار ہو گیا۔

محمود نے محاصرہ شروع کیا۔ مندر کے محافظ سپاہیوں اور پجاریوں نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ مسلمان کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے لیکن محافظوں نے اُنہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے روز مسلمانون نے مندر پر سخت حملہ کیا۔ محافظوں کے پیر اُکھڑ گئے اور مندر پر قبضہ ہو گیا۔ مندر کے سپاہی بڑی تعداد میں مارے گئے اور انہوں نے پانی کی راہ سے بچنا چاہا مگر اُن کی کشتیاں غرقاب کر دی گئیں۔

کوئی دو ہفتے کے قیام کے بعد محمود بے حساب مالِ غنیمت کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔ پاس پڑوس کے ہندو راجاؤں نے جب سومنات کے حملے کا حال سنا تو وہ ''آبو'' کے راجہ

Marfat.com

پرم دیو کی سرکردگی میں محمود کا راستہ روکنے کے لئے جمع ہوئے۔محمود کی فوج بے شمار مال و دولت سے لدی ہوئی تھی اس لئے اس نے اجمیر کا راستہ چھوڑ کر سندھ کا رُخ کیا۔خلیج میں پانی پایاب تھا۔اُسے گھوڑوں پر سوار ہو کر عبور کیا گیا۔کچھ دنوں راستہ بھٹک کر محمود منصورہ (بھکر، سندھ) پہنچا۔منصورہ فتح ہوا اور وہاں کے قرامطہ کو تہہ تیغ کیا گیا۔ملتان کے کوچ میں محمود کی فوج کو جاٹوں کے ہاتھ بڑی مصیبت اٹھانی پڑی۔محمود 2 اپریل 1026ء کو غزنی پہنچا۔

## آخری حملہ...... 1026ء

سلطان محمود غزنوی کی آخری مہم اُن جاٹوں کی سرکوبی کے لئے تھی جنہوں نے اُسے واپسی میں پریشان کیا تھا۔جنگی اعتبار سے یہ لڑائی بڑی دلچسپ ہے اور اس سے محمود غزنوی کی عسکری ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔اُس نے حکم دیا کہ چودہ سو کشتیاں اس طرح تیار کی جائیں کہ ان کی اگلی طرف اور دونوں سمت لوہے کی نوک دار سلاخیں لگی ہوں۔ان کشتیوں میں ماہر تیر اندازوں کی ایک فوج کے علاوہ دستی بم اور نفت کے بنے ہوئے آتش گیر گولے تھے۔ یہ فوجی بیڑہ دریائے سندھ کے دھارے کے ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوا۔اس کے ساتھ دریا کے دونوں جانب سوار فوج کے دستے تھے۔ جاٹوں کو پتہ چلا تو انہوں نے بال بچوں کو کہیں اور بھیج دیا اور خود چار ہزار کشتیوں کا بیڑا بنا کر جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ جاٹوں کی کشتیاں جب گھمسان کی لڑائی کے دوران محمود کی کشتیوں کے پاس آئیں تو نوکدار سلاخوں سے ٹکرا ٹکرا کر ڈوب گئیں۔اس طرح جاٹوں کو شکست ہوئی۔ جو بچ کر کناروں پر پہنچے، انہیں سوار دستوں نے ٹھکانے لگا دیا۔

اس مہم کے دوران محمود کو ملیریا ہو گیا جس نے رفتہ رفتہ دِق کی شکل اختیار کر لی۔محمود نے بیماری کا بھی بہادری سے مقابلہ کیا اور معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔اُس نے اپنی سلطنت کا دورہ بھی ترک نہ کیا۔ جب اُسے محسوس ہوا کہ اُس کا آخری وقت آ پہنچا تو اُس نے حکم دیا کہ شاہی خزانے، تمام ہیرے جواہرات اور قیمتی اشیاء اُس کے سامنے پیش کی

Marfat.com

جائیں۔ جب ساری اشیاء اُس کے سامنے سجا دی گئیں تو انہیں دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بقول ڈاکٹر ناظم شاید انہیں دیکھ کر لڑائیوں کے ہولناک مناظر، زندگی اور موت کی کشمکش، عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا ہو گا۔

سلطان محمود کا آخری حملہ یعنی سومنات پر حملہ سترہواں تھا اس کی کچھ تفصیل اگرچہ اوپر دی گئی ہے۔ مگر اس آخری حملہ کا تقاضہ ہے اسے اور زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے۔ یہ تفصیل ہم آپ کی خدمت میں تاریخ فرشتہ کے حوالے سے پیش کریں گے۔ مگر اس سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ غزنویہ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ یہ نسب نامہ ہم آپ کی خدمت میں تاریخ ایران کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔

## خاندانِ غزنویہ

### 351ھ تا 557ھ مطابق 962ء تا 1186ء

الپتگین، عبدالملک ساسانی کا غلام تھا۔ اپنی ذہانت، وفاداری اور شجاعت کی بنا پر عبدالملک کی طرف سے خراسان کا والی مقرر ہوا۔ منصور بن نوح ساسانی کے تخت نشین ہونے پر الپتگین 352ھ میں وفات پا گیا تو اُس کا بیٹا اسحاق بن الپتگین تخت نشین ہوا۔ اسحاق نے اپنے آپ کو اچھا ناظم و حاکم ثابت نہ کیا۔ اُس کا غلام بلک تکین، اسحاق کو حکومت چلانے میں مدد دیتا رہا۔ 355ھ میں بلک تکین نے غزنہ میں حکومت کا اعلان کر دیا۔ بلک تکین سات سال تک حکمران رہا۔ اس کے بعد 362ھ میں الپتگین کا ایک اور غلام پیری حکمران رہا۔ پیری صرف چار سال تک حکومت کر سکا۔ سبکتگین جو الپتگین کا غلام تھا اور بعد میں اُس کا داماد بھی بن گیا، پیری کو ہٹا کر 366ھ میں خود بادشاہ غزنی بن بیٹھا۔ سبکتگین نے سلطنت غزنی کو بہت مضبوط کیا اور حقیقت میں یہی شخص غزنوی خاندان کا صحیح بانی ثابت ہوا۔

سبکتگین اور اس کے بعد آنے والے غزنوی بادشاہوں کی ترتیب درج ذیل ہے۔

Marfat.com

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 1) | الپتگین | 351ھ | تا | 352ھ |
| 2) | اسحاق بن الپتگین | 352ھ | تا | 355ھ |
| 3) | بلک تگین | 355ھ | تا | 362ھ |
| 4) | پیری | 362ھ | تا | 366ھ |
| 5) | ناصر الدین سبکتگین | 366ھ | تا | 386ھ |
| 6) | اسمٰعیل بن سبکتگین | 386ھ | تا | 387ھ |
| 7) | سلطان محمود غزنوی بن سبکتگین | 387ھ | تا | 421ھ |
| 8) | جلال الدین محمود | 421ھ | تا | 421ھ |
| 9) | مسعود بن محمود | 421ھ | تا | 431ھ |
| 10) | مودود بن مسعود | 431ھ | تا | 440ھ |
| 11) | مسعود بن مودود | 441ھ | تا | 441ھ صرف ایک ماہ |
| 12) | بہاؤ الدین بن مسعود | 441ھ | تا | 441ھ صرف چار ماہ |
| 13) | عزت الدولہ بن مسعود | 441ھ | تا | 444ھ |
| 14) | طغرل (غاصب) | 444ھ | تا | 444ھ |
| 15) | جمال الدولہ بن مسعود | 444ھ | تا | 451ھ |
| 16) | ظہیر الدولہ بن مسعود | 451ھ | تا | 492ھ |
| 17) | علاؤ الدولہ بن مسعود | 492ھ | تا | 508ھ |
| 18) | کمال الدولہ بن مسعود | 508ھ | تا | 509ھ |
| 19) | سلطان الدولہ بن مسعود | 509ھ | تا | 512ھ |
| 20) | بہرام بن مسعود | 512ھ | تا | 547ھ |
| 21) | خسرو شاہ بن بہرام | 547ھ | تا | 555ھ |
| 22) | تاج الدولہ بن خسرو | 555ھ | تا | 557ھ وفات 582ھ |

Marfat.com

## ناصر الدین سبکتگین...... 366ھ تا 386ھ

سبکتگین دراصل الپتگین کا غلام تھا اور یزدجرد سوم کی نسل میں سے تھا۔ اُس نے امیر نوح سامانی کی درخواست پر خراسان فتح کیا۔ اس پر امیر نوح نے اُس کو ناصر الدین کا خطاب دیا اور اُس کے بیٹے محمود کو سیف الدولہ کے خطاب سے نوازا۔ سبکتگین نے 386ھ میں وفات پائی۔

## اسمٰعیل بن سبکتگین...... 386ھ تا 387ھ

سبکتگین کے بعد اُس کے بیٹے اسمٰعیل نے غزنی اور بلخ کے علاقوں کی عنانِ حکومت سنبھالی لیکن وہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا کیونکہ اُس کے بڑے بھائی (سلطان محمود) نے 387ھ میں حملہ کر کے حکومت اُس سے چھین لی اور وہ سریر آرائے غزنی ہوا۔ البتہ صرف بلخ کا علاقہ اسمٰعیل کو لوٹا دیا جہاں وہ چار سال تک حکمرانی کرنے کے بعد اپنی موت مر گیا۔

## یمین الدولہ سلطان محمود بن سبکتگین

یمین الدولہ سلطان محمود، غزنوی خاندان کا سب سے نامور بادشاہ تھا۔ اُس نے غزنوی حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ ڈیڑھ صدی تک اس خاندان کے بادشاہ ایران، افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ وہ ایک زبردست فاتح بادشاہ تھا۔ وہ اپنے دل میں استوار ترین دین اسلام کی حرارت رکھتا تھا۔ ان فتوحات اور ایمان کی پختگی کی بنا پر خلیفہ قادر باللہ نے اُسے ''سلطان'' کا لقب دیا اور امین الملت و یمین الدولہ کا خطاب دیا۔ ایران میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- 396ھ میں سب سے پہلے وہ سیستان فتح کر کے اپنے تصرف میں لایا۔

2- 401ھ میں غور پر حملہ کر کے محمد سوری اور اُس کے بیٹے حسن کو قید کر دیا۔

Marfat.com

3- 405ھ میں سلطان نے خوارزم پر حملہ کر کے اُس کو اپنی سلطنت کا جز بنایا۔

4- 407ھ میں ماور النہر اور اُس کے دیگر شہروں مثلاً سمرقند و بخارا کا الحاق اپنی حکومت سے کیا۔

5- 420ھ میں سلطان نے ''رے'' پر حملہ کر کے مجد الدولہ بن فخر الدولہ کو شکست دی اور اُسے گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے آیا۔

6- اس کے بعد سلطان نے عراق، عجم اور اصفہان کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ایران کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیے۔ ہندوستان پر سلطان نے متعدد حملے کیے جس میں مشہور حملے پشاور اور سومنات پر تھے۔ وہاں سے اُس نے بہت سی دولت جمع کی۔

اب ہم آپ کو اپنے وعدے کے مطابق ''تاریخ فرشتہ'' کی طرف لئے چلتے ہیں جہاں سے سلطان محمود غزنوی کی مکمل اور مفصل فتوحات کا حال بیان کریں گے۔ خاص کر سلطان کے آخری معرکہ یعنی فتح سومنات کا تفصیلی حال پیش کریں گے۔

سلطان محمود نے پنجاب سے لے کر ایران کی مغربی حدود تک تقریباً 34 سال تک کامیاب حکومت کی۔ سلطان محمود ایک بہترین با ذوق آدمی تھا۔ سیاست کے ساتھ اُس کو مذہب، معاشرت، طب اور حکمت سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ شاہنامہ کا مصنف فردوسی طوسی، حکیم بوعلی سینا، مشہور شاعر اور فلاسفر ناصر خسرو اور ابو ریحان شہاب الدین اُس کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ اُس نے ایران کے علاوہ ہندوستان کے بھی بہت سے علاقوں کو فتح کیا۔ جس میں پشاور، پنجاب اور سومنات تھے۔ اس وقت ہم آپ کے سامنے سلطان محمود کے ہند پر سترہویں حملہ یعنی سومنات پر حملہ کی پوری تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

## سومنات کی فتح

سلطان محمود غزنوی کو اُس کے چند قابل اعتبار لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (موت کے بعد) انسان کی رُوح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر رُوح کو اُس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے

Marfat.com

تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ دریا کا اُتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی عبادت ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جنہیں محمود نے پاش پاش کیا ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا۔ اس لئے اُس نے ان بتوں کی طرفداری نہیں کی ورنہ اُس میں اس قدر قوت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحہ میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ برہمنوں کے اعتقاد کے مطابق سومنات بادشاہ ہے اور باقی تمام بت اُس کے دربان اور مصاحب ہیں۔

محمود نے جب یہ بے معنی افسانے سنے تو اُس کے دل میں جہاد کا شوق پھر چٹکیاں لینے لگا اور اُس نے سومنات کو فتح کرنے اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس مقصد کے پیش نظر سلطان محمود نے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور دیگر تیس ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ کے جہاد کے لئے آئے ہوئے تھے اور پھر بیس شعبان 415ھ کو سومنات کی طرف چل پڑا۔

## سومنات کی حقیقت

اُس زمانہ میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا اور یہ بحیرۂ عرب کے کنارے واقع تھا۔ یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں میں کعبہ جیسی اہمیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ شہر بندر دیو میں ہے۔ بعض تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چند غیر مسلم ایک بت خانہ کعبہ سے ہندوستان لائے تھے۔ اُس بت کا نام سومنات تھا۔ اُسے اس جگہ نصب کیا گیا۔ لہٰذا اُس مقام کا نام بھی سومنات رکھا گیا۔ لیکن برہمنوں کی ان کتابوں سے جو اسلام کے ظہور سے کئی ہزار سال پہلے تصنیف کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ ان کتابوں کے مطابق یہ بت سری کرشن کے زمانہ سے تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے مطابق سری کرشن نے اس جگہ دنیا اور اہل دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔

Marfat.com

## سلطان محمود کی روانگی

رمضان المبارک 415ھ کے وسط میں سلطان محمود معہ اپنے لشکر کے ملتان پہنچا۔ یہاں سے آگے راستے میں ایک خشک اور بے آب و گیاہ جنگل پڑتا تھا۔ اس لئے سلطان نے سب کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند روز کا غلّہ پانی رکھیں۔ اس کے علاوہ خود اُس نے بھی بیس ہزار اُونٹوں پر غلّہ اور پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب اس خطرناک جنگل کا سفر ختم ہو گیا تو محمودی لشکر اجمیر کی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔ اجمیر کا راجہ، محمود کی خبر سن کر روپوش ہو گیا تھا۔ اس لئے حسب معمول سلطانی لشکر نے جی کھول کے اس شہر کو تاراج کیا لیکن اجمیر کے قلعہ کو تسخیر کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ سلطان کا ارادہ سومنات کو فتح کرنے کا تھا۔ لہٰذا یہ لشکر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

راستے میں سلطان محمود غزنوی کو کچھ اور قلعے بھی ملے۔ اگرچہ اُن قلعوں میں بہادر سپاہی بھی تھے اور سامانِ جنگ کی بھی فراوانی تھی لیکن محمود کے سر پر خدا کی رحمت کچھ اس طرح سایہ کئے ہوئے تھی کہ ان قلعوں میں بسنے والوں نے بجائے جنگ کرنے کے محمود کے خوف سے اپنے قلعے معہ تمام مال و اسباب کے محمود کے سپرد کر دیئے۔ ان قلعوں سے فرصت حاصل کرنے کے بعد محمود ہزدالہ میں جسے پٹن بھی کہا جاتا ہے، پہنچا۔ اس شہر کے تمام باشندے سلطان محمود کے خوف سے شہر خالی کر کے کہیں اور چلے گئے تھے۔ لہٰذا محمود کے حکم سے اس شہر کا تمام غلّہ اپنے ساتھ لاد لیا گیا اور اس کے بعد لشکر نے بڑی تیز رفتاری سے سفر طے کیا اور سومنات کے قریب جا پہنچا۔

## سومنات میں آمد

جب مسلمانوں کا لشکر سومنات کے قریب دریا کے کنارے پر پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت ہی بلند ہے اور دریا کا پانی قلعہ کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔ اہل سومنات قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے اور چلا چلا کر مسلمانوں سے کہہ رہے تھے۔

Marfat.com

"ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ لایا ہے تا کہ ایک ساتھ ہی تم سب کو تباہ کر دے اور اس صورت سے تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے جنہیں تم نے پاش پاش کیا ہے۔"

## آغازِ جنگ

مسلمانوں کے زبردست لشکر نے اپنے دلیر اور باہمت بادشاہ سلطان محمود غزنوی کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعہ کی دیوار کے نیچے آ کر معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی یہ ہمت اور اُولوالعزمی دیکھی تو وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے قلعہ کی دیوار سے نیچے قلعہ کے اندر اُتر گئے اور مندر میں جا کر سومنات سے فتح کی دُعائیں مانگنے لگے۔ مسلمان بہت سی سیڑھیاں لگا کر قلعہ کے ایک حصے پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ اُس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی۔ جب رات کے آثار نمایاں ہونے لگے اور چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا تو اسلامی لشکر اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آ گیا۔

دوسرے دن صبح کو مسلمانوں نے پھر حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعہ کے اُس حصے سے پسپا کر دیا اور گزشتہ دن کی طرح سیڑھیاں لگا کر قلعہ کے چاروں طرف سے اہل قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر اہل سومنات مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر اور سومنات کے بت سے بغلگیر ہو ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ "مارو، مارو" کی آوازیں لگاتے ہوئے وہ اس قدر لڑے کہ ایک ایک کر کے تقریباً سبھی ہلاک ہو گئے۔

اس معرکہ میں مسلمانوں نے بھی شہادت حاصل کی مگر اتنی نہیں کہ وہ بد دِل ہو جاتے یا اُن کی ہمتیں ٹوٹ جاتیں۔ جنگ کے تیسرے دن ہندوؤں کے وہ لشکر جو قلعہ کے آس پاس ڈیرے ڈالے پڑے تھے، وہ قلعہ والوں کی مدد کو آئے۔ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مگر سلطان نے اُس وقت اپنی فوج کے ایک بڑے حصہ کو قلعہ کے محاصرے سے

Marfat.com

واپس بلا لیا اور اُسے ساتھ لے کر بیرونی لشکر سے معرکہ آرا ہوا۔

یہ بڑی شدید جنگ تھی۔ میدانِ جنگ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ جنگ اس قدر شدید تھی کہ دیکھنے والوں کے دل لرزے جا رہے تھے۔ میدان میں ''پرم دیو'' اور ''وابشلیم'' کے لشکروں کے آ جانے سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں خدانخواستہ مسلمانوں کے قدم نہ اُکھڑ جائیں۔ سلطان محمود بھی جنگ کی صورت حال سے اس قدر پریشان ہوا کہ ایک گوشہ میں گیا اور وہاں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں سر جھکا دیا اور خداوند تعالیٰ سے فتح کی دُعا مانگی۔

اس دُعا سے اُس کے دل کو بہت تقویت پہنچی اور اُس نے ہندوؤں پر ایک ایسا منظّم حملہ کیا کہ ہندوؤں کے قدم اُکھڑ گئے اور فتح سلطان محمود کو حاصل ہوئی۔

یہ ایک عظیم معرکہ تھا۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار سومناتی مارے گئے۔ باقی جو چار ہزار رہ گئے تھے انہوں نے جنگ سے منہ موڑا اور اپنی جانیں بچا کر دریا کی طرف بھاگ نکلے۔ دریا میں کشتیاں پہلے سے موجود تھیں۔ اُن میں سوار ہو کر یہ بھگوڑے جزیرہ سراندیپ کی طرف بھاگے کہ وہاں پہنچ کر پناہ حاصل کریں اور جانیں بچائیں۔

سلطان محمود کو اس کا پہلے خطرہ تھا اور اُس نے اس کا یہ انتظام کیا تھا کہ دریا میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں فوجیوں کو بٹھا کر اُنہیں بھاگنے والوں کو راستہ نہ دینے اور اُنہیں دریا برد کرنے کا پہلے ہی حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ جب بھاگنے والے کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگے تو اُن کا راستہ مسلمانوں کی حملہ آور کشتیوں نے روک لیا اور اُنہیں دریا بُرد کر دیا۔ یہ بھی سلطان محمود کی ایک عظیم فتح تھی کہ اس معرکہ میں چار ہزار ہندو غرقاب ہو گئے تھے۔

## عظیم فتح کے بعد

جب سلطان کو یہ عظیم فتح حاصل ہوئی اور اُسے ہندوؤں کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو وہ اپنے بیٹوں اور معززین لشکر کو ساتھ لے کر سومنات کے عظیم اور پراسرار قلعہ میں داخل ہوا۔ اُس نے قلعہ کے ہر ہر حصہ کو دیکھا، پھر ایک اندرونی راستے

Marfat.com

کے ذریعہ سومنات کے بت خانے کے اندر پہنچا۔ یہ بت خانہ کافی طویل اور عریض تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اُس کی چھت 56 ستونوں پر قائم تھی۔ بت خانہ کے اندر ''سومنات'' کا بت رکھا ہوا تھا۔ سومنات کے بت کی بلندی پندرہ فٹ تھی جس کا چھ فٹ حصہ زمین کے اندر اور نو فٹ اوپر تھا۔ یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔

سلطان محمود نے اس بت کو دیکھا تو اُس کی اسلامی محبت نے جوش مارا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا۔ پس اُس نے وہ گرز سومنات کے بت کے منہ پر دے مارا جس سے بت کا منہ ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے حکم دیا۔

''اس بت کے دو ٹکڑے الگ کیے جائیں اور انہیں غزنی بھجوا دیا جائے۔''

چنانچہ سلطان کے حکم کی تعمیل فوراً ہوئی اور ایک ٹکڑا جامعہ مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ٹکڑا ایوانِ سلطنت کے صحن میں رکھا گیا۔ چنانچہ اُس وقت سے یعنی سات سو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ دونوں ٹکڑے اپنی اپنی جگہ آج بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بت سے دو ٹکڑے اور الگ کیے جنہیں مکہ اور مدینہ بھجوایا گیا تاکہ انہیں عام راستے پر رکھ دیا جائے اور انہیں دیکھ کر مسلمان عوام و خواص سلطان محمود غزنوی کی عظمت، جرأت اور ہمت کی داد دیں۔

تواریخ اسلام میں اس واقعہ کو پوری صحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس وقت سلطان محمود نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا حکم دیا اُس وقت ہندو معززین اور برہمنوں نے سلطان کے حضور درخواست پیش کی کہ سومنات کے بت کو توڑنے کی بجائے اسے اسی طرح رہنے دیا جائے جس کے صلے میں وہ دولت کی ایک بہت بڑی مقدار سلطان کو ادا کرنے پر تیار ہیں۔ چنانچہ معززین اور مقربین سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا۔

''اس درخواست کو قبول کر لینے سے ہمارا فائدہ ہے۔ کیونکہ بت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر یا ملک سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہو گا۔ ہاں اگر ہم اس کے صلہ میں ایک معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔''

Marfat.com

اس کے جواب میں سلطان محمود نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔

''معززین اور مقربین جو کہتے ہیں وہ صحیح ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے ''محمود بت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے ''محمود بت شکن'' کے نام سے پکارا جائے نہ کہ ''محمود بت فروش'' کے نام سے۔

محمود کی نیک نیتی اُس وقت رنگ لائی جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے ان گنت اور بیش قیمت جواہرات اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ رقم سے سو گنا زیادہ تھی۔

## سومنات کے لفظ کی اصلیت

مستند کتاب ''جبب السیر'' میں لکھا ہے کہ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''سومنات'' اُس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے تمام باشندے بتوں کا سردار مانتے ہیں۔ لیکن حضرت شیخ فرید الدین عطار کے قول کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''سومنات'' ''سوم'' اور ''نات'' سے مرکب ہے۔ ''سوم'' مندر کا نام ہے اور ''نات'' اُس بت کا نام ہے جو مندر میں رکھا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں صاحب تاریخ فرشتہ کا خیال ہے کہ جو کچھ قدیم مؤرخین نے لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت عطار کا قول بھی اُن مؤرخین کے بیان کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ لفظ سومنات ''سوم'' اور ''نات'' سے مرکب ہے۔ لیکن سوم اُس راجہ کا نام ہے جس نے یہ بت بنایا اور ''نات'' خود اُس بت کا نام ہے۔ دونوں لفظ استعمال کی کثرت کی وجہ سے لفظ ''بعلبک'' کی طرح ایک ہو گئے۔ اور یہ مفرد لفظ اُس بت کا نام پڑ گیا۔ بلکہ یہاں تک ہوا کہ مندر اور شہر تک اس نام سے موسوم ہو گئے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اگر بت کا نام سومنات ہو یا ''نات'' دونوں ہی درست ہیں۔

ہندی زبان میں ''نات'' کے معنی بزرگ یا بڑے کے ہیں۔ جیسا کہ الفاظ ''جگ

Marfat.com

نات'' وغیرہ سے ظاہر ہے کہ جگنات بھی ''جگ'' اور ''نات'' سے مرکب ہے۔ ''جگ'' کے معنی خلائق کے ہیں اور ''نات'' کے معنی خالق۔ لیکن ازروئے محاورہ اب ان الفاظ کے لغوی معانی کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دونوں لفظ مل کر اسم مفرد کی صورت میں کسی خاص شخص کا نام سمجھے جاتے ہیں۔

## سومنات کا مندر

یہ مندر ہندوؤں میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ جب چاند گرہن یا سورج گرہن پڑتا تو اس مندر میں دو ڈھائی لاکھ آدمیوں کا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لوگ دُور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے آتے تھے۔ ہندوستان کے راجے مہاراجے اس مندر کے اخراجات کے لئے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وقف کیا کرتے تھے۔ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے اس مندر پر حملہ کیا اس وقت تقریباً دو ہزار گاؤں اور قصبوں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لئے وقف تھی۔ اس مندر میں ہر وقت دو ہزار کے قریب برہمن پوجا پاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ پجاری اس مندر کو رات کے وقت گنگا کے پانی سے اشنان دیا کرتے تھے۔ اس بات کا خیال رہے کہ دریائے گنگا وہاں سے تقریباً بارہ سو میل کے فاصلہ پر تھا۔

اس مندر کے اندر ایک طرف سے دوسری طرف تک ایک خالص سونے کی زنجیر لٹکتی تھی۔ پوجا کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا تو گھنٹیاں بجنے لگتیں۔ گھنٹیوں کی آواز پر پجاری عین پوجا کے وقت مندر میں جمع ہو جاتے تھے۔ یہاں گانے بجانے والی عورتوں کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی اور مرد سازندے تین سو کے قریب تھے۔ ان کے اخراجات وقف شدہ قصبوں اور گاؤں کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔ تقریباً تین سو حجام پجاریوں کے سر اور داڑھیاں مونڈنے کے لئے وہاں موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے راجے مہاراجے اپنی کنواری لڑکیوں کو سومنات کی خدمت کے لئے بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر کے مختلف کام سرانجام دیتی تھیں۔

سلطان محمود غزنوی کو اس مندر سے اس قدر زیادہ چاندی، سونا اور جواہرات حاصل

Marfat.com

ہوئے تھے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاریخ ''زین المسافر'' کے مطابق مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں سومنات کا بت ایستادہ تھا بالکل تاریک تھی۔ مگر وہاں کا اندھیرا وہاں رکھے ہوئے جواہرات کی قندیلوں میں رکھے اور جڑے ہوئے جواہرات سے روشنی اور چمک میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ یعنی وہ مقام جواہرات کی روشنی سے اس قدر تاباں اور درخشاں تھا جیسے وہاں سورج چمک رہا ہو۔ اسی تاریخ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سومنات کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے بڑے بت اتنی بڑی تعداد میں حاصل ہوئے جن کی قیمت کا اندازہ ممکن نہیں۔ بس حکیم نے اس کے بارے میں کہا ہے۔

کعبہ و سومنات چوں افلاک۔ شدز محمود از محمد پاک

ایں زکعبہ بردی انداخت۔ آں زکیں سومنات را پرداخت

## ہزدالہ کے راجہ کی سرزنش

جب سلطان محمود غزنوی، سومنات کی تباہی اور غارت گری سے بالکل فارغ ہوا تو اُس نے ہزدالہ کے عالیشان راجہ ''پرم دیو'' کا مزاج درست کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ جن دنوں محمود غزنوی سومنات کا محاصرہ کئے ہوئے تھا انہی دنوں راجہ پرم دیو نے سومنات کی مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ اس لشکر سے جنگ کے دوران تقریباً دو تین ہزار مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ پس سلطان محمود کے دماغ میں راجہ کی جسارت اور مداخلت کا خیال جاگزیں ہو گیا تھا اور اُس نے راجہ سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سومنات کی فتح کے بعد راجہ پرم دیو اپنی راجدھانی ہزدالہ سے فرار ہو کر ''کندھ'' کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ کندھ، سومنات سے تقریباً اسّی میل دُور تھا۔ سلطان نے اس فاصلے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے راجہ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ پس وہ لشکر کے ساتھ کندھ جا پہنچا۔ جب سلطان کندھ پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ وہاں قلعہ کے گرداگرد ایک بڑی خندق تھی جو پورے قلعہ کندھ کو گھیرے ہوئے تھی۔ یہ خندق پانی سے لبالب بھری تھی اور اُسے عبور کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ سلطان کے لشکر کے غوطہ خوروں نے اس خندق کی گہرائی معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس کی ''تھاہ'' نہ ملی۔

Marfat.com

آخر ہندی غوطہ خوروں نے ایک ایسی جگہ کا پتہ چلا لیا جہاں گہرائی نسبتاً کم تھی اور وہاں سے خندق عبور کی جاسکتی تھی۔ ان غوطہ خوروں نے بتایا کہ اگر اسے عبور کرتے وقت پانی میں ہلچل پیدا ہوگئی تو سارا لشکر تباہ ہو جائے گا۔ یہ معلوم ہونے پر سلطان محمود غزنوی نے کلام اللہ سے استخارہ کیا اور اجازت ملنے پر خدا کی ذات بابرکات پر بھروسہ کر کے سلطان اور اُس کے امیروں نے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے اور اس طرح سارا لشکر صحیح وسلامت خندق پار کر گیا۔ پار اُترتے ہی سلطان نے فوراً حملہ کر دیا۔ راجہ پرم دیو اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور بھیس بدل کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر وہ بچتا بچاتا فرار ہو گیا۔

## کندھ پر قبضہ

راجہ کے فرار ہوتے ہی اہل قلعہ نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ اسلامی لشکر فوراً قلعہ میں داخل ہو گیا۔ وہاں کچھ خونریزی بھی ہوئی اور قلعہ پر آخر کار قبضہ ہو گیا۔ ہندو بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ سلطان نے حکم دیا۔

"راجہ پرم دیو کے خزانے کی تمام دولت شاہی خزانے میں جمع کر دی جائے۔"

سلطان کے حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔

قلعہ پر قبضہ کے بعد سلطان محمود نے خاص ہزدالہ کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کے سلطان کو اندازہ ہوا کہ وہاں کے باشندوں کا حُسن و جمال، زمین کی شادابی، بہترین آب و ہوا اور صاف شفاف پانی اور دولت کی فراوانی کے لحاظ سے یہ شہر ہندوستان کا بہترین علاقہ ہے۔ سلطان نے سوچا کہ یہاں چند سال رہا جائے۔ پھر اُس کے دل میں یہ اُمنگ بھی پیدا ہوئی کہ اس شہر کو اپنی سلطنت کا مرکزی مقام (دارالسلطنت) بنائے اور غزنی کی حکومت سلطان مسعود کے حوالے کر دے۔

بعض تاریخوں میں یہ بھی درج ہے کہ محمود کی اس خواہش کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُس زمانہ میں ہزدالہ میں خالص سونے کی چند کانیں بھی تھیں۔ انہی کے لالچ میں سلطان محمود اس شہر پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ روایت درست ہو مگر اس وقت تو ہزدالہ میں

Marfat.com

سونے کی کسی کان کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ کانیں معدوم ہوگئی ہوں۔ کیونکہ محمود کے زمانہ میں سیستان میں سونے کی ایک کان تھی لیکن اس کے آخری زمانہ میں وہ معدوم ہوگئی تھی۔

## پیکو اور سراندیپ پر حملے

سلطان محمود غزنوی کے دل میں خیال آیا کہ ان بندرگاہوں پر قبضہ کیا جائے جہاں یاقوت اور سونے کی کانیں ہیں۔ اس خواہش کے پیش نظر سلطان نے لشکریوں کو کشتیوں پر بٹھا کر ان جزیروں تک پہنچانے کا حکم دیا تا کہ وہاں سے بیش قیمت اشیاء کا حصول ہو سکے۔

لیکن اُس کے ارکانِ سلطنت میں سے ایک نے کہا۔

''ہم نے خراسان کو ایک عرصہ کے بعد گندگی اور آلودگی سے پاک کیا ہے اور اس گرانقدر جواہر پر بہت سی گرانقدر جانوں کا نذرانہ دیا ہے۔ اس قربانی کے پیش نظر اس شہر کو چھوڑ کر گجرات کو دارالسلطنت بنانا کوئی دُور اندیشی کی بات نہیں۔''

بات معقول تھی۔ اس لئے سلطان نے اسے شرفِ قبولیت بخشا اور اس نے غزنی کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

## حکمران کا انتخاب

روانگی کے وقت سلطان نے اپنے درباریوں سے کہا۔

''کسی ایسے شخص کا انتخاب کرو جسے اس ملک کا حاکم بنایا جائے۔''

درباریوں نے باہم مشورہ کے بعد عرض کیا۔

''چونکہ اس علاقے کی طرف ہماری واپسی کا ارادہ نہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ یہیں کے کسی شخص کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جائے۔''

اسی طرح یہاں کے باشندوں سے بھی باہم مشورہ کیا۔ معززین شہر نے عرض کیا۔

''اس شہر کے باشندوں میں کوئی خاندان یا گروہ حسب ونسب میں وابشلیم خاندان کی

Marfat.com

برابری نہیں کر سکتا۔ آج کل اس خاندان کا ایک فرد برہمنوں کا بھیس بدل کر عبادت و ریاضت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اگر جہاں پناہ یہ ملک اُس کے حوالے کر دیں تو مناسب ہوگا۔''

لیکن وہاں کے ایک اور خاندان کے فرد نے اس کی مخالفت کی اور عرض کیا۔

''وابشلیم کا یہ فرد بہت تند مزاج اور خشک طبیعت انسان ہے۔ اُس نے کئی مرتبہ حکمران بننے کا خواب بھی دیکھا اور ہر مرتبہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور مندر میں جان بچانے کے لئے پناہ گزین ہو گیا۔ اُس کی عبادت اور ریاضت سچے دل سے نہیں ہے بلکہ زمانہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس نے یہ بھیس بنایا ہے۔ ہاں اُس کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص ایسا ضرور موجود ہے جو بڑا عقلمند اور سمجھدار ہے اور ہندوستان کے تمام برہمن اُس کی ہر بات کو عقل اور فراست کا جوہر سمجھ کر فوراً قبول کر لیتے ہیں اور وہ شخص فلاں ملک کا حاکم بھی ہے۔ اگر جہاں پناہ اُس کے نام اس ملک کا فرمان صادر فرمائیں گے تو وہ بڑے خلوص سے خدمت عالی میں حاضری دے گا۔ اس کے علاوہ وہ مقررہ خراج بھی شاہی خزانے میں داخل کرتا رہے گا۔''

سلطان محمود نے اس کے جواب میں کہا۔

''اگر وہ شخص خود میرے پاس آ کر یہ درخواست کرتا تو ممکن تھا کہ میں اُس کی درخواست قبول کر لیتا۔ لیکن اس قدر وسیع ملک ایک ایسے شخص کے حوالے کرنا جسے میں نے دیکھا تک نہیں اور جو خود بھی ایک ملک کا حکمران ہے، کسی طرح بھی مناسب نہیں۔''

## وابشلیم کا ہزدالہ کا حاکم ہونا

ان تمام مشوروں کے بعد آخر کار سلطان محمود غزنوی نے وابشلیم مرتاض کو ہزدالہ کی حکمرانی کے لئے منتخب کر لیا۔ اُسے بلایا گیا اور ہزدالہ کی حکومت اُس کے سپرد کر دی گئی۔

وابشلیم نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی سے عرض کیا۔

''میرا ہم قوم فلاں وابشلیم میرا جانی دشمن ہے۔ اُسے جب یہ معلوم ہوگا کہ آپ مجھے ہزدالہ کی حکومت سونپ کر اپنے ملک واپس چلے گئے ہیں تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر ضرور

Marfat.com

حملہ کرے گا۔ چونکہ اس وقت میری حکومت کی بنیادیں پوری طرح مضبوط نہیں ہیں اس لئے اُس کے غالب آ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ مجھ پر اتنا کرم اور کریں کہ اس دشمن کی شرارتوں سے مجھے مطمئن کر دیں تو میں اس عنایت کے شکرانے کے طور پر کابل اور زابل کے خراج سے دوگنی رقم شاہی خزانہ میں ہر سال جمع کیا کروں گا۔''

اس کے جواب میں سلطان محمود نے فرمایا۔

''ہم لوگ اپنے ملک سے جہاد ہی کے لئے نکلے ہیں اور دو سال گزر چکے ہیں کہ ہم نے غزنی کی صورت نہیں دیکھی۔ اگر ہم تمہارے دشمن وابشلیم پر لشکر کشی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم چھ مہینے اور اپنے وطن سے دُور رہیں گے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی رضا پر چلنے والوں کے لئے دو سال اور ڈھائی سال برابر ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ہم چلتے چلاتے اس قصہ کو ختم کر دیں۔''

## وابشلیم دشمن مرتاض پر حملہ

اس کے بعد سلطان محمود نے اپنے لشکر کو وابشلیم مرتاض کے ملک کی طرف روانہ کیا۔ پھر خود سلطان نے وہاں پہنچ کے تھوڑی ہی مدت میں اُس ملک کو فتح کر لیا اور راجہ وابشلیم (دشمن مرتاض) کو گرفتار کر کے مرتاض کے حوالے کر دیا۔ وابشلیم مرتاض نے سلطان محمود کی خدمت میں عرض کیا۔

''ہمارے مذہب میں کسی بادشاہ کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور رائج ہے کہ جب ایک راجہ دوسرے راجہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک اور اندھیری کوٹھڑی بنوا کر مفتوح راجہ کو اُس میں قید کر دیتا ہے۔ اس کوٹھڑی کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور قیدی کو اس سوراخ کے ذریعے کھانا اور پانی دیا جاتا ہے۔ یہ قید اُس وقت تک رہتی ہے جب تک فاتح اور مفتوح دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے۔ چونکہ اس وقت میرے پاس نہ تو کوئی ایسا قید خانہ ہے اور نہ ہی مجھ میں ابھی اتنی قوت ہے کہ دشمن کو اس طرح قید میں رکھ کر اس کی حفاظت کروں۔ آپ کے چلے جانے کے بعد مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں اس راجہ کے

Marfat.com

ہمدرد علم بغاوت بلند کر کے اسے میرے قبضے سے چھڑا نہ لیں۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قیدی کو میرے پاس چھوڑنے کی بجائے اپنے ساتھ غزنی لے جائیں اور جب میری حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو میں اپنا آدمی بھیج کر اس قیدی کو منگوا لوں گا۔"

چنانچہ سلطان محمود نے مرتاض کی درخواست منظور کر لی اور ڈھائی برس کے بعد غزنی کی حکومت کی طرف روانہ ہوا۔

## واپسی سفر کی مشکلات

جب سلطان محمود غزنوی غزنی کی طرف روانہ ہوا تو اُس زمانہ میں پرم دیو اور راجہ اجمیر نے ایک لشکر جرار تیار کر کے سلطان محمود کے راستے میں رُکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن محمود نے اُس سے اس وقت جنگ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور راستہ بدل کر سندھ کے راستے مُلتان کی طرف نکل گیا۔ اس راستے میں بعض مقامات پر پانی اور شادابی نہ ہونے کے سبب اسلامی لشکر کو طرح طرح کی ناقابل برداشت مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور بڑی مشکلوں کے بعد سلطان محمود 417ھ میں غزنی پہنچا۔

بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب سلطان محمود سندھ کے جنگلوں میں سفر کرتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اُس نے یہ مناسب خیال کیا کہ راستہ بتانے کے لئے کوئی رہبر ساتھ لے لیا جائے۔ چنانچہ ایک ہندو نے رہبری کا کام سنبھالا اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ اس ہندو رہبر نے قصداً لشکر کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جہاں دُور دُور تک پانی نہ تھا۔ اس لشکر کا ایک ایسے جنگل سے گزر ہوا جہاں سپاہیوں کو ایک دن اور ایک رات تک پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ آیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ لشکر کے لئے وہ جنگل میدانِ قیامت بن گیا۔

سلطان محمود نے یہ عالم دیکھ کر اُس ہندو رہبر سے پوچھا۔

"آخر تو کس سمت کو لشکر لے کر جا رہا ہے؟"

اُس نے اکڑ کر جواب دیا۔

Marfat.com

''میں سومنات کے جاں نثاروں میں سے ہوں۔ اس لئے آپ کو اور آپ کی فوج کو جان بوجھ کر اس جنگل میں لے آیا ہوں تا کہ آپ سب تباہ و برباد ہو جائیں۔''

سلطان نے جب اُس کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو بے حد غصہ آیا اور اُس ہندو رہبر کو فوراً قتل کر دیا۔

اُسی شب سلطان محمود اپنے لشکر سے الگ ہو کر ایک گوشے میں آیا اور اپنے سر نیاز کو خاک پر رکھ کے اُس نے خداوند تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ وہ مسلمانوں کو جلد از جلد اس بلائے ناگہانی سے نجات دلائے۔ رات ابھی تھوڑی ہی گزری تھی کہ اس جنگل میں شمال کی جانب ایک روشنی نظر آئی جس کے ساتھ ہی سلطان نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور اس روشنی کے تعاقب میں چلنے کا اشارہ کیا۔ پس شاہی لشکر نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر تمام رات کی مسافت کے بعد آخر کار صبح کے وقت پانی کے کنارے پہنچ گیا۔ اس طرح بادشاہ کی نیک نیتی اور خلوص کی بدولت لشکر نے اس مصیبت سے نجات حاصل کی۔

## مرتاض کی بدقسمتی

جب مرتاض نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو اچھی طرح مضبوط کر لیا اور وہ سومنات پر پوری قوت کے ساتھ حکومت کرنے لگا تو اُس نے چند سال بعد سلطان محمود کی خدمت میں اپنے ایلچی روانہ کئے اور وابشلیم (جو مرتاض کا دشمن اور سلطان محمود کے پاس قید تھا) کی واپسی کا تقاضہ کیا تا کہ وہ اُسے اپنے قانون کے مطابق سزا دے سکے۔ ان ایلچیوں کے ہاتھ مرتاض نے بہت سے گرانقدر جواہرات اور سالانہ خراج کی رقم بھی سلطان محمود کی خدمت میں روانہ کی۔ آخر سلطان محمود کو اُس قیدی وابشلیم کی حالت پر رحم آیا۔ وہ اُسے واپس بھیجنے میں پس و پیش کرنے لگا۔ سلطنت کے امیر وزیر مرتاض کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھے۔ چنانچہ ایک سردار نے سلطان محمود سے عرض کیا۔

''کافروں پر رحم کرنا اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے اور آپ نے مرتاض سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کرنا آپ کے شایان شان نہیں۔''

Marfat.com

ان معززین کی سفارش پر سلطان محمود نے دابشلیم قیدی کو مرتاض کے ایلچیوں کے سپرد کر دیا اور یہ ایلچی اُس قیدی کو اپنے ہمراہ لے کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ سومنات کی حدود میں پہنچے تو انہوں نے مرتاض کو اپنی آمد کی خبر دی۔ اُس عبادت گزار راجہ نے یہ خبر سن کر اپنے کارکنوں کو دستور کے مطابق قید خانہ تیار کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے قیدی کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ مرتاض نے ایک طشت اور لوٹا بھی ساتھ لے لیا تا کہ وہ انہیں دستور کے مطابق قیدی کے سر پر رکھ کر اُسے اپنے گھوڑے کے ساتھ بھگاتا ہوا لائے اور اسی حالت میں اُسے قید خانہ تک پہنچائے۔

مرتاض کو شکار کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اثنائے راہ وہ ایک جگہ رُک گیا اور سیر و شکار کا ذوق پورا کرنے لگا۔ اس دوڑ دھوپ میں وہ تھک گیا اور ایک درخت کے نیچے دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ شکار کے پیچھے دوڑ دھوپ نے اُسے تھکا دیا تھا اور اُس کی حالت بہت خستہ ہو رہی تھی۔ چنانچہ مرتاض اپنے چہرے پر ایک سرخ رومال ڈال کر آرام کے لئے لیٹ گیا اور اسی نیند کے عالم میں قضائے الٰہی نے اُس کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔

ہوا یہ کہ اُس جنگل میں پرندے بڑی تعداد میں تھے۔ ایک پرندے نے مرتاض کے چہرے پر سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر رومال پر جسے وہ گوشت سمجھ رہا تھا، ایک زور دار جھپٹا مارا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرندے کے ناخن مرتاض کی آنکھوں میں گھس گئے اور اُس کی آنکھیں زائل ہو گئیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں رواج تھا کہ کسی ایسے شخص کو بادشاہ تسلیم نہ کیا جاتا تھا جس کے جسم کے کسی حصے میں کوئی نقص ہو۔ اس لئے راجہ کے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر شخص نے مرتاض کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ عین اُسی وقت ''دابشلیم'' قیدی بھی وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ مرتاض کے بعد اس قیدی کے علاوہ کوئی اور سلطنت کا مستحق نہ تھا اس لئے اس قیدی کو حکمرانی کے لئے منتخب کیا گیا اور مرتاض کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو دابشلیم قیدی کے ساتھ ہونے والا تھا۔ یعنی اُس کے سر پر طشت اور لوٹا رکھا گیا اور قیدیوں کی طرح اُسے گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے لایا گیا اور قید خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ خدا کی ذات بھی عجیب وغریب ہے۔ چند لمحوں کے اندر کیا سے کیا ہو گیا۔ جو سزا مرتاض نے اپنے قیدی کے لئے تجویز

Marfat.com

کی تھی وہ اُسے خود ہی بھگتنی پڑی۔ مثل مشہور ہے کہ ۔

''چاہ کندہ را چاہ در پیش''

اس کے مصداق مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانہ میں داخل ہوا اور تمام عمر اپنی بدقسمتی کا ماتم کرتا رہا۔ اس واقعہ سے جو نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے اس کے متعلق شیخ سعدیؒ نے کیا عمدہ بات کہی ہے۔

''یہ سچ ہے کہ خدا کی قدرت ایک لمحے میں کسی ایک شخص کو تخت شاہی سے اُتار کر فرش پر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے کو مچھلی کے پیٹ میں بھی تمام آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔''

## ہوا میں معلق بت

تاریخ بتاتی ہے سلطان محمود نے ہزدالہ کے سفر میں شہر کے مندر میں ایک ایسا بت بھی دیکھا جو بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا۔ سلطان اُس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اُس نے اپنے دربا کے علماء اور فضلاء سے اس کی وجہ پوچھی۔

ان لوگوں نے بہت غور وخوض کے بعد جواب دیا۔

''اس بت خانہ کی چھت اور تمام دیواریں مقناطیسی پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے۔ آس پاس کی مقناطیسی کشش اور اس بت میں ایک خاص تعلق ہے۔ ہر جانب کی کشش مساوی ہونے کی وجہ سے بت کسی ایک طرف جھکنے نہیں پاتا اور بالکل درمیان میں معلق ہوگیا ہے۔''

اس بات کو آزمانے کے لئے سلطان نے حکم دیا کہ اس بت خانے کی ایک دیوار گرا دی جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ جونہی ایک جانب کی دیوار گری، یہ بت بھی زمین پر گر پڑا۔

## سلطان محمود کے نام خلیفہ کا خط

مستند تاریخوں میں ہے کہ جس سال محمود غزنوی سفر سومنات سے واپس آیا اُسی سال

Marfat.com

اُسے خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی کا ایک خط موصول ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے خراسان، ہندوستان، نیمروز اور خوارزم کی حکومتیں بھی سلطان کو عطا کیں۔

اُس خط کی تفصیل اس طرح ہے:۔

سلطان محمود...... کہف الدولہ والاسلام

امیر مسعود...... امیر الدولہ جمال الملت

امیر محمد...... جلال الدولہ جمال المت

امیر یوسف...... عضد الدولہ موید الملت

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں لکھا۔

''تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ گے ہم بھی اُسے قبول کریں گے۔''

سلطان محمود غزنوی کو جس وقت یہ خط موصول ہوا وہ اُس وقت بلخ میں تھا۔ اُس نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کرا دیا۔

Marfat.com

# سلطان محمود غزنوی اور قوم جٹائی

اُسی سال سلطان محمود نے قوم جٹائی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قوم کوہ جودی کے دامن میں دریا کے کنارے آباد تھی۔ اُس پر حملہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب سلطان محمود، سومنات کی فتح سے واپس آ رہا تھا تو اس قوم کے باغیوں نے راستے میں سلطانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ پس اُن کی اس حرکت نا شائستہ کا بدلہ لینا ضروری تھا کہ انہیں پھر کبھی ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو۔

چنانچہ سلطان محمود ایک زبردست اور عظیم الشان فوج تیار کر کے اُن سے بدلہ لینے کے لئے چل پڑا۔ سفر کی مختلف منزلیں طے کرتا ہوا سلطان آخر ملتان پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے چودہ سو کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ اُس نے ہدایت کی ہر کشتی میں لوہے کی تین تین سلاخیں نصب کی جائیں۔ اس میں سے ایک سلاخ تو کشتی کے سامنے کی طرف ہو اور باقی دو دو سلاخیں دونوں اطراف میں مضبوطی سے لگا دی جائیں۔ سلطان کا دراصل مقصد یہ تھا کہ جو چیز اُن کے سامنے آئے وہ ان سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے اور پانی میں غرق ہو جائے۔ سلطان کے حکم کے مطابق کشتیاں بہت جلد تیار کر لی گئیں۔

کشتیوں کی تیاری کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ ہر کشتی میں بیس بیس آدمی بٹھائے جائیں۔ ان انتظامات کے بعد یہ کشتیاں دریا میں چھوڑ دی گئیں۔ کشتی میں بیٹھنے والوں کے پاس تیر کمان اور بارود کے گولے تھے۔ اب جٹائیوں کو تباہ کرنے کے لئے یہ لشکر آگے بڑھا۔ جٹائیوں کو سلطان محمود کے حملے کی خبر مل چکی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے مقابلہ کی تیاری کی۔ اس قوم نے بال بچوں کو جزیروں میں بھیج دیا اور خود تنہا مقابلے پر آئے۔

Marfat.com

تاریخ بتاتی ہے کہ جتائی قوم نے چار یا آٹھ ہزار کشتیاں سلطان سے مقابلہ کے لئے دریا میں اُتاریں اور مسلمانوں کے لشکر کو تہہ و بالا کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ واضح رہے کہ جتائیوں نے ہر کشتی میں اپنا ایک ایک مسلح دستہ بٹھایا تھا۔

اس طرح دونوں فوجیں دریا میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں اور زبردست لڑائی شروع ہوئی۔ جتائیوں کی جو کشتی مسلمانوں کی کشتیوں کے سامنے آتی وہ آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے جتائیوں کی تمام کشتیاں دریا میں ڈوب گئیں۔ دشمن کے جو سپاہی ڈوبنے سے بچ گئے انہیں مسلمانوں نے تہہ تیغ کر دیا۔

ان سب کو ٹھکانے لگانے کے بعد مسلمانوں کا لشکر دشمن کے بال بچوں کی طرف چلا۔ جزیرے میں پہنچ کے مسلمانوں نے دشمن کے بچے بچائے لوگوں کو قید کر لیا۔ پھر ان قیدیوں کو ساتھ لے کر سلطان محمود غزنوی اپنے مرکز یعنی غزنی کی طرف روانہ ہوا۔

قوم جتائی کی خودسری ختم کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ترکمانی سلجوقیوں کی طرف رُخ کیا۔ کیونکہ سلطان کو اطلاع ملی تھی کہ یہ لوگ دریائے امویہ سے گزر کر باد آورد کے گرد و نواح میں ہنگامے کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی سرکوبی کے لئے سلطان نے 418ھ میں ابوالحرب امیر طوس ارسلان کو اُن ہنگامہ پرور لوگوں کے مزاج درست کرنے پر مامور کیا۔ امیر طوس نے ان سے کئی جنگیں کیں مگر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

جب طوس ارسلان سلجوقیوں کا مزاج درست نہ کر سکا تو اُس نے سلطان کو مطلع کیا کہ اس فتنہ کے خاتمہ کے لئے حضور سلطان کو ہی تکلیف کرنا ہو گی۔ چونکہ ترکمانی سلجوقیوں کی زیادتیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور ہر طرف سے شکوے شکایات کے پیغامات آ رہے تھے اس لئے خود سلطان نے اُن کی درستی کے لئے قدم اٹھایا۔ پس سلطان محمود ایک عظیم الشان لشکر اپنے ہمراہ لے کر اُن کی طرف بڑھا۔ غزنوی لشکر کی بہادری کے سامنے ترکمان بے بس ہو گئے اور آخر شکست کھا کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلجوقی ترکمانوں نے عراق کے خاندان بویہ سے عراق چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے سلطان نے ملک ''رے'' کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں کے تمام مال و خزانے کو قبضے میں لے کر سلجوقیوں کی عقل کو ٹھکانے لگایا اور

Marfat.com

دوسری طرف اُس نے وہاں مقیم اور آباد ملحد قرامطیوں کا قتل عام کیا۔ یہ فرقہ عقائد اسلام کے خلاف تھا۔ پھر ''رے'' کی فتح کے بعد سلطان نے ''رے'' اور ''اصفہان'' کی حکومت امیر مسعود کے سپرد کی اور واپس چلا گیا۔

## سلطان محمود کی شخصیت

سلطان محمود غزنوی درمیانہ قد کا مالک تھا۔ اُس کا چہرہ اگرچہ جاذب توجہ تھا لیکن چہرے پر چیچک کے داغ بھی نمایاں تھے۔ محمود غزنوی پہلا حکمران ہے جس نے اپنے لئے ''سلطان'' کا لقب اختیار کیا۔ تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اپنی وفات سے صرف دو روز پہلے اپنے تمام جواہرات، روپے اور اشرفیاں جو اُس نے زندگی بھر کی کوشش اور تگ و دو سے حاصل کی تھیں، ان سب کو شاہی خزانے سے نکلوا کر اپنے سامنے ڈھیر لگوائے تھے۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ سرخ و سفید اور دیگر نگوں کے ہیرے جواہرات کی چمک دمک سے پورا صحن جنت کا ایک قطعہ محسوس ہوتا تھا جو رنگ برنگ موتیوں اور جواہروں سے چمک دمک رہا تھا۔

مؤرخین کا یہ بھی بیان ہے کہ اس بے بہا دولت کو دیکھ کر سلطان دھاڑیں مار مار کر خوب رویا۔ پھر آنسو بہانے کے بعد اُس نے اپنے مال و دولت کو خزانے واپس بھجوا دیا۔ مگر خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی۔ نہ کچھ کسی کو دیا اور نہ کچھ بخشا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان نے کسی شخص کو بھی مرتے دم تک شاہی خزانہ سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دی۔ اُس کے اس رویہ اور حالات کے پیش نظر مؤرخین اُسے کنجوس کہتے ہیں۔

خزانہ کے بارے میں ابوالحسن علی بن متمندی کا بیان ہے کہ ایک دن سلطان محمود نے ابو طاہر ساسانی سے سوال کیا۔

''آل ساسان نے اپنے عہد حکومت میں کس قدر جواہرات جمع کئے تھے؟''

ابوطاہر نے جواب دیا۔ ''امیر نوح ساسانی کے عہد میں سات رطل اعلیٰ جواہرات شاہی خزانے میں موجود تھے۔''

محمود نے یہ جواب سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا۔ ''الحمد للہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک

Marfat.com

سو رطل سے زائد بیش قیمت جواہرات عطا کئے ہیں۔''

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے آخری زمانہ میں یہ سنا کہ نیشاپور میں ایک بہت بڑا دولت مند قیام پذیر ہے۔ سلطان محمود نے حکم دیا۔

''اُس شخص کو غزنی بلایا جائے۔''

حکم شاہی کے تحت اُس دولت مند کو غزنی بلایا گیا اور وہ دربارِ شاہی میں پیش ہوا۔

سلطان محمود نے اُس شخص سے پوچھا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم ملحد اور قرامطی ہو؟''

اُس شخص نے جواب میں کہا۔ ''اے بادشاہ! نہ میں ملحد ہوں اور نہ قرامطی۔ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ دولت ہے۔ تو مجھ سے جو چاہے لے لے مگر مجھ پر ملحد اور قرامطی کا الزام نہ لگایا جائے۔''

اس جواب سے سلطان مطمئن ہو گیا اور اُسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

## زیارت ختم المرسلین ﷺ

طبقاتِ ناصری میں درج ہے کہ سلطان کو اس حدیث کی صحت پر یقین نہ تھا کہ

''العلماء ورثۃ الانبیاء''

اور یہ کہ سلطان کو قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اُسے یہ بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان اپنی قیام گاہ سے نکل کر ایک طرف پیدل ہی جا رہا تھا۔ فراش سونے کا شمعدان لئے اُس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسہ میں بیٹھا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ طالب علم کے پاس جلانے کے لئے تیل نہ تھا کہ وہ چراغ جلاتا۔ اس لئے جب وہ پڑھتے پڑھتے بھول جاتا تو ایک بنئے کی دُکان پر جا کر اُس کے چراغ میں اپنی کتاب کو پڑھ لیتا تھا۔

سلطان کو اُس مفلس طالب علم کی حالت پر بہت رحم آیا اور اُس نے سونے کا اپنا شمعدان جو فراش اُٹھا کے چل رہا تھا وہ اُس طالب علم کو عطا کر دیا۔ اس سلسلے میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ اُسی رات کو خواب میں سلطان محمود کو نبی کریمؐ کی زیارت ہوئی۔

Marfat.com

حضور نبی کریمؐ نے سلطان محمود سے فرمایا۔

''اے ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے، خداوند تعالیٰ نے تجھے ویسی ہی عزت دی جیسی تو نے میرے وارث (غریب طالبعلم) کی قدر کی۔

آنحضرتؐ کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں پیدا ہونے والے تینوں شکوک رفع ہو گئے۔

## سلطان محمود کے عدل و انصاف

تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان محمود کی وفات کے دوسرے سال غزنی میں زبردست سیلاب آیا۔ اس سیلاب میں شہر کی بیشتر عمارتیں گر گئیں۔ خدا کے بہت سے بندوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ وہ پل جو عمر بن لیث نے اپنے عہد حکومت میں دریا پر باندھا تھا وہ اس سیلاب کی زد میں ایسا ناپید ہوا کہ اُس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ اہل نظر کے خیال میں یہ حادثہ سلطان کے انتقال کی ایک اہم نشانی ہے اور وہ اس واقعہ کو سلطان کے عدل و انصاف کی نشانی سمجھتے ہیں۔ محمود کے انصاف کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک شخص محمود کے دربار میں انصاف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ جب اُس کی باری آئی اور سلطان اُس سے مخاطب ہوا تو اُس شخص نے عرض کیا۔

''اے سلطان! میری شکایت ایسی نہیں کہ میں اسے سرِ دربار سب لوگوں کے سامنے بیان کروں۔''

اُس کے اس بیان پر سلطان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور اُسے اکیلے میں لے جا کر اُس کا حال دریافت کیا۔ چنانچہ اُس شخص نے عرض کیا۔

''اے سلطان عالی مقام! آپ کے بھانجے نے ایک عرصہ سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات مسلح ہو کر میرے گھر آتا ہے اور اندر داخل ہو کر مجھے کوڑے مار مار کر باہر نکال دیتا ہے۔ پھر وہ خود تمام رات میری بیوی کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے۔ میں نے ہر امیر کو اپنا حال بتایا مگر کسی کو میرے حال پر رحم نہ آیا۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ یہ

Marfat.com

بات آپ کے کانوں تک پہنچاتا۔

جب میں تمام امراء کی طرف سے مایوس ہوگیا تو میں نے آپ کے دربار میں آنا شروع کر دیا تاکہ اگر موقع میسر آئے تو میں آپ کے حضور عرض حال کرسکوں۔ اتفاق سے اب آپ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں نے آپ کے حضور اپنی داستان بیان کر دی۔ اللہ پاک نے آپ کو اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے کہ آپ رعیت کے ساتھ انصاف کریں۔ رعایا اور مجھ جیسے کمزور بندوں کی دادرسی فرمائیں۔ اگر آپ میرے معاملہ میں داد رسی کریں گے اور انصاف فرمائیں گے تو میری قسمت ورنہ میں خاموش ہو جاؤں گا اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کروں گا اور اُس کے منصفانہ فیصلے کا انتظار کروں گا۔''

سلطان محمود پر یہ باتیں سن کر اس قدر اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہوگیا اور اُس مظلوم سے فرمایا۔ ''اے مظلوم بندے! تو نے ایک زمانہ تک کیوں خاموشی اختیار کئے رکھی؟ اور میرے پاس انصاف کے لئے کیوں نہ آیا؟ کیوں اتنے دنوں تک اُس ظالم اور بدکار کے ظلم وستم برداشت کرتا رہا؟''

اُس مظلوم نے جواب دیا۔

''اے بادشاہ! میں ایک مدت سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آپ کے حضور پیش ہوسکوں مگر دربار کے پہریداروں اور چوکیداروں نے مجھے آپ تک نہ آنے دیا۔ آج بھی میں کسی ترکیب اور بہانے سے آیا ہوں۔ ہم جیسے فقیروں اور غریبوں کی ایسی قسمت کہاں کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سلطانی دربار میں آئیں۔''

سلطان محمود نے اُس سے کہا۔

''تم یہاں مطمئن ہو کر بیٹھو۔ لیکن اس ملاقات اور گفتگو کا حال کسی کو نہ بتانا اور اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ وہ سفاک جب تمہارے گھر میں آکر تمہاری بیوی کی آبروریزی کرے تو تم فوراً مجھے اسی وقت اطلاع دینا۔ پھر اُسی وقت تمہارے ساتھ انصاف کروں گا اور اُس بدکار کو اُس کی بدکاری کی سزا دوں گا۔''

اُس مظلوم نے عرض کیا۔

''اے بادشاہ! مجھ نادار شخص کے لئے یہ ناممکن ہے کہ جب چاہوں بلا کسی روک ٹوک

Marfat.com

کے آپ سے مل سکوں۔''

مظلوم کے اس جواب پر سلطان نے اُسی وقت دربانوں کو بلایا اور اُس شخص کو متعارف کرا کر دربانوں کو حکم دیا۔

''جس وقت بھی یہ شخص ہمارے حضور آنا چاہے اسے بغیر کسی اطلاع اور روک ٹوک کے آنے دیا جائے۔ اس سے کسی قسم کی باز پُرس نہ کی جائے۔''

دربانوں کو رخصت کرنے کے بعد سلطان محمود نے فریادی سے کہا۔

''خیال رکھنا کہ اب میرے حکم کے بموجب یہ لوگ تمہیں میرے پاس آنے سے روکیں گے اور نہ منع کریں گے۔ پھر بھی میں تمہیں بتا دوں کہ کہیں اتفاقاً یہ چوبدار میری عدیم الفرصتی یا آرام کا بہانہ بنا کر تمہیں روکنا چاہیں اور میرے پاس نہ آنے دیں تو تم فلاں جگہ سے چھپ کر چلے آنا اور مجھے آہستہ سے آواز دینا۔ میں یہ آواز سنتے ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔''

اس گفتگو کے بعد سلطان محمود نے اُس فریادی کو رخصت کر دیا اور خود اُس کا انتظار کرنے لگا۔

وہ شخص اپنے گھر واپس آ گیا۔ دو راتیں تو آرام سے گزریں اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ اُسے سلطان سے ملاقات کی ضرورت پیش آتی۔ مگر تیسری رات کو اُس کا رقیب یعنی سلطان محمود کا بھانجا حسب دستور اُس کے گھر آیا اور اُسے مار کر گھر سے نکال دیا اور خود اُس کی بیوی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

اِدھر تو یہ کام شروع ہوا اور اُدھر وہ مظلوم اسی وقت بھاگتا ہوا شاہی محل کی طرف آیا اور اُس نے دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو اُس کے آنے کی خبر دی جائے۔

درباریوں نے جواب دیا۔

''بادشاہ اس وقت دیوان خانہ کے بجائے اپنی حرم سرا میں ہے۔ اس لئے اُس تک اطلاع پہنچانا ناممکن ہے۔''

دربانوں سے مایوس ہو کر وہ شخص اُس جگہ پہنچا جو اُسے بادشاہ نے بتائی تھی۔ اُس جگہ کھڑے ہو کر اُس مظلوم نے آہستہ سے کہا۔

Marfat.com

''اے بادشاہ! آپ اس وقت کس کام میں مشغول ہیں؟''

سلطان نے فوراً جواب دیا۔ ''ٹھہرو...... میں آتا ہوں۔''

ذرا دیر بعد سلطان محمود باہر آیا اور اُس شخص کے ساتھ اُس کے گھر پہنچا۔

وہاں جا کر محمود نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس کا بھانجا اُس مظلوم اور غریب کی بیوی سے ہم آغوش ہو کر سو رہا ہے اور ایک شمع اُس کے سرہانے جل رہی ہے۔ محمود نے اُسی وقت شمع کو گل کر دیا اور اپنا خنجر نکال کر اُس ظالم کا سرتن سے جدا کر دیا۔

اُس مظلوم سے جس کے گھر سلطان آیا ہوا تھا، کہا۔

''اے بندۂ خدا، ایک گھونٹ پانی اگر تجھے مل سکے تو فوراً لے آ تاکہ میں اپنی پیاس بجھا سکوں۔''

اُس شخص نے فوراً پیالے میں پانی لا کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔

محمود نے پانی پیا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نادار سے یوں مخاطب ہوا۔

''اے شخص! اب تو اطمینان کے ساتھ آرام کر اور میں جاتا ہوں۔'' اور رخصت ہونے لگا۔ لیکن اُس شخص نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔

''اے بادشاہ، تجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس نے تجھے اس عظیم الشان مرتبہ پر سرفراز کیا ہے۔ تو یہ بتا کہ شمع گل کرنے اور اس سفاک کا سرتن سے جدا کرنے کے فوراً بعد پانی مانگنے اور پینے کی کیا وجہ ہے؟ اور تو نے کس طرح اس قصہ کو ختم کیا؟''

سلطان محمود نے اُسے جواب دیا۔

''اے شخص! میں نے تجھے ظالم سے نجات دلا دی ہے اور اُس ظالم کا سر میں ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ شمع کو میں نے اس لئے بجھایا تھا کہ کہیں اس کی روشنی میں مجھے اپنے بھانجے کا چہرہ نظر نہ آ جائے اور میں اُس پر رحم کھا کر انصاف سے منہ نہ موڑ لوں۔ اور پانی مانگ کر پینے کی وجہ یہ تھی کہ جب تم نے مجھ سے اپنی روداد غم بیان کی تھی تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں ہوتا تب تک نہ میں کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا۔''

محترم قارئین! آپ نے بادشاہوں کے عدل و انصاف کے سینکڑوں افسانے سنے اور

Marfat.com

پڑھے ہوں گے۔ لیکن ایسا قصہ بادشاہ کے متعلق کسی دوسری جگہ نظر نہ آئے گا۔

## سلطان محمود اور ابوالحسن خرقانی

''تاریخ بنائے گیتی'' کے مطابق جب سلطان محمود خراسان گیا تو اُس کے دل میں شیخ ابوالحسن خرقانی جن کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا، سے ملاقات کا شوق ہوا۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ وہ خراسان میں بزرگ شیخ سے ملنے نہیں آیا بلکہ ملکی سیاست کے پیش نظر اُس نے اس علاقہ کا سفر اختیار کیا ہے۔ لہٰذا سیاست کی بدولت خدا کے خاص بندوں سے ملاقات کا شوق پاسِ ادب سے دور ہے۔ اس وجہ سے اس نے شیخ سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا اور خراسان سے ہندوستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں معرکہ آرائیوں کے بعد وہ غزنی واپس آیا اور اُس نے شیخ خرقانی کی زیارت کے لئے احرام باندھا۔ اللہ، اُس زمانہ میں کیا عزت و وقار تھا علمائے دین، شیوخ حضرات کا جن کی زیارت کے لئے بادشاہانِ وقت تک احرام باندھتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ سلطان احرام باندھ کے خرقان روانہ ہوا۔ خرقان پہنچ کر سلطان نے شیخ کے حضور ایک پیغامبر بھیجا اس اطلاع کے لئے کہ سلطان اُن کی زیارت کو آنا چاہتے ہیں۔ پیغامبر نے جا کے شیخ کو بتایا کہ سلطان وقت محمود غزنوی، غزنی سے چل کر آپ کی ملاقات کو آیا ہے اس لئے آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے نکل کر اُس سے ملاقات فرمائیں۔ جب سلطان کا قاصد یہ پیغام لے کر جانے لگا تو سلطان نے اُسے روک کر ایک بات اور کہی۔ وہ یہ کہ اگر اُس کے پیغام کے جواب میں بزرگ شیخ اپنی خانقاہ سے نکل کر آنے سے انکار کریں تو انہیں یہ فرمانِ خداوندی سنانا کہ

''اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی۔ اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اُن لوگوں کی جو تم پر حاکم ہیں۔''

پس قاصد سلطان کا یہ پیغام لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزرگ شیخ نے سلطان کا پیغام سنا مگر خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور کہا۔

''مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے۔''

Marfat.com

شیخ کے انکار پر قاصد نے محمود کی ہدایت کے مطابق کلام اللہ کی وہ آیت پڑھ کر سنائی جس میں حاکموں کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔

قاصد کے اس آیت کے سنانے کے جواب میں بزرگ شیخ نے فرمایا۔

''محمود سے جا کر یہ کہو کہ میں اب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس حد تک مستغرق ہوں کہ رسول کے مرتبے تک نہ پہنچنے کی بڑی ندامت ہے۔ پھر بھلا میں ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہوں؟''

قاصد واپس گیا۔ اُس نے شیخ صاحب کا جواب سلطان کو سنا دیا۔ سلطان یہ سن کر بہت رویا اور اُس نے کہا۔

''چلو، ہم خود ہی شیخ صاحب کے پاس چل کر لطف ملاقات و زیارت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مرد آگاہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اُسے سمجھ رکھا تھا۔''

یہ کہہ کر سلطان محمود حضرت شیخ کی طرف روانہ ہوا۔ اس انداز سے کہ خود تو ایاز کا لباس پہنا اور اپنے کپڑے ایاز کو پہنائے اور دس عدد کنیزوں کو غلاموں کے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور اُن سے سلام علیک کی تو شیخ نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن وہ تعظیم کے لئے اُٹھ کر کھڑے نہ ہوئے اور محمود (جس نے ایاز کے کپڑے پہن رکھے تھے) کی طرف ملتفت ہوئے اور اُس سے کچھ فرمانے کے لئے آمادہ ہوئے۔

اس پر ایاز (جو اصل میں محمود تھا) نے شیخ صاحب سے کہا۔

''اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لئے اُٹھے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی۔ کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کیا جائے؟''

شیخ صاحب نے جواب دیا۔

''ہاں، جال تو یہی ہے۔ لیکن تیرا مشار الیہ اس جال کا گرفتار نہیں ہے۔ تو سامنے آ۔ کیونکہ تو خود اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے۔''

سلطان محمود نے جب دیکھا کہ شیخ صاحب نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا ہے تو وہ بڑے ادب سے شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور اُن سے کہا۔

Marfat.com

''مجھ سے کچھ فرمائیے۔''

شیخ صاحب نے لونڈیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ان نامحرموں کو محفل سے باہر کر دو۔''

چنانچہ سلطان نے اُن کنیزوں کو وہاں سے اٹھا دیا اور پھر شیخ صاحب سے کہا۔

''حضرت بایزید بسطامیؒ کی کوئی حکایت مجھے سنائیے۔''

شیخ صاحب نے فرمایا۔

''بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے دیکھ لیا وہ ظلم وستم کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔''

اس پر محمود نے سوال کیا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بایزید کا مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ سے بھی زیادہ ہے؟ نبی کریمؐ کو دیکھنے والوں میں بھی سبھی اچھے نہ تھے۔ ابوجہل اور ابولہب ویسے ہی کافر رہے۔ تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کس طرح اچھا انسان بن سکتا ہے؟''

شیخ صاحب نے سلطان محمود کی یہ بات سن کر کہا۔

''اے محمود! تو اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کر۔ ادب کو ملحوظ رکھ۔ بے ادبی سے ولایت کی دنیا میں قدم نہ رکھ۔ تو جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے چار یاروں کے اور چند صحابہ کرام کے سوا کسی اور نے نہیں دیکھا۔ کیا تو نے قرآن حکیم کی یہ بات نہیں سنی کہ:۔

''اور تم دیکھتے ہو ایسے لوگوں کو کہ وہ نظر کرتے ہیں تمہاری طرف حالانکہ وہ حقیقتاً تم کو نہیں دیکھ سکتے۔''

سلطان محمود کو حضرت شیخ کی یہ بات بہت پسند آئی اور اُس نے کہا۔

''مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔''

شیخ صاحب نے جواب میں فرمایا۔

''تجھے چاہئے کہ چار چیزیں اختیار کرے۔ اوّل پرہیز گاری۔ دوم نماز با جماعت۔

Marfat.com

سوم سخاوت۔ چہارم شفقت۔"

اس کے بعد محمود نے شیخ صاحب سے کہا۔

"میرے حق میں دُعا کیجئے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔"میں پانچوں وقت نماز پڑھنے کے بعد یہ دُعا کیا کرتا ہوں۔

"اللھم غفو للمومنین والمومنات۔"

محمود نے کہا۔"یہ دُعا تو عام ہے۔ میرے لئے کوئی خاص دُعا فرمائیے۔"

شیخ صاحب نے فرمایا۔"جا تیری عاقبت محمود ہو۔"

اس کے بعد محمود نے روپوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے جو کی روٹی سلطان کے سامنے رکھی اور اسے کھانے کے لئے کہا۔

محمود نے دیکھا کہ روٹی بہت سخت ہے۔ اُس نے ہر چند روٹی چبانے کی کوشش کی لیکن روٹی تھی کہ نہ تو دانتوں سے کٹتی تھی اور نہ گلے سے نیچے اُترتی تھی۔

شیخ صاحب نے دریافت کیا۔"کیا یہ روٹی تمہارے گلے میں اٹکتی ہے؟"

محمود نے اثبات میں جواب دیا۔

اس پر شیخ نے فرمایا۔"جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے گلے سے نیچے نہیں اُترتی اسی طرح تمہارا یہ روپوں سے بھرا ہوا توڑا بھی ہمارے گلے سے نیچے نہیں اُترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھاؤ۔ کیونکہ ہم اس کو بہت پہلے طلاق دے چکے ہیں۔"

سلطان محمود نے شیخ صاحب سے بطور یادگار اُن سے کوئی چیز مانگی تو انہوں نے اپنا ایک خرقہ دے کے اُسے رخصت کیا۔ جب محمود رخصت ہونے کے لئے اٹھا تو اس مرتبہ شیخ صاحب نے اُس کی تعظیم کی اور اُٹھ کے کھڑے ہو گئے۔

محمود نے دریافت کیا۔"اس کی کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری بالکل پرواہ نہ کی تھی لیکن اب آپ مجھے رخصت کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔"جب تم میرے پاس آئے تھے تو بادشاہی کے غرور سے سرشار تھے اور میرا امتحان لینے کی غرض سے آئے تھے۔ لیکن اب تم عاجزی اور انکساری

Marfat.com

کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔"

## شیخ کے خرقہ کی کرامت

شیخ صاحب سے رخصت ہو کے سلطان محمود واپس آیا تو اُن کے خرقہ کو بہت حفاظت سے رکھا۔ جس زمانہ میں محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا اور پرم اور وابشلیم سے اُس کی جنگ ہوئی تھی تو محمود کو یہ خطر لاحق ہوا کہ مسلمانوں پر کہیں ہندوؤں کا لشکر غالب نہ آ جائے۔ اُس وقت پریشانی کے عالم میں سلطان محمود، شیخ صاحب کے خرقہ کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا تھا اور اُس نے خداوند تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی۔

"اے خدا! اس خرقہ کے مالک کے طفیل میں مجھے ہندوؤں پر فتح دے۔ میں نیت کرتا ہوں کہ جو مالِ غنیمت یہاں سے حاصل کروں گا اُسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس دُعا کے مانگتے ہی آسمان کے ایک حصہ سے سیاہ بادل اُٹھے اور سارے آسمان پر محیط ہو گئے۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک اور کڑک سے ہندوؤں کا لشکر ہراساں ہو گیا اور ایسی تاریکی چھائی کہ ہندو پریشانی کے عالم میں آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ ہندوؤں کی اس باہمی جنگ کی وجہ سے پرم دیو کی فوج میدانِ جنگ سے بھاگ نکلی اور یوں مسلمانوں نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی۔

ایک معتبر تاریخ میں یہ بھی روایت ہے کہ جس روز سلطان محمود نے شیخ ابوالحسن خرقانی کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر خداوند تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی اور فتح حاصل کی تھی اُسی رات کو محمود غزنوی نے خواب میں شیخ ابوالحسن کو دیکھا۔ شیخ صاحب نے محمود سے فرمایا۔

"اے محمود! اگر تو آج فتح کی دُعا کی جگہ تمام غیر مسلموں کے ایمان لانے کی دُعا کرتا تو وہ بھی ضرور قبول ہو جاتی۔"

جامع الحکایات کا بیان ہے کہ جب سلطان محمود، شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے شیخ صاحب سے کہا۔

"اگرچہ خراسان میں مجھے بہت سے ضروری کام تھے لیکن میں اُن تمام کاموں کو نظر

Marfat.com

انداز کر کے غزنی سے یہاں خاص طور پر آپ کی زیارت کے مقصد سے آیا ہوں۔"
شیخ صاحب نے جواب دیا۔
"اے محمود! اگر تو نے غزنی سے میری زیارت کا احرام باندھا ہے تو کیا تعجب کہ اس کی برکت سے لوگ خانہ کعبہ سے تیری زیارت کا احرام باندھ کر غزنی۔"
سبحان اللہ۔ سلطان محمود کی برتری کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی نے اس کی بابت یہ الفاظ کہے۔

## واقعہ ایک جواری کا

تاریخ روضہ الصفا میں درج ہے کہ ایک دن سلطان محمود اپنے محل کی چھت پر بیٹھا میدان کا نظارہ کر رہا تھا۔ اچانک اُس کی نظر ایک عجیب وغریب بازاری آدمی پر پڑی۔ سلطان نے دیکھا کہ یہ آوارہ گرد اپنے ہاتھ میں تین پرندے لئے کھڑا ہے۔ اُس شخص سے محمود کی آنکھیں چار ہوئیں تو اُس شخص نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اشارہ کیا۔ محمود نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ مگر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس اشارے سے اس شخص کا کیا مطلب ہے۔

تھوڑی دیر بعد محمود نے پھر اُس کوچہ گرد کی طرف دیکھا۔ اُس نے پھر حسب سابق ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس مرتبہ محمود سے نہ رہا گیا اور اس نے اس شخص کو بلوایا۔
جب وہ آ گیا تو اُس سے دریافت کیا۔
"تیرے ہاتھ میں پرندے کیوں ہیں؟ اور تیرے ان اشاروں کا مطلب کیا ہے؟"
اُس نے جواب دیا۔ "میں ایک جواری ہوں۔ اور میں نے بادشاہ کو غائبانہ طور پر اپنا شریک تصور کر کے پانسہ پھینکا۔ اور اس وجہ سے یہ تینوں پرندے جیتے ہیں۔"
محمود نے حکم دیا۔ "اس جواری سے یہ پرندے لے لئے جائیں۔"
دوسرے دن وہ جواری اپنے ہاتھوں میں دو پرندے لئے ہوئے اُسی طرح محمود کے سامنے آیا۔ محمود نے دوسرے دن بھی وہ پرندے اُس سے لے لئے اور یہ سوچتا رہا کہ آخر اس شخص کا مقصد کیا ہے۔ تیسرے دن وہ جواری تین پرندے لے کر آیا اور انہیں

Marfat.com

بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے چلا گیا۔ چوتھے دن وہ جواری پھر سلطان کو نظر آیا لیکن اُس روز وہ خالی ہاتھ تھا۔ محمود نے دیکھا کہ وہ شخص بڑا غمگین، ملول اور حزین محل کے نیچے کھڑا ہے۔

محمود نے دل ہی دل میں کہا کہ معلوم نہیں آج ہمارے شریک پر کیا بیتی ہے جو اس طرح غمگین اور ملول کھڑا ہے۔

محمود نے اُسے اپنے پاس بلوایا اور اُس سے حال پوچھا۔ جواری نے جواب دیا۔

''آج میں نے بادشاہ کی شراکت میں ایک ہزار دینار کی بازی لگائی لیکن بدقسمتی سے پانسہ میرے خلاف پڑا اور میں وہ رقم ہار گیا۔''

سلطان یہ سن کر مسکرایا اور دربان کو حکم دیا کہ وہ اس جواری کو پانچ سو دینار دے کر رخصت کر دے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے جواری سے کہا۔

''جب تک میں موجود نہ ہوں تم میری غائبانہ شراکت میں کبھی جواء نہ کھیلنا۔''

## سلطان محمود کا پہلا وزیر...... ابوالعباس

تاریخ جبب السیر میں لکھا ہے کہ سلطان محمود کا پہلا وزیر ابوالعباس سعید بن احمد تھا۔ یہ وزیر اپنے ابتدائی زمانہ میں فائق کے دربار میں کتابت کے عہدے پر مامور تھا۔ جب فائق کا ستارہ گردش میں آیا تو ابوالعباس نے سبکتگین کے دربار میں پناہ لی۔ اس دربار میں اُس نے بڑا اثر و رسوخ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ وزارت کے درجے تک پہنچا۔ سبکتگین کے بعد محمود نے بھی اسے وزارت پر بحال رکھا۔ ابوالعباس عربی زبان سے ناواقف تھا اس لئے اُس زمانہ میں تمام منشور اور فرمان جو پہلے عربی میں لکھے جاتے تھے، وہ فارسی زبان میں لکھے جانے لگے۔ ابوالعباس کے بعد خواجہ احمد ہلمندی نے دوبارہ عربی زبان میں فرمان لکھنے کی طرح ڈالی۔ ابوالعباس حکومت کے امور کو خوش اسلوبی سے طے کرنے اور جنگ وغیرہ کے انتظامات میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ محمود کے عہد حکومت میں دس سال تک عہدہ وزارت پر سرفراز رہنے کے بعد اُس کے برے دن آئے اور اُسے ہٹا دیا گیا۔

Marfat.com

# ابوالعباس کی معزولی

بعض مؤرخین نے ابوالعباس کی معزولی کی روداد اس طرح بیان کی ہے۔

سلطان کو خوبصورت غلام جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ ''الناس علیٰ دین ملوکہم'' کے مصداق رعایا بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کرتی تھی۔ ابوالعباس کو بھی بادشاہ کی دیکھا دیکھی خوبصورت غلام جمع کرنے کا چسکا پڑ گیا۔ ایک دن ابوالعباس کو معلوم ہوا کہ ترکستان میں ایک نہایت خوبرو غلام بکنے کے لئے موجود ہے۔ پس ابوالعباس نے اپنے قابل اعتماد ملازم کو ترکستان روانہ کیا تاکہ وہ اس خوبصورت غلام کو خرید کر اور عورتوں کا لباس پہنا کر غزنی لے آئے۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ کسی چغل خور نے یہ بات سلطان محمود کے کانوں تک پہنچا دی۔ پس سلطان نے ابوالعباس سے اُس غلام کو طلب کر لیا۔ ابوالعباس نے حیل و حجت کی اور غلام کو دینے سے انکار کر دیا۔ ایک روز سلطان کسی کام کے بہانے سے ابوالعباس کے گھر جا پہنچا۔ ابوالعباس نے جب سلطان کو دیکھا تو وہ اُس کی خدمت میں بڑی نیاز مندی سے حاضر ہوا اور خاطر تواضع کرنے لگا۔ اسی دوران وہ خوبصورت اور خوبرو غلام سلطان کو نظر آیا۔ محمود نے بجبر اُس غلام کو ابوالعباس سے چھین لیا اور اُسے عہدۂ وزارت سے معزول کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ اُسی زمانہ میں محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ بعض بدفطرت اور لالچی درباریوں نے ابوالعباس کو بہت تنگ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بیچارہ وفات پا گیا۔

## سلطان کا دوسرا وزیر......حسن میمندی

ابوالعباس کے بعد خواجہ احمد حسن میمندی منصب وزارت پر فائز ہوا۔ یہ وزیر سلطان محمود کا رضاعی بھائی تھا۔ احمد کا باپ حسن میمندی سبکتگین کے عہد میں ''بست'' نامی قصبے میں مقیم تھا اور اس کا کام بادشاہوں کی طرف سے مال جمع کرنا تھا۔ حسن پر خیانت کا الزام لگایا گیا جس کی پاداش میں اُسے دار پر چڑھا دیا گیا۔ یہ جو عام طور سے لوگوں میں

Marfat.com

مشہور ہے کہ حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر تھا، بالکل غلط ہے۔

خواجہ احمد بن حسن بڑا پھرتیلا، عقلمند اور سمجھدار تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بہت خوشخط تھا۔ سب سے پہلے اُسے عہدۂ انشاء و رسالت پر تفویض کیا گیا۔ بادشاہ کی عنایات کی وجہ سے وہ صدر محاسبی، میر بخشی اور خراسان کی حکومت کے مختلف عہدوں پر مقرر ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد سلطان نے احمد بن حسن کو وزارت کے عہدے پر لگا دیا۔ احمد نے اس عہدے پر اٹھارہ سال تک کام کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے اپنے فرائض نہایت دیانت داری سے انجام دیئے۔ پھر ہر کمالے راز والے کے مصداق اُس کی کشتی بھی بھنور میں آئی اور دربار کے بڑے بڑے امیر اُس کے جانی دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ التونتاش سپہ سالار اور امیر علی جیسے امیروں نے بھی احمد بن حسن کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور اس اعلیٰ درجے کے انسان پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ آخر ان شکایتوں نے محمود کے دل پر بھی اثر کیا اور اُس نے احمد بن حسن کو عہدۂ وزارت سے الگ کر دیا۔ سلطان نے معزولی کے بعد احمد کو بہرام نامی ملازم کے سپرد کر دیا کہ وہ اُسے درہ کشمیر میں لے جا کر وہاں کے قید خانہ کے نگراں کے حوالے کر دے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ احمد بن حسن تیرہ سال تک کالنجر کے قلعہ میں اسیری کی زندگی گزارتا رہا اور آخر سلطان مسعود کے زمانہ میں وہ زندان سے رہا ہوا اور دوبارہ وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔ احمد بن حسن نے 424ھ میں وفات پائی۔

## احمد حسین میکال......سلطان کا تیسرا وزیر

خواجہ احمد حسن بن میمندی کے بعد سلطان محمود نے احمد حسین بن میکال کو جو عام طور پر ''جنگ مکال'' کے نام سے مشہور ہے اپنا وزیر بنایا۔ یہ بچپن ہی سے سلطان محمود کی ملازمت میں تھا اور اپنی طبیعت کی تیزی، گفتگو کی خوبی اور عادات و اطوار کی اچھائی کی وجہ سے بڑا مشہور اور امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ اُس نے احمد بن حسین میمندی کی معزولی کے زمانہ سے لے کر سلطان محمود کی وفات تک وزارت کے کاموں کو انجام دیا۔

Marfat.com

# آہو پوش کا واقعہ

بعض مؤرخین یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں سلطان محمود اپنے باپ سبکتگین کے ساتھ ابوعلی کی تباہی اور بربادی کے درپے تھا اُن دنوں اُس نے ایک مقام پر یہ سنا کہ یہاں قریب ہی ایک فقیر مقیم ہے جو اپنی عبادت اور کرامت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بہت مشہور ہے۔ عام طور سے وہ فقیر ''آہو پوش'' کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو ہمیشہ سے فقیروں سے عقیدت تھی۔ پس اُس نے ''آہو پوش'' سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ احمد حسین کو درویشوں اور صوفیوں سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اس لئے سلطان نے اُس سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں درویشوں سے کوئی خاص عقیدت نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ آہو پوش سے ملاقات کے وقت تم میرے ساتھ رہو۔ احمد حسین نے محمود کی بات مان لی اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔ یہ دونوں زاہد آہو پوش کے پاس پہنچے۔ سلطان محمود اُس فقیر سے بڑی عقیدت سے ملا۔ اُس زاہد نے بھی محمود کے سامنے تصوف کی چند عمدہ باتیں کیں جنہیں سن کر محمود اور زیادہ معتقد ہو گیا۔

پس سلطان نے اُس سے کہا۔

''ملازمین خانقاہ کے لئے آپ کو روپیہ پیسہ یا غلّہ وغیرہ کی جس قدر ضرورت ہو وہ میں ابھی مہیا کئے دیتا ہوں۔''

سلطان کی یہ بات سن کر زاہد نے فوراً اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحے مٹھی بھر اشرفیاں سلطان کو دے دیں اور بولا۔

''جس شخص کو خزانہ غیب سے ہر وقت دولت مل سکتی ہو اُسے دوسرے کے مال کی کیا ضرورت ہے؟''

سلطان نے زاہد آہو پوش کی اس حرکت کو بہت بڑی کرامت سمجھا اور ان اشرفیوں کو احمد حسین کے حوالے کر کے کہا۔

''تم نے دیکھا، فقیروں کو ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے۔''

احمد حسین نے ان اشرفیوں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تمام اشرفیاں ابوعلی

Marfat.com

سجوری کا سکہ ہیں۔ جب زاہد آہو پوش سے ملاقات کرنے کے بعد محمود اور احمد حسین باہر آئے تو محمود نے کہا۔

''بھلا اس قسم کی چشم دید کرامتوں سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟''

احمد حسین نے جواب دیا۔ ''میں اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں۔ مگر اس سلسلے میں اتنا عرض کروں گا کہ آپ کو کسی ایسے شخص سے جنگ نہیں کرنی چاہئے کہ جس کے نام کا سکہ آسمان پر بھی جاری ہو۔''

محمود نے جب ان اشرفیوں کو دیکھا اور ان پر اُس ابو علی سجوری کا نام نظر آیا تو وہ ندامت سے خاموش ہو گیا۔

تاریخ فرشتہ کا بیان ہے کہ احمد حسین کی بات صحیح نہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت خضر اور دوسرے رجال الغیب خدائے تعالیٰ کے حکم سے روحانی اور مادی دونوں دنیاؤں کی چیزیں بوقت ضرورت اولیاء اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان اشیاء کا اس طرح پہنچانا شرعاً ناجائز نہیں۔ جب سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو اُس نے احمد حسین پر الزام لگایا کہ جب وہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا تو مصر کے کافر بادشاہ کی خلعت پہن کر قرامطی ہو گیا تھا۔ اس الزام کی سزا احمد حسین کو موت کی صورت میں دی گئی۔

## دربارِ محمود کے شعرائے کرام

1) عصائری:۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں عصائے راز رے سے غزنی آیا تھا۔ وہ ہمیشہ وہاں کے شاعروں کا مدمقابل رہا۔ اُس نے محمود کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے معاوضہ میں سلطان نے اُسے چودہ ہزار درہم دیئے تھے۔

2) اسدی طوسی:۔ اسدی طوسی سلطان محمود کے زمانہ کا مشہور استاد اور خراسان کے شعراء میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ محمود نے اُس سے بارہا شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ لیکن وہ ہمیشہ بڑھاپے اور اپنی کمزوری کے بہانے اُسے ٹالتا رہا۔ اسدی کا کلام آج کل نایاب ہے اور شعراء کرام کے تذکروں اور بیاضوں میں بھی اُس کے اشعار کم ہی نظر آتے ہیں۔ اسدی نے اپنے مشہور شاگرد فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کی ترغیب دی اور آخر کار

Marfat.com

ایسا ہی ہوا اور فردوسی نے شاہنامہ لکھا۔

فردوسی، غزنی سے فرار ہو کر طوس پہنچا۔ یہاں سے رستم، طالقان اور دارا کے علاقوں میں گیا۔ وہاں سے پھر طوس پہنچا۔ اس دوران فردوسی بیمار ہو گیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے اسدی کو بلایا اور اُس سے کہا:

''اب میرا آخری وقت ہے۔ شاہنامہ کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اب یہ کتاب نامکمل رہتی جاتی ہے۔ مجھے اپنے بعد کسی میں ایسی قابلیت نظر نہیں آتی کہ وہ شاہنامہ کو مکمل کر سکے۔''

اسدی نے یہ سن کر جواب دیا۔

''اے برخوردار! تو رنج نہ کر۔ اگر میں زندہ رہا تو میں شاہنامہ کو مکمل کروں گا۔''

فردوسی بولا۔ ''استاذ! تم بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے ہو۔ یہ بہت مشکل کام ہے کہ تم اس محنت طلب کام کو انجام دے سکو۔''

3) منوچہر بلخی:۔ یہ بلخ کا باشندہ تھا۔ لیکن سلطان محمود کے زمانہ میں غزنی ہی میں مقیم تھا۔ دیگر شاعروں کے برعکس منوچہر ایک دولت مند اور مالدار شخص تھا۔ شاعری میں اُسے کمال حاصل تھا۔ اُس کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے۔

اے بنادہِ درمیانِ فرقِ جانِ خویشتن
چشم ما زندہ بجان و جان نوزندہ بہ تن

4) حکیم عنصری:۔ عنصری، محمود کے عہد میں ملک الشعراء کا درجہ رکھتا تھا۔ شاعری کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے کمالات اور فضائل کا حامل تھا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ:

> محمود کے دربار سے تقریباً چار سو شعراء تعلق رکھتے تھے اور یہ سب کے سب عنصری کی شاگردی پر نازاں تھے۔ عنصری کو محمودی دربار میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آخری زمانہ میں محمود نے اُسے ملک الشعراء کا خطاب دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر شاعر اپنی نظم عنصری کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ عنصری اگر اسے مناسب سمجھے تو بادشاہ تک پہنچائے ورنہ واپس کر دے۔ عنصری کا طویل قصیدہ بہت

Marfat.com

مشہور ہے جس میں اُس نے سلطان محمود کی تمام معرکہ آرائیوں کو نظم کی صورت میں لکھا ہے۔

مؤرخین کا یہ بھی بیان ہے کہ ایک رات عشق مجازی کے جذبے کے تحت سلطان محمود غزنوی نے ایاز پر نظر ڈالی۔ چونکہ محمود پر خداوند تعالیٰ کی رحمت سایہ کئے ہوئے تھی اس لئے فوراً حکام نے اُسے ٹوکا اور اس پاک عشق کو فسق و فجور کی آلودگی سے پاک رکھنے کی ہدایت کی۔ محمود فوراً خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا اور اُس نے ایاز کو ایک چاقو دیا اور کہا۔

''اس سے فوراً اپنی راہزن زلفوں کو تراش لو کہ جنہوں نے مجھے عشق مجازی کی آلودگی میں پہنچا دیا۔''

ایاز نے پوچھا۔ ''ان زلفوں کو کس حد تک تراشوں؟''

محمود نے کہا۔ ''بالکل کاٹ دے۔''

اس پر ایاز نے بادشاہی حکم کے تحت اپنی زلفوں کو اسی وقت کاٹ دیا۔ اس فرمانبرداری کی وجہ سے محمود کے دل میں ایاز کی محبت پہلے سے دوگنی ہو گئی اور اُس نے ایاز کی اس فرمانبرداری کے عوض بہت سے قیمتی جواہرات بطور تحفہ دیئے اور خود اسی عالم میں جا کر سو گیا۔

محمود جب صبح کو سو کر اٹھا تو اُسے رات کا واقعہ یاد آیا اور اُس نے ایاز کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر اُسے شرمندگی ہوئی۔ اس وجہ سے وہ بڑا بے چین رہا۔ درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ محمود سے حقیقت حال پوچھتا۔

حاجب علی نے اُسی وقت عنصری کو بادشاہ کے سامنے لے جانے کے لئے کہا۔

عنصری محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔

محمود نے عنصری سے کہا۔ ''تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میری حالت کیا ہے۔ اس وقت تم میرے حال کے مناسب کچھ نظم کرو۔''

عنصری نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

امروز کہ زلف یار در کاستن است
چہ جائے بغم نشستن و جاستن است

Marfat.com

روز طرب و نشاط می خاستن است
کار استن سروز پیر استن است

یہ رباعی سن کر سلطان محمود غزنوی بہت خوش ہوا اور عنصری کا منہ تین بار جواہرات سے بھرا اور اس کے بعد مطربوں کو بلا کر عیش و نشاط میں مشغول ہو گیا۔ عنصری کا انتقال 431ھ میں ہوا۔

5) عسجدی:۔ عسجدی، مرو کا رہنے والا تھا۔ اُس کے قصائد بہت مشہور ہیں۔ وہ عنصری کا شاگرد اور محمود کا مداح تھا۔ اس کا وہ قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

تا شاہ خورادہ بیں سفر سومنات کرد
کردارِ خویش راعلم معجزات کرد

عسجدی کا دیوان ناپید ہے مگر اُس کی یہ رباعی مقبول خاص و عام ہے:۔

اے شربِ مدام و لافِ مشرب توبہ
درِ عشق بتانِ سیم غب غب توبہ
در دل ہوسِ گناہ و برلب توبہ
زیں توبۂ نادرست یا رب توبہ

6) فرخی:۔ فرخی بھی عنصری کا شاگرد تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ فرخی کا باپ امیر خلف والی سیستان کا غلام تھا۔ فرخی سیستان کے کسانوں میں سے ایک کا ملازم تھا اور اس کی خدمات کے عوض اُسے دو سو پانچ من کیل غلّہ اور سو درہم ملتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد فرخی نے ایک کنیز سے شادی کر لی جس کی وجہ سے اُس کے اخراجات بڑھ گئے۔ اُس نے اپنے آقا سے اپنی تنخواہ اور غلّہ کی مقدار میں اضافہ کی درخواست کی۔

اُس کے آقا نے جواب میں کہا۔ ''تم اپنی تنخواہ اور غلّے میں جس قدر اضافہ چاہتے ہو، میں جانتا ہوں کہ تم اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہو۔ لیکن مجھ میں اس قدر استطاعت نہیں کہ تمہارا مطالبہ پورا کر سکوں۔''

فرخی اُس سے مایوس ہو کر سلطان محمود کے بھتیجے ابوالمظفر کے پاس پہنچا اور اُس کی مدح میں ایک بہترین قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس کے صلے میں ابوالمظفر نے ایک بیش

Marfat.com

قیمت خلعت اور بہت سے جواہرات اُس کو دیئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد فرخی سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمود کے دربار میں اُس نے بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ فرخی اس قابل ہو گیا کہ بیس عدد زریں کمر غلام اُس کے آگے آگے چلتے تھے۔

7) دقیقی:۔ دقیقی ایک قدیم شاعر ہے۔ سلطان محمود کے عہد میں اُس نے شاہنامہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور تقریباً ایک ہزار اشعار اُس نے بھی لکھے تھے۔ بعض مؤرخین نے یوں بھی لکھا ہے کہ فردوسی نے دقیقی ہی کے شاہنامہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔

میں اپنے قارئین سے ایک بار پھر براہِ راست مخاطب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے اس ناول یعنی سلطان محمود غزنی کے اب صرف چند صفحات اور باقی رہ گئے ہیں مگر میرے احباب میرا قلم روک کے بیٹھ گئے ہیں۔ اُن کی فرمائش اور مطالبہ ہے کہ جس طرح میں نے پچھلے کئی ناولوں میں تحفۂ خاص کے طور پر ایک رومان شامل کیا ہے اسی طرح سلطان محمود غزنوی میں بھی ایک رومان ضرور شامل کیا جائے۔

چنانچہ اُن کے مطالبہ اور شاید آپ کی بھی خواہش ہو تو اختتام سے پہلے ایک خوبصورت رومان بعنوان ''سیدہ کبریٰ'' آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ خدا کرے یہ رومان بھی آپ کو پسند آئے اور میں آپ اور اپنے احباب میں سرخرو ہوں۔

## سیدہ کبریٰ

دروازے پر دستک ہوئی اور رمیقیہ چونک پڑی۔

دوسرے کمرہ میں اُس کی ماں موجود تھی۔ رمیقیہ نے چاہا کہ ماں کو اطلاع دے مگر اُسی وقت دروازے پر دوسری دستک ہوئی۔ دستک کیا تھی، کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ رمیقیہ بڑی نرم دل لڑکی تھی۔ اُسے گمان ہوا کہ دستک دینے والا ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہے تبھی تو اس بے چینی سے دروازہ بجا رہا ہے۔ وہ اُٹھ کے دروازے کے پاس گئی اور زنجیر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی۔ پتہ نہیں کون ہے؟ کہیں کوئی مصیبت نہ آجائے۔

رمیقیہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے گھبرا کر زنجیر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

اُسی وقت پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

Marfat.com

''کون ہے؟'' آخر رمیقیہ نے ہمت کی۔

''میں تمہارا ہم قوم ہوں۔ عیسائی ہوں۔'' باہر سے ایک بھاری مگر گھبرائی آواز آئی۔

''کس لئے آئے ہو؟'' رمیقیہ کو ڈر محسوس ہوا۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' جواب دینے والے کی آواز میں بڑی بے چینی تھی۔

''میرے گھر کوئی مرد نہیں۔ کسی اور دروازے پر جاؤ۔''

اُس نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سوائے بوڑھی ماں کے گھر پر کوئی اور نہ تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اُس کے باپ کا کچھ دن پہلے ہی انتقال ہوا تھا۔

''میری جان خطرے میں ہے۔ مسلمان میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے اندر آ جانے دو۔ تمہیں کنواری مریم کی قسم۔''

رمیقیہ کانپ اُٹھی۔ وہ عیسائی تھی اور عیسائیوں کی یہ بستی مسلمانوں کے محلوں سے الگ تھلگ تھی جہاں صرف اشبیلیہ کے عیسائی رہتے تھے۔ دستک دینے والے نے اُسے حضرت مریم کی قسم دی تھی وہ بھی اُس کی طرح عیسائی تھا اور مسلمانوں سے اُسے جان کا خطرہ تھا۔ رمیقیہ کا دل پسیج گیا۔ مذہب کے تازیانے سے اُس کا جسم لرز اُٹھا۔ اُس کا ہاتھ بڑھا اور دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک دراز قامت اور مضبوط بدن کا آدمی اندر آ گیا۔

آنے والے کے چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور آنکھیں خوف اور دہشت سے سفید ہو رہی تھیں۔ اندر آتے ہی اُس خوفناک آدمی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پشت پر لٹکا ہوا ترکش اتار کے ایک طرف پھینک دیا۔

رمیقیہ کی حیرانی، پریشانی میں بدل گئی اور ایک نامعلوم خوف سے اُس کا بدن کانپنے لگا۔

''کون ہو تم ...... کیا چاہتے ہو؟'' رمیقیہ سہم گئی تھی۔

''چپ رہ لڑکی! ورنہ گلا دبا دوں گا۔'' باہر گڑگڑانے والا اندر آ کر شیر ہو گیا تھا۔

''تم میرا گلا دباؤ گے؟ میں نے تمہیں اندر آنے دیا اور تم ......''

''خاموش!'' آنے والے نے بڑے خوفناک لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی اُس

Marfat.com

نے رمیقیہ کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ دیوار سے ٹکرا کر کچے فرش پر گر گئی۔

رمیقیہ کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا مگر اُس نے خود کو سنبھالا اور اُٹھنے کی کوشش کی۔ اُسی وقت اُس خوفناک انسان نے فرش پر بیٹھ کر رمیقیہ کی گردن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ رمیقیہ کا دم گھٹنے لگا۔ اُس نے سر کو جھٹکے دے کر گردن چھڑانا چاہی مگر اُنگلیوں کی گرفت میں سختی بڑھتی گئی۔ پھر ایک دم رمیقیہ کا ہاتھ اپنی کمر میں اُڑسے ہوئے خنجر پر گیا اور دوسرے ہی لمحے یہ خنجر اجنبی کے سینے میں داخل ہو کر سیدھا اُس کے دل میں اُتر گیا۔ اجنبی کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور رمیقیہ خنجر اُس کے اندر ہی اندر داخل کر رہی تھی۔

وہ اجنبی ایک گٹھری کی طرح ایک طرف لڑھک گیا۔ رمیقیہ نے ٹمٹماتے چراغ کی روشنی میں اجنبی کا چہرہ دیکھا۔ اُس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں اور چہرہ مکروہ ہو گیا تھا۔ رمیقیہ اُسے دیکھ کر نہ تو خوفزدہ ہوئی اور نہ اُس کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہوا تھا۔ رمیقیہ کا ذہن ایک طرف سے مطمئن ہوا تو اُسے ایک دوسرے خطرے نے گھیر لیا۔ اُس نے ایک اجنبی کو قتل کر دیا تھا۔ ہر چند کہ اُس نے یہ سب کچھ اپنی مدافعت میں کیا تھا مگر قتل تو بہرحال قتل تھا۔ خواہ مسلمان کا ہو یا اُس کے کسی ہم قوم کا۔

یہ اُندلس کے علاقہ اشبیلیہ اور مسلم دارالسلطنت اشبیلیہ کا ایک محلّہ تھا۔ اگر کوئی مسلمان اُس کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو شاید اُس کی سزا بڑھ جاتی۔ لیکن ایک عیسائی کا قتل بھی قابل معافی جرم نہ تھا۔ مسلم حکمران المعتقد بڑا انصاف پسند اور غریب پرور بادشاہ تھا۔ اُس سے خون کا مواخذہ ہوگا اور...... اور...... رمیقیہ بھاگتی ہوئی ماں کے کمرے میں گئی۔

یہ دو کمروں کا ایک پرانا مکان تھا۔ اس کے دروازے اس قدر خستہ تھے کہ اگر انہیں زور سے ہلایا جاتا تو وہ شاید گر پڑتے۔ اجنبی کے لئے دروازہ کھولتے وقت رمیقیہ کے دماغ میں یہ بھی خیال تھا کہ اگر اُس نے مزید تاخیر کی تو شاید آنے والا دروازہ توڑ کے اندر آ جائے اور وہ اجنبی پر جو احسان کرنا چاہتی ہے اس سے بھی محروم ہو جائے۔

''ماں! میں نے ایک اجنبی کو قتل کر دیا ہے۔'' رمیقیہ نے پھولے سانسوں کے

Marfat.com

درمیان کہا۔

اُس کی بوڑھی ماں کی زبان کھلنے کی بجائے اُس کی آنکھیں حلقوں میں پھیل گئیں۔ تھوڑا سا منہ بھی کھل گیا۔ وہ انتہائی حیرت سے رمیقیہ کو دیکھے جا رہی تھی جیسے اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو۔

''ماں! تم نے سنا نہیں؟'' رمیقیہ گھبراہٹ میں اُنگلیاں چٹخا رہی تھی۔ ''میرے ہاتھ سے ایک آدمی قتل ہو گیا ہے۔''

اُس کی ماں ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

''کون تھا وہ؟'' اُس کی آنکھوں میں دہشت سی آ گئی تھی۔

''ایک اجنبی تھا۔ میں نہیں جانتی وہ کون تھا۔'' رمیقیہ کا جسم کانپنے لگا تھا۔

''تو نے کیوں قتل کیا اُسے؟''

''اُس نے میرا گلا دبایا تھا۔ میں اُسے نہ مارتی تو وہ مجھے مار ڈالتا۔'' رمیقیہ نے صفائی پیش کی۔

''بدنصیب لڑکی۔'' رمیقیہ کی ماں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''ماں! یہ بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ اُسے کہیں ٹھکانے لگاؤ۔'' رمیقیہ نے ماں کے پاؤں پکڑ لئے اور اُس کی ماں کو تازہ چپچپاتا ہوا خون اپنے پیروں پر محسوس ہوا۔

ماں نے خوفزدہ ہو کر پہلے رمیقیہ کو دیکھا پھر باہر کی طرف نظر دوڑائی۔ ''شام ہو گئی ہے۔ گھر سے نکلتے ہی پہریدار پکڑ لیں گے۔ تو نے غضب کر دیا رمیقیہ۔''

''باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ اُس کی لاش میرے کمرے میں ہے۔''

ماں کا چہرہ غصہ سے تپ اُٹھا۔ ''او بدکار! پہلے تو اُسے اندر لائی پھر قتل کر دیا؟'' ماں نے کھڑے ہو کر رمیقیہ کی چوٹی پکڑ لی۔

''نہیں نہیں ماں! میں نے اُسے نہیں بلایا۔ وہ خود اندر آیا تھا۔'' رمیقیہ گڑگڑائی۔

''جھوٹی، مکار!'' ماں نے اُس کی چوٹی کو جھٹکے دینے شروع کر دیئے۔ ''تیرا چاہنے والا اندر آ گیا اور تجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ زنجیر تو، تو نے ہی کھولی ہو گی۔''

رمیقیہ کو سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ ''ماں! مجھ پر شک نہ کر۔

Marfat.com

میں کنواری مریم کی قسم کھاتی ہوں میں نے اُسے نہیں بلایا۔ میں اُسے جانتی بھی نہیں۔ چوٹی چھوڑو، میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔''

ماں کو شاید رمیقیہ کی قسم کا اعتبار آ گیا تھا۔ اُس نے چوٹی چھوڑ دی۔

رمیقیہ نے سر جھٹک کر بال سیدھے کئے۔ ''ماں! میری بات کا اعتبار کرو۔ اُس نے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آنے کی درخواست کی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ عیسائی ہے اور مسلمان اُس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ماں! مجھے رحم آ گیا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ مگر وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ اُس نے اندر آتے ہی مجھے تھپڑ مارا۔ میں گر گئی۔ اُس نے میرا گلا دبانا شروع کر دیا۔ پھر میں کیا کرتی ماں، میں نے اُسے خنجر مار کے اپنی جان اور عزت بچائی۔'' پھر رمیقیہ اور زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رمیقیہ کے لفظ لفظ سے سچائی ظاہر ہوتی تھی۔ اُس کی ماں کو یقین کرنا پڑا۔ رمیقیہ پر اُسے پہلی بار شبہ ہوا تھا۔ جب اُس کا باپ اُس کی ہی قوم کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا، اُس وقت رمیقیہ بچی تھی۔ ماں جوان تھی۔ اگر چاہتی تو دوسری شادی کر کے آرام سے زندگی گزار سکتی تھی۔ مگر اُس نے رمیقیہ کے لئے اپنی جوانی تج دی۔ شوہر نے کچھ خچر اور گدھے چھوڑے تھے۔ وہ بار برداری کا کام کرتا تھا۔ رمیقیہ کی ماں نے اس سلسلے کو جاری رکھا اور تنگی ترشی میں زندگی بسر کرتے ہوئے رمیقیہ جوان ہو گئی۔

رمیقیہ نے مدرسے کا منہ تک نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ اسلامی دارالحکومت میں تعلیم اس قدر عام تھی کہ کیا عیسائی کیا مسلمان ہر ایک کے لئے جگہ جگہ مدرسے کھولے گئے تھے جہاں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کا مفت انتظام تھا۔ قرطبہ اور اشبیلیہ میں تو بڑی بڑی درسگاہیں قائم تھیں مگر رمیقیہ کو پیٹ کے دھندے سے کب فرصت تھی کہ سکول جاتی۔ جب تک رمیقیہ کی ماں کے ہاتھوں میں جان رہی وہ خچر اور گدھوں پر خود سامان ڈھوتی یا انہیں کرایہ پر دیتی رہی۔ پھر جب اُس کی طاقت نے جواب دے دیا تو رمیقیہ نے اس کی جگہ لے لی۔

رمیقیہ کی اس عیسائی بستی میں ایک پرانا گرجا تھا۔ اُس کا پادری رمیقیہ کے باپ کا دوست تھا۔ یہ دوستی اس قدر پختہ تھی کہ رمیقیہ کا باپ ہر شب پادری کے پاس جاتا اور

Marfat.com

گھنٹوں وہاں گفتگو کرتا رہتا۔ رمیقیہ کی سمجھ میں بات نہ آئی تھی کہ گرجا کا پادری اُس کے باپ پر اس قدر کیوں مہربان ہے؟ وہ اکثر اپنی ماں سے اس سلسلے میں گفتگو کرتی مگر وہ ہمیشہ ٹال جاتی۔ پھر جب رمیقیہ جوان ہوئی اور اُس نے ماں سے ضد کی تو اُس نے بڑی رازداری کے ساتھ بتایا کہ گرجا کا پادری اور رمیقیہ کا باپ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ خاندان کئی سو سال پہلے پورے اُندلس پر حکومت کرتا تھا۔ اس طرح رمیقیہ کو یہ احساس ہوا کہ وہ خچر والی نہیں بلکہ اُس کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ اُس کی ماں نے اُسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔

اپنے شہزادی ہونے کے احساس سے رمیقیہ میں ایک عجیب طرح کی تمکنت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اگرچہ اپنی قسمت پر قانع تھی مگر اُس نے یہ ضرور کیا تھا کہ شام کو جب گرجا میں پادری لوگوں کو تعلیم دیتا تو رمیقیہ وہاں کچھ دیر ضرور رہتی اور دُور بیٹھ کے علم و حکمت اور شعر و شاعری کی باتیں سنتی تھی۔ اس سے اُس کی معلومات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اسلامی دور میں شعر و شاعری کا گھر گھر چرچا تھا۔ رمیقیہ ایسی محفلوں میں کسی نہ کسی بہانے ضرور پہنچتی اور ایک خاموش تماشائی کی طرح گھنٹوں شعر و شاعری سنتی رہتی۔ قدرت نے اُسے ایک موزوں ذہن دیا تھا اس لئے وہ خود بھی شعر کہتی تھی۔ مگر سوائے اپنی ماں کے کسی اور کو نہ سناتی تھی۔ اُس کی ماں بھی ایک شریف زادی تھی۔ وہ رمیقیہ کے اشعار دلچسپی سے سنتی مگر حوصلہ افزائی اس وجہ سے نہ کرتی تھی کہ رمیقیہ باربرداری کا کام نہ چھوڑ دے اور دوسرے راستے پر لگ جائے اور اس کے گھر کا چولہا ٹھنڈا ہو جائے۔

رمیقیہ کی ماں لکڑی ٹیکتی ہوئی اُس کے کمرے میں آئی۔ چراغ کی مدھم روشنی کمرے میں بکھری تھی اور اجنبی کی لاش ایک طرف لڑھکی پڑی تھی۔ لاش کے گرد خون کے دھبے پڑے تھے۔ ایک جگہ خون جما ہوا تھا۔

ماں نے رمیقیہ کو دیکھا۔ رمیقیہ اُس کے پیچھے پیچھے آئی تھی مگر سہم کر دروازے پر کھڑی ہوئی۔ اُس نے شاید خون کی وجہ سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''چراغ بجھا دے رمیقیہ۔''

ماں کی آواز پر رمیقیہ چونک پڑی۔ اُس نے ماں کو قدرے بوکھلا کے دیکھا جیسے وہ

Marfat.com

ماں کے کہنے کا مطلب نہ سمجھ سکی ہو۔ اُس کا پورا جسم ایک بار پھر تھرتھرا اُٹھا تھا۔

''دل کو سنبھال رمیقیہ۔ چراغ گل کر دے۔ تاکہ دروازے سے کوئی اندر نہ دیکھ سکے۔'' ماں نے اپنی بات دہرائی۔ مگر رمیقیہ اب تک گھبرائی کھڑی تھی۔

''کیا تو بہری ہوگئی ہے؟'' ماں نے اُسے ڈانٹا۔ ''جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آگے کی فکر کر۔''

''اور یہ...... یہ......'' رمیقیہ نے کانپتی اُنگلی سے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تیرے اور میرے بس کا کام نہیں۔ چراغ بجھا اور چل میرے ساتھ۔''

رمیقیہ نے ہمت کر کے چراغ گل کر دیا اور ماں کے ساتھ آنگن میں آ گئی۔ اُسی آنگن میں جانوروں کا باڑا تھا۔ خچر اور گدھے اس آنگن میں باندھے جاتے تھے۔ باڑے کی دیواریں مشکل سے چار فٹ اُونچی تھیں۔ دوسری طرف گیٹ تھا جس سے جانور اندر باہر آتے جاتے تھے۔ رات کے وقت اندر کی طرف سے گیٹ میں تالا لگا دیا جاتا تھا۔ رمیقیہ کی ماں نے گیٹ کا دروازہ کھولا اور وہ دونوں باہر آ گئیں۔ گیٹ میں باہر کی طرف سے تالا لگانے کی کوئی زنجیر نہ تھی۔ ضرورت کے وقت اندر کی طرف سے ہاتھ نکال کر تالا لگا دیا جاتا تھا۔ رمیقیہ نے ماں سے چابی لے کر اندر سے تالا لگا لیا اور پھر وہ ماں کے پیچھے چلنے لگی۔

رمیقیہ سمجھ گئی کہ اُس کی ماں اپنے بھائی کے پاس جا رہی ہے۔ اُس کا بھائی اوسلو قریب ہی رہتا تھا۔ اوسلو اور اُس کا بیٹا اوفوش بھی یہی کام کرتے تھے۔ اُن کی حالت بھی اُنہی جیسی تھی۔ بلکہ اوفوش کی جواء کھیلنے کی عادت نے اس کے گھر میں اور زیادہ جھاڑو پھیر رکھی تھی۔ اسی محلے میں تقریباً سبھی لوگ اسی قسم کے معمولی پیشے سے وابستہ تھے۔ گالی گلوچ اور دنگا فساد وہاں کا عام دستور تھا۔ چونکہ یہ خالص عیسائیوں کی آبادی تھی اس لئے اشبیلیہ کے مسلم حکمران المعتقد باللہ نے اس آبادی کے گرجا کے پادری کو قاضی مقرر کر دیا تھا جو اپنی صوابدید پر جھگڑے نمٹاتا تھا۔ اُندلس کے حکمرانوں نے یہ دستور بنا رکھا تھا کہ وہ خالص غیر مسلم علاقوں اور محلوں میں اُسی قوم کے قاضی (جج) مقرر کرتے تھے تاکہ انہیں کسی قسم کا شکوہ نہ ہو۔

Marfat.com

ماموں کے گھر پہنچتے پہنچتے رمیقیہ کی آدھی جان نکل گئی تھی۔ اُس کا گلابی چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور پورا جسم لرز رہا تھا۔ رمیقیہ کی ماں بھی برسوں کی بیمار دکھائی دے رہی تھی۔ اوسلو اور اوفوش نے اُنہیں دیکھا تو گھبرا کے کھڑے ہو گئے۔ اوسلو نے آگے بڑھ کے بہن کو سہارا دیا اور اُسے بٹھا دیا۔ اوفوش نے بھی باپ کی پیروی کی اور رمیقیہ کی طرف بڑھا تا کہ اُسے سہارا دے سکے۔ اوفوش کو رمیقیہ کی مدد کا یہ پہلا موقع ہاتھ آیا تھا اس لئے وہ گھبرانے کے باوجود دل میں خوش تھا۔ رمیقیہ نے اُسے کبھی منہ نہ لگایا تھا۔ وہ خوش خوش رمیقیہ کے پاس پہنچا۔ اُس نے بڑے اشتیاق سے اپنے دونوں ہاتھ رمیقیہ کی کمر کی طرف بڑھائے۔ مگر اُس کی یہ خوشی یا آرزو اُسی وقت دم توڑ گئی جب رمیقیہ نے اوفوش کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ایک جھرجھری سی لی اور فوراً سنبھل کر ماں کی طرف بڑھ گئی۔ اوفوش کے کشادہ ہاتھ جہاں تھے، وہیں رُک کر رہ گئے اور اُس کی آنکھیں حیرت اور قدرے غصے سے کچھ زیادہ ہی پھیل گئیں۔

"کیا ہوا پیاری بہن؟" اوسلو نے بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے بہن کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم اور رمیقیہ کیا ہوا تم دونوں کو؟"

"بڑا غضب ہوا ہے اوسلو!" رمیقیہ کی ماں کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ رمیقیہ نے اپنی عزت بچا لی۔ اُس کی آئی موت بھی رُک گئی مگر وہ اُس کا پیچھا کر رہا ہے۔"

"کون پیچھا کر رہا ہے؟ صاف صاف بتاؤ۔ کیا ہوا؟ رمیقیہ سے کس نے شرارت کی؟"

"مجھے بتاؤ پھوپھی!" اوفوش نے بات بیچ ہی میں اُچک لی۔ "کس نے رمیقیہ کی طرف ہاتھ بڑھائے؟ میں اُس کا خون پی لوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اوفوش، رمیقیہ کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ رمیقیہ ماں کی طرف تھوڑا اور کھسک گئی۔

رمیقیہ کی ماں نے جو کچھ رمیقیہ سے سنا اور جو آنکھوں سے دیکھا وہ ٹھہر ٹھہر کر بتانا شروع کیا۔ اوفوش کو ایک بار پھر ہمدردی جتانے کا موقع مل گیا۔ وہ بیچ بیچ خواہ مخواہ ہوا میں مکے گھماتا رہا۔ رمیقیہ اگرچہ اُسے پسند نہ کرتی تھی لیکن اُسے معلوم تھا کہ اگر اُس نے اس وجہ سے اوفوش کے ساتھ ذرا بھی سخت رویہ اختیار کیا تو وہ اُس کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دے گا اس لئے وہ خاموش بیٹھی اوفوش کی تمام حماقت انگیز باتیں برداشت

Marfat.com

کرتی رہی۔ اوفوش کی اُنگلیاں کئی بار اُس کے جسم سے ٹکرائیں مگر رمیقیہ جی کڑا کر کے اُس کی حرکتوں کو درگزر کرتی رہی۔ رمیقیہ کی خاموشی یا مجبوری نے اوفوش کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ رمیقیہ اُس کی طرف متوجہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہا تھا۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' اوسلو نے تمام باتیں سننے کے بعد فکرمند لہجے میں کہا۔ ''پتہ نہیں وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اگر اُس کے پیچھے مسلمان لگے ہوئے تھے تو ہمیں اُس کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اُس نے رمیقیہ کو خاموش رکھنے کے لئے اس کا گلا دبا دیا ہو۔''

''میرے بھائی! ہر چیز ممکن ہے اور سب کچھ ہوسکتا ہے۔'' رمیقیہ کی ماں نے اوسلو کی باتوں سے اُکتاتے ہوئے کہا۔ ''ان باتوں کو بعد میں سوچا جائے گا۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اس کی فکر کرو۔''

''ہاں ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔'' اوسلو بولا۔ ''مگر کرنا کیا ہے؟ پہلے تو یہ پتہ لگانا ہوگا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔ اور......''

''تم رہنے دو میرے باپ!'' اوفوش نے غصہ سے کہا۔ ''اصل مسئلہ تو رمیقیہ کے گھر سے لاش اٹھا کر کہیں ٹھکانے لگانا ہے۔ پھر کچھ سوچیں گے۔''

اوفوش کی بات نے ماں بیٹی کو چونکا دیا۔

''تم نے ٹھیک کہا اوفوش بیٹے!'' ماں نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''سب سے پہلے یہی کام کرنا چاہئے۔ تاکہ قتل کا راز، راز ہی رہے۔''

''کیوں رمیقیہ! تمہارا کیا خیال ہے؟'' اوفوش نے محض اپنی تعریف کے لئے رمیقیہ کو مخاطب کیا۔

رمیقیہ کے دل میں اوفوش کے لئے کچھ نرم گوشے پیدا ہو گئے تھے۔ اُس نے شکر گزار نظروں سے اوفوش کو دیکھا۔

''اوفوش! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' رمیقیہ نے یک گونہ پیار سے کہا۔ ''اجنبی کی لاش جلد سے جلد گھر سے ہٹ جانا چاہئے۔''

Marfat.com

''میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں رمیقیہ!'' رمیقیہ کی ہمدردی حاصل ہوتے ہی اوفوش کی زبان پہلے سے زیادہ کھل گئی۔ ''میں لاش کو کاندھے پر لاد کے کسی ایسی جگہ پھینک آؤں گا کہ قیامت تک کسی کو پتہ نہ چل سکے گا۔''

''اور میں کمرے کا خون دھو کر صاف کر دوں گی۔ ایک بھی نشان باقی نہ رہے گا۔'' رمیقیہ نے اس طرح ٹکڑا لگایا کہ جیسے یہ مسئلہ بالکل اُس کی مرضی کے مطابق ختم ہو جائے گا۔''

''احمق بیٹے۔'' اوسلو نے اوفوش کو تیز نظروں سے دیکھا۔ ''تم لاش کو کاندھے پر ڈال کر سیر کو نکلو گے تو کیا تمہیں کوئی نہ دیکھے گا؟ مسلم پہریدار رات میں چار مرتبہ گھوڑے بھگاتے بستیوں کا چکر لگاتے ہیں۔ کیا اُن کی آنکھیں بھی اندھی ہو جائیں گی؟''

''بھائی... اس بحث سے کیا فائدہ؟'' رمیقیہ کی ماں بے بسی سے بولی۔ ''میرے ساتھ گھر چلو۔ وہاں پہنچ کے کوئی فیصلہ کرنا۔ یہاں کھڑے کھڑے باتیں بنانے سے کیا حاصل؟''

''پھوپھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' اوفوش نے فوراً پھوپھی کی تائید کی۔

اوسلو کے گھر سے سب لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ رمیقیہ کے گھر کے پاس پہنچے۔ اوفوش کو آگے بھیجا گیا تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر ان لوگوں کو مطلع کرے۔

اوفوش نے ابھی رمیقیہ کے گھر کے گرد نصف ہی چکر لگایا ہو گا کہ مسلم پہریدار گھوڑے بھگاتے اس گلی میں داخل ہوئے۔ اوفوش فوراً ایک مخصوص جگہ چھپ گیا۔ جب پہریدار گلی پار کر گئے تو اوفوش پھر نکلا۔ اُس نے رمیقیہ کے گھر کے دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لی۔ مگر اندر بالکل خاموشی تھی۔ اُس نے دروازے کو دھکا دے کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس سے اوفوش نے یہ نتیجہ نکالا کہ رمیقیہ اپنے گھر کو جس حال میں چھوڑ گئی تھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

اوفوش نے آکر بتایا کہ رمیقیہ کا گھر بالکل پہلے کی طرح ہے اور دروازے اب تک اندر سے بند ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اوفوش نے مسلم پہریداروں کا ایک فرضی قصہ بھی سنایا جس میں اُس نے ظاہر کیا کہ پہریداروں نے اُسے مشتبہ حالت میں گھومتے دیکھ کر اُس کے پیچھے گھوڑے دوڑا دیئے تھے اور یہ کہ اُس نے بڑی مشکل سے پہریداروں سے اپنی جان بچائی ہے۔ رمیقیہ کی ماں اور اوسلو نے ممکن ہے کہ اوفوش کی بات کا یقین کیا ہو

Marfat.com

مگر رمیقیہ کو اُس کی بات کا بالکل یقین نہ آیا بلکہ اُس کے دل میں اوفوش کے لئے جو نرم گوشہ پیدا ہوا تھا اس میں بھی ارتعاش پیدا ہو گیا۔ رمیقیہ کو اوفوش کی اس چھچھوری حرکت پر غصہ بھی آیا مگر حالات اُسے اوفوش سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے اس لئے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

سب لوگ پشت کے گیٹ سے گھر میں داخل ہوئے۔ پہلے وہ رمیقیہ کے کمرے میں گئے جہاں تھوڑی دیر رُک کر مزید جائزہ لیا گیا۔ پھر اوسلو کے کہنے پر چراغ روشن کیا گیا جس کی دھیمی روشنی میں یہ لوگ رمیقیہ کے کمرے میں پہنچے۔ رمیقیہ اور اُس کی ماں نے اجنبی کی لاش کو اسی حالت میں پایا۔ ہر چیز جہاں تھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ لاش کے گرد جگہ جگہ خون جم گیا تھا۔ اوفوش کے لئے یہ منظر بڑا خوفناک تھا۔ لاش اور خون دیکھ کر اُس کے جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اُسے رمیقیہ کے سامنے اپنی بہادری کا ثبوت دینا تھا۔ اس لئے اُس نے آگے بڑھ کر گٹھڑی بنی ہوئی لاش کے سر پر ایک ٹھوکر جڑ دی۔ اوفوش نے ایسا کیوں کیا؟ یہ بات کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئی۔ پھر جب اوفوش نے یہ بے تکی حرکت کرنے کے بعد پلٹ کر بڑے فخر کے ساتھ سب کو دیکھا تو یہ بات پہلے سے بھی زیادہ عجیب تھی۔ رمیقیہ کا ذہن بڑا منتشر تھا اور وہ حالات کے شدید دباؤ میں تھی۔ مگر وہ اوفوش کی اس حماقت در حماقت پر جل بھن کے رہ گئی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ اوفوش کا پہریداروں کی فرضی کہانی سنانا اور لاش کو ٹھوکر مارنا ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں تھیں جس سے اوفوش کا رمیقیہ کو مرعوب کرنے کے سوا اور کوئی مطلب نہ تھا۔

اوسلو نے اجنبی کی لاش کو گھر سے باہر لے جانے کی سخت مخالفت کی اور مشورہ دیا کہ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ لاش کو عارضی طور پر باڑے کے اندر گڑھا کھود کر دبا دیا جائے اور حالات درست ہونے پر کوئی دوسرا قدم اٹھایا جائے۔ رمیقیہ لاش کو باڑے میں دفن کرنے کے حق میں نہ تھی۔ اُس نے نرم لہجے میں اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''ماموں جان! اجنبی میرے ہاتھ سے قتل ہوا ہے اور مجھے اس گھر میں رہنا ہے۔''

رمیقیہ نے دراصل بڑے سلیقے سے لاش کو گھر میں دفن نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اوفوش نے بڑے ہی گھامڑ پن سے رمیقیہ کی تائید کی۔

Marfat.com

''رمیقیہ سچ کہہ رہی ہے۔ اگر لاش کو یہاں دفن کیا گیا تو رمیقیہ پر ہر وقت خوف سوار رہے گا جس سے اُس کی صحت بھی خراب ہو سکتی ہے۔''

رمیقیہ اور بھی جل اُٹھی۔ اُس نے بھی یہی بات کہی تھی۔ مگر اوفوش نے جس بے ڈھنگے پن سے اس کا اظہار کیا تھا اُس نے رمیقیہ کے حُسنِ کلام کی مٹی پلید کر دی تھی۔

اوسلو کو بھی اپنے بیٹے کا یہ انداز ناگوار گزرا تھا۔ اُس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

''اب چاہے رمیقیہ کو خوف گھیرے یا ڈر ستائے، لاش کو اس وقت گھر سے نکالنا کسی نئی مصیبت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اوسلو نے بہن کی طرف دیکھا۔ رمیقیہ کی ماں بھی لاش کو باڑے میں دفن کرنے کے حق میں نہ تھی لیکن اوسلو نے جس خطرے کی طرف اشارہ کیا تھا اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

''بھائی! میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتی ہوں۔ رمیقیہ ایسی بچی نہیں کہ خوفزدہ ہو جائے۔ اس کے پاس میں بھی تو موجود ہوں۔''

''پھوپھی جان!'' اوفوش نے ایک اور پھوہڑ پن دکھایا۔ ''زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ اور رمیقیہ کچھ دنوں کے لئے میرے گھر آ جائیں تاکہ رمیقیہ کا خوف دُور ہو جائے اور اُسے اپنے گھر رہنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔''

رمیقیہ کو اپنی حالت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اپنی کمزوری کا کیوں اظہار کیا جس نے اوفوش کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اُسے بار بار کچوکے دے۔ اُس نے ذرا جھلا کر کہا۔

''ماں! مجھے کسی قسم کا خوف نہیں۔ میں اپنے گھر ہی میں رہنا زیادہ پسند کروں گی۔''

شکر ہے کہ بات یہیں پر ختم ہو گئی۔ ورنہ پتہ نہیں اوفوش نہ جانے ابھی اور کیا کیا بکواس کرتا۔ اوسلو نے باڑے کے درمیان گڑھا کھودنے کی خدمت بھی اوفوش کے سپرد کی۔ اوفوش نے اپنی مردانگی دکھانے کے لئے اس خدمت پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس لاش کو کمرے سے نکال لیا گیا۔ رمیقیہ اور اُس کی ماں کمرے سے خون صاف کرنے میں لگ گئیں۔

دوسری طرف اوفوش نے بڑی تیزی سے گڑھا کھود لیا۔ عیسائیوں کے مُردے عام

Marfat.com

طور پر کھڑے دفن کیے جاتے ہیں۔ مگر وقت کے تقاضے کے پیش نظر اوسلو نے اوفوش کی مدد سے لاش کو گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی بھر دی۔ پھر جب زمین برابر ہو گئی تو اس پر گھاس پھونس ڈال دی گئی تا کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔

جس وقت اوفوش گڑھا کھود رہا تھا اس دوران اوسلو نے اُلٹ پلٹ کر لاش کا جائزہ لیا تھا۔ اس طرح اُسے اجنبی کے گلے میں پڑا ہوا سونے کا ایک لاکٹ ملا تھا۔ لاکٹ اُس نے فوراً جیب میں ڈال لیا تھا۔ اوسلو اپنی جوانی کے زمانہ میں طلیطلہ کے عیسائی شہنشاہ الفانسو کی فوج میں خدمات انجام دے چکا تھا۔ اُسے لاکٹ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ قتل ہونے والا طلیطلہ کا کوئی اہم فوجی سردار تھا۔ کیونکہ سونے کے لاکٹ عیسائی حکومت کی طرف سے ان لوگوں کو عطا کیے جاتے تھے جو لوگ اہم فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ اوسلو لاکٹ کے ساتھ مقتول کا ترکش بھی گھر لے آیا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

Marfat.com

یورپ کے عظیم ملک اُندلس (ہسپانیہ، اسپین) پر پہلی صدی ہجری میں دمشق کے اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے قبضہ کیا تھا۔ اس ملک نے اسلامی دورِ حکومت میں زندگی کے ہر شعبہ میں اس قدر ترقی کی تھی کہ یورپ کے سر کا تاج بن گیا تھا۔ دمشق میں اموی خلافت کا تختہ اُلٹ گیا اور عباسی خلیفہ تخت و تاج کے مالک ہو گئے۔ لیکن اُندلس میں بدستور اموی حکومت قائم رہی جسے اُس وقت اور زیادہ عروج حاصل ہوا جب ایک پریشان حال اموی شہزادہ عبدالرحمان جان بچاتا ہوا اُندلس پہنچا اور وہاں کے لرزتے تخت و تاج کو سہارا دیا اور اسے ایسا مضبوط کر دیا کہ مسلمان آٹھ سو سال تک کسی نہ کسی طرح اس خطے پر حاکم رہے۔

اُندلس میں آخری اموی خلیفہ سلیمان 407ھ میں علی بن حمود کے ہاتھوں قتل ہوا جس کے ساتھ ہی اُندلس میں امویون کا چار سو سالہ دورِ حکومت ختم ہو گیا اور یہ زرخیز اور ترقی یافتہ ملک طوائف الملوکی کی زد میں آ گیا۔ قرطبہ کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ صوبائی گورنروں نے مرکز کو کمزور دیکھ کر خودمختاری کا اعلان کر دیا اور بجائے اس کے کہ عیسائی حکومت کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مل کر مقابلہ کرتے خود آپس ہی میں برسرِ پیکار ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کے بہترین علاقے ایک ایک کر کے ہاتھ سے نکلتے رہے اور اُندلس کے پرانے دارالسلطنت طلیطلہ میں عیسائیوں کی ایک زبردست حکومت قائم ہو گئی جس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑا لڑا کر اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ اپنے ہی بھائیوں کے خلاف طلیطلہ کی عیسائی حکومت سے مدد کے طلبگار ہو گئے۔

اس صدی ہجری میں اشبیلیہ اور مغربی اُندلس پر بنو عباد کی حکومت تھی اور امیر المسلمین معتقد یہاں کا بادشاہ تھا۔ اشبیلیہ کا علاقہ جس قدر زرخیز تھا، وہاں کی حکومت اتنی ہی کمزور

Marfat.com

تھی۔ یہ صرف المعتقد کی ذہانت اور حکمت عملی تھی کہ اشبیلیہ کی طرف کسی اور حکمران یا عیسائی شہنشاہ کی نظریں نہ اُٹھتی تھیں۔ ملک میں بظاہر امن و امان تھا مگر شمالی سرحد پر الفانسو کا خطرہ ہر وقت لہراتا رہتا تھا۔ یوں تو الفانسو اور المعتقد میں صلح تھی اور آپس میں تحائف کا بھی تبادلہ ہوتا تھا مگر دونوں کے دل صاف نہ تھے۔ اُندلس کے جنوب میں اُس سرسبز علاقے کی طرف الفانسو کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور اُس کے جاسوس اشبیلیہ کے عیسائی محلوں میں اکثر چکر لگاتے رہتے تھے۔

وہ شام بڑی خوبصورت تھی۔ اشبیلیہ کے حکمران کا نورِ نظر اور ولی عہد سلطنت شہزادہ ابوالقاسم دریائے کبر کے کنارے سیر کر رہا تھا۔ شہزادے کے ساتھ وزیر سلطنت اور ایک ناظر تھا۔ چونکہ شاہ اور شہزادے کو عیسائیوں کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ تھا اس لئے اُس نے شہزادے کو مشورہ دیا تھا کہ وہ باہر جاتے وقت اپنا لباس تبدیل کر لیا کرے تاکہ اُسے کوئی شناخت نہ کر سکے۔ شاہ پر کچھ دن پہلے ہی ایک قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور وہ بال بال بچ گئے تھے۔ تحقیق پر صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ یہ حملہ شہنشاہ الفانسو کی ایما پر کیا گیا تھا کیونکہ الفانسو میدانِ جنگ میں اُسے شکست نہ دے سکتا تھا اس لئے اس قسم کے بند اور چھپے ہوئے وار کیا کرتا تھا۔

نہ صرف شہزادہ بھیس بدلے ہوئے تھا بلکہ ابن عماد اور شاہی ناظر بھی ایسے کپڑے پہنے تھے کہ دیکھنے والا انہیں دیکھ کر صرف یہی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ تینوں نوجوان سیر سپاٹے کے رسیا ہیں اور اسی طرح آوارہ گردی اور باغوں اور نزہت گاہوں کے چکر کاٹا کرتے ہیں۔ شہزادہ ابوالقاسم اور ابن عماد میں دوستی کی اصل وجہ ان دونوں کی شاعرانہ طبیعت تھی۔ شہزادہ ایک طرف تو تلوار کا ایسا دھنی تھا کہ صرف گیارہ سال کی عمر میں شاہ معتقد نے اُسے شہر شلب کی تسخیر کے لئے سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور اس بچہ سپہ سالار نے میدانِ جنگ میں شمشیر زنی کے جوہر دکھا کر دشمن کو شکست دے کر شہر شلب پر قبضہ کر لیا تھا۔

شجاعت کے ساتھ ساتھ اُس میں شعر گوئی کا مادہ بھی موجود تھا۔ شہزادہ ابوالقاسم نے اشبیلیہ اور قرطبہ کے استادانِ فن سے باقاعدہ شاعری کی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور کم

Marfat.com

عمری ہی میں اُس کا شمار اس دور کے مشہور شعراء میں ہونے لگا تھا۔

ابن عماد بھی اس وقت کا ایک عظیم شاعر تھا جو بظاہر خاموش طبیعت نظر آتا تھا لیکن بلا کا بذلہ سنج تھا اور برجستہ شعر گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ شہزادے کی طبیعت جب موزوں ہوتی تو وہ ایک مصرعہ کہتا اور ابن عماد سے دوسرے مصرعہ کی فرمائش کرتا۔ ابن عماد اس قدر حاضر دماغ تھا کہ اُسے دوسرا مصرعہ کہنے میں ذرا بھی پریشانی نہ ہوتی۔ پھر دونوں مصرعے مل کر ایک خوبصورت شعر بن جاتے تھے۔

شہزادے نے اپنا ناظر بھی ایسا مقرر کیا تھا جو شاعر تو نہ تھا لیکن شعر فہم ضرور تھا۔ وہ شہزادے اور ابن عماد کی شاعرانہ گفتگو سنتا اور ان پر تنقید کرتا تھا۔ اس وقت بھی تینوں کے درمیان شعر و شاعری پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ موضوع شعر و نغمہ سے ہٹ کے سیاست پر آ گیا۔ شہزادہ ابوالقاسم کا خیال تھا کہ اُندلس میں مسلمانوں کا زوال اُن کی خود غرضی اور باہمی نفاق کی وجہ سے ہوا ہے۔ ابن عماد کو اس سے اتفاق نہ تھا۔ اُس کے خیال میں سیدھی سی بات یہ تھی کہ ہر سلطنت اپنے کمال پر پہنچنے کے بعد زوال پذیر ہو جاتی ہے اور وہ اسے عمرانیات اور تاریخ کا ایک اہم نکتہ بتاتا تھا۔

شام کا دھندلکا بڑھتا جا رہا تھا۔ دریا میں تیرنے والی کشتیاں اس دھندلکے میں آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھیں۔ زیتون کے باغات ساکت ہو گئے تھے۔ ابوالقاسم اور ابن عماد زوردار بحث میں مصروف تھے اور ناظر کو یہ پریشانی تھی کہ شہزادے کو کس طرح آگے بڑھنے سے روکے۔ شاہ کا حکم تھا کہ شہزادے کو نماز مغرب سے پہلے محل واپس آ جانا چاہئے۔ ناظر بار بار پھوٹی ہوئی شفق کو دیکھتا اور اُس کے ہونٹ لرز کے رہ جاتے۔ وہ شہزادے سے بہت بے تکلف تھا اور گستاخی بھی کر جاتا تھا لیکن اُس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ شہزادے کو واپس چلنے کے لئے کہے۔ کیونکہ یہ ایک کھلا ہوا حکم ہوتا اور سرکش شہزادہ کسی کا حکم نہ مانتا تھا۔ ناظر اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اذان کی آواز سنتے ہی شہزادے اور ابن عماد نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ ناظر اپنا گھوڑا پہلے ہی روک چکا تھا۔

اذان ختم ہوتے ہی سب نے اپنے گھوڑے مسجد کی طرف موڑ دیئے۔ گھوڑے چند ہی

Marfat.com

قدم چلے تھے کہ کسی سمت سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور شہزادے ابوالقاسم کے سر کے قریب سے گزر گیا۔ ابوالقاسم اور ابن عماد گھبرا کر رُک گئے مگر ناظر نے شاید زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں کسی کو دیکھ لیا تھا۔ پس اُس نے بڑی تیزی سے اپنا گھوڑا اُس طرف ڈال دیا۔ شہزادے اور ابن عماد نے بھی اپنے گھوڑے اُس طرف دوڑا دیئے۔

شفق کی سرخی غائب ہو چکی تھی اور اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ چند قدم کے آگے کچھ نہ سوجھتا تھا۔ مگر ناظر اپنا گھوڑا ایک جھنڈ سے دوسرے جھنڈ کی طرف بھگا رہا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ تیر اُدھر ہی کے کسی جھنڈ سے چلایا گیا تھا۔ ایک دو بار اُسے یہ بھی شبہ ہوا کہ کوئی سایہ سا درختوں کے درمیان بھاگ رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خود بھی گھوڑا دوڑا رہا تھا مگر اندھیرے کی وجہ سے اُسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

درختوں کے درمیان گھوڑے بھگاتے بھگاتے سوار اور گھوڑے دونوں پسینے میں شرابور ہو گئے تھے مگر تیر چلانے والا اُن کے ہاتھ نہ آیا تھا۔ آخر تھک کر ناظر نے گھوڑا روک لیا۔ شہزادہ اور ابن عماد بھی اُس کے پاس پہنچ گئے۔

''تم نے کسی کو دیکھا تھا ناظر؟'' شہزادے کی سانس پھول رہی تھی۔

''شہزادے بہادر!'' ناظر نے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تیر آپ کے سر کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا، اس سے میں نے تیر چلانے والے کی سمت کا اندازہ لگایا تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں بھی مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ لیکن کئی بار ایک سایہ سا بھاگتا ہوا محسوس ہوا۔ میں اب تک اُسی کا پیچھا کرتا رہا ہوں۔''

''ہو سکتا ہے جسے تم سایہ سمجھ رہے ہو وہ تمہارا وہم ہو؟'' شہزادے ابوالقاسم نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہمیں اس سائے کے بارے میں زیادہ سنجیدگی سے نہیں سوچنا چاہئے۔''

''شہزادے!'' ابن عماد نے سخت لہجہ اختیار کیا۔ ''اس خوفناک حادثہ کو غیر سنجیدہ معاملہ کہہ کر اس سے درگزر کرنے کا مشورہ آپ کو بہادر تو ظاہر کرتا ہے لیکن اس میں عقل و فراست کا کوئی دخل نہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا تو ہمارا کیا بنتا؟ اور اس کا اثر کہاں کہاں تک پہنچتا۔''

Marfat.com

''ابن عماد بالکل درست فرما رہے ہیں شہزادے۔'' ناظر نے تائید کی۔ ''ہمیں تیر چلانے والے کو ہر صورت میں تلاش کرنا ہے۔ اگر ہم نے خاموشی اختیار کر لی تو دشمن کا حوصلہ اور بڑھ جائے گا۔''

''شہزادے! آپ جوانی کے جوش میں احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔'' ابن عماد نے اور زیادہ تلخی سے کہا۔ ''شاہ نے سخت تاکید کی تھی کہ ہمیں مغرب کی اذان سے پہلے اپنی سیر ختم کر کے محل واپس آ جانا چاہئے۔ مگر آپ کا گھوڑا آگے ہی آگے بڑھتا رہتا ہے۔''

''ابن عماد! میں بہادری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ لیکن میں بزدلی کا الزام بھی اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔'' شہزادہ ابوالقاسم ناگوار انداز میں بولا۔ ''آج حضور نے مغرب سے پہلے واپسی کی پابندی لگائی ہے۔ کل کو وہ کہہ دیں گے کہ محل سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ تو کیا میں چوڑیاں پہن کے کونے میں بیٹھ جاؤں گا؟''

''شہزادے! اگر شاہ آپ کو پابند نہیں کریں گے تو میں اُن سے درخواست کروں گا کہ وہ آپ کو محل سے نہ نکلنے کا حکم دیں۔ کیا ضرورت ہے کہ آپ شہر کی عام تفریح گاہوں میں گھومتے پھریں۔ یہ شوق شاہی باغ میں بھی تو پورا کیا جا سکتا ہے۔'' ابن عماد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

شہزادہ اپنے مخلص دوست کے اس سخت انداز سے کچھ پریشان ہو گیا اور نرمی سے بولا۔ ''ابن عماد! کیا تم ابا حضور سے کہہ دو گے کہ مجھ پر آج کسی نے تیر چلایا تھا؟''

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اتنے بڑے حادثہ کو گول کر جاؤں گا؟'' ابن عماد نے تلخی سے کہا۔

''اچھا تو پھر جاؤ اور ابا حضور سے کہہ دو کہ میں محل واپس نہیں جاؤں گا۔'' شہزادے ابوالقاسم نے اپنی شہزادگی کا رُعب ڈالا۔

ابن عماد نے تو اسے شہزادے کی ایک شاعرانہ ادا سمجھ کے نظر انداز کر دیا لیکن ناظر کانپ اُٹھا۔ بھلا شہزادے کو چھوڑ کر وہ محل کیسے جا سکتا تھا؟ وہ شاہ کا کس منہ سے سامنا کرتا؟ اُس کی کھال نہ کھنچوالی جاتی۔ وہ جلدی سے اپنا گھوڑا چھوڑ کے شہزادے کے پاس پہنچا اور اُس کی رکاب میں پڑا پیر پکڑ کر گڑگڑایا۔

Marfat.com

''میری جان شہزادے پر نثار۔ میں بھلا آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکتا ہوں؟ میں اپنی زبان پر تالا لگا لوں گا۔ بھائی ابن عماد بھی کچھ نہ بتائیں گے۔''

ناظر کی باتوں نے ابن عماد کی آنکھیں بھی کھول دیں۔ ناظر نے اپنا آخری جملہ اُس کو دیکھ کر کہا تھا۔ ابن عماد نرم پڑ گیا۔ اُس نے کہا۔

''یہ تو ٹھیک ہے کہ ہم شہزادے کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ میں شہزادے کی شکایت کر دوں گا؟ میرا مطلب تو یہ ہے کہ تیر چلانے والے کا پتہ چلایا جائے اور اُسے ایسی سزا دی جائے کہ دیکھنے اور سننے والے کو عبرت ہو۔''

''مگر تم سایہ کو کہاں تلاش کرو گے؟ گھوڑے بھگاتے بھگاتے مغرب سے عشاء کا وقت ہو گیا ہے۔ اب کدھر جاؤ گے؟''

شہزادے کو افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اپنی شہزادگی کا غلط استعمال کیا۔ اُس کے دونوں مخلص دوست گھبرا اٹھے تھے اور انہیں اپنی جانوں کی فکر پڑ گئی تھی۔

''باغوں میں ڈھونڈ لیا۔ اب محلّوں میں دیکھیں گے۔'' ابن عماد نے دبی زبان سے کہا۔

''وہاں سے یہاں تک کتنی بستیاں گزر گئی ہیں۔ کہاں کہاں تلاش کرو گے؟''

ناظر کے دماغ میں فوراً اس کا جواب آ گیا۔ ''شہزادے! ہم جن راستوں سے گزرے ہیں ان میں عیسائیوں کا صرف ایک محلہ پڑا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ناظر کی بات کی تائید کرتا ہوں۔'' ابن عماد نے ناظر کی بات پوری نہ ہونے دی۔ ''شاہ پر بھی کسی عیسائی نے حملہ کیا تھا اور شہزادے پر بھی انہی کم بختوں میں سے کسی نے تیر چلایا ہو گا۔ وہیں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔''

''ابن عماد!'' شہزادے نے مصالحانہ انداز میں کہا۔ ''یہ غلط ہے کہ ابا حضور پر کسی عیسائی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اس کا اب تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ پھر عیسائیوں کا میں نے کیا بگاڑا ہے؟ اشبیلیہ کے عیسائیوں کو مسلمانوں جتنے حقوق حاصل ہیں، وہ ہماری کیوں مخالفت مول لیں گے؟''

''شہزادے بہادر! عیسائی اس قدر اعلیٰ ظرف نہیں۔'' ناظر نے ایک عام خیال ظاہر کیا۔ ''اب تک عیسائیوں سے جس قدر لڑائیاں ہوئی ہیں، ان میں جب ہمیں فتح حاصل

Marfat.com

ہوئی ہے تو عیسائیوں کو عام معافی دے دی گئی۔ اور جب یہ بدطینت کامیاب ہوئے تو انہوں نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر بھی رحم نہیں کیا۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" شہزادے نے اُکتائے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ کیا کرنا چاہیئے؟ کسی عیسائی محلہ میں رات کے وقت جانا اصولی حیثیت سے بھی درست نہیں۔ فرض کرو تیر چلانے والا بھاگ کر عیسائی محلہ میں پہنچ چکا ہے تو وہ خود تمہارے سامنے آ کر نہیں کہے گا کہ میں نے تیر چلایا ہے، مجھے گرفتار کر لو۔"

"شہزادے! آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ شاہ کا حکم بھی یہی ہے کہ رات کے وقت عیسائی محلے میں مسلمان داخل نہ ہوں۔ لیکن ایک حملہ آور کو اس طرح چھوڑ دینا بھی اچھا نہیں۔" ابن عماد نے شہزادے کے لہجے کی تلخی محسوس کر لی تھی اس لئے اُسے کھل کے رائے دینے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

شہزادہ ابوالقاسم جھلا اُٹھا۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو ابن عماد؟ کیا عیسائی محلے میں گھر گھر تلاشی لینے کا ارادہ ہے؟"

"شہزادے! آپ ناراض نہ ہوں۔" ابن عماد نے ہمت کر کے کہا۔ "ہم یہاں تک آ گئے ہیں تو عیسائی محلہ کا ایک چکر لگا لینے میں کیا حرج ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ چلو تم اپنے دل کا ارمان بھی نکال لو۔"

سب نے گھوڑے سنبھالے اور آہستہ آہستہ عیسائی محلہ میں آ گئے۔ پورے محلہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سوائے ایک دو قہوہ خانوں کے کہیں دُور دُور تک کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناظر نے قہوہ خانے میں جھانک کر بھی دیکھا لیکن وہاں کوئی ایسی صورت نظر نہ آئی جس پر شک کیا جا سکے۔ واپسی میں یہ لوگ رمیقیہ کے مکان کے سامنے سے گزرے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ رمیقیہ کے دروازے پر ابن عماد کے گھوڑے نے کچھ اس طرح ٹھوکر کھائی کہ ابن عماد گھوڑے سے لڑھک کر زمین پر آ رہا اور اُس کا پیر رکاب میں پھنس گیا۔ ابن عماد کا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔ شاید اُسے چوٹ بھی آئی تھی۔ لیکن گلی میں اندھیرا اس غضب کا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ ناظر نے جلدی سے گھوڑے سے اُتر کر ابن عماد کو سہارا دیا اور اُسے دوبارہ گھوڑے پر سوار کر دیا۔

Marfat.com

"شہزادے! مجھے اجازت دیجئے کہ میں برابر کے مکان پر دستک دے کر چراغ منگواؤں۔" ناظر نے گھبرا کر کہا۔ "ابن عماد کو چوٹ آئی ہو گی۔ ان کے لئے کچھ فوری طور پر کرنا چاہئے۔"

"نہیں ناظر، مناسب نہیں۔" شہزادے نے صاف انکار کر دیا۔ "کوئی دوسری مصیبت کھڑی ہو گئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گی۔ جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔"

اسی وقت ابن عماد جھونک کھا کر پھر زین سے لٹک گیا۔ شہزادہ فوراً گھوڑے سے کود کر ابن عماد کے پاس آیا۔ ناظر کی مدد سے اُس نے ابن عماد کو زین سے الگ کیا۔ ابن عماد پر نیم غشی طاری تھی۔

"شہزادے! میں دستک دے کر روشنی منگوا لوں؟" ناظر نے دوبارہ درخواست کی۔

"ابن عماد کو میرے سامنے بٹھا دو اور اس کا گھوڑا تم سنبھال لو۔" اور شہزادہ جست لگا کر اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔

ناظر کو شہزادے پر بڑا غصہ آیا لیکن اُس نے ابن عماد کو کسی نہ کسی طرح پیٹھ پر لاد کے شہزادے کے آگے ڈال دیا۔ اس طرح یہ لوگ عیسائی محلے سے نکل کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔

شہزادے نے اچھا ہی کیا کہ ناظر کو رمیقیہ کے گھر پر دستک دینے کی اجازت نہ دی۔ ورنہ پتہ نہیں کیا قیامت مچتی۔ کیونکہ رمیقیہ اُس وقت اپنی ماں کے ساتھ اپنے ہی کمرے میں اجنبی کے خون کے دھبوں کو رگڑ رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر ناظر دروازے پر دستک دیتا اور اندر سے کوئی جواب نہ آتا تو وہ روشنی حاصل کرنے کے لئے گھر میں زبردستی داخل ہو جاتا۔ اس صورت میں لاش اُس کی نظر سے چھپی نہ رہتی۔ پھر شاید رمیقیہ پر قیامت ٹوٹ پڑتی۔

اُس دن سے شہزادے کی نزہت گاہ ابیض کی سیر بند ہو گئی۔ اس لئے نہیں کہ شہزادے نے دریائے کبر کی سیر کرنا چھوڑ دی بلکہ ابن عماد اور ناظر نے اُس کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا۔ ابن عماد نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر شہزادے نے باغ ابیض جانے پر زور دیا تو وہ شاہ المعتقد کو شہزادے پر قاتلانہ حملے کی اطلاع دے دے گا۔

Marfat.com

شہزادہ بات کو خواہ مخواہ بڑھانا نہیں چاہتا تھا اس لیئے اس نے بھی کچھ دنوں کے لیئے خاموشی اختیار کر لی۔

رمیقیہ نے اگرچہ اجنبی کو حفاظت خود اختیاری کے تحت قتل کیا تھا لیکن وہ خود کو مجرم سمجھتی تھی اور اُس کا ضمیر ہر وقت اُسے کچوکے دیا کرتا تھا۔ اُس نے اوفوش کے گھر رہنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اب اُسے اُس پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنا کمرہ چھوڑ کر ماں کے ساتھ سوتی تھی۔ لیکن وہ جب قتل والے کمرے سے گزرتی جہاں سے باہر جانے کا واحد راستہ تھا تو اُس کے رُوئیں ایک دم کھڑے ہو جاتے۔ وہ بڑی بہادر اور حوصلے والی لڑکی تھی لیکن اس کمرے میں آتے ہی اجنبی کے قتل کا پورا نقشہ اُس کی آنکھوں میں گھوم جاتا اور وہ سر سے پیر تک کانپ اُٹھتی تھی۔ وہ اپنے خوف کو ماں سے بھی بیان نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ اپنے ماموں کے گھر رہنے سے زمیقیہ نے خود انکار کیا تھا حالانکہ اُس کی ماں دل سے یہی چاہتی تھی کہ وہ اور رمیقیہ کچھ دنوں ہی کے لیئے سہی بلکہ ہمیشہ کے واسطے اوسلو کے گھر چلی جائیں۔

اُس کے کمزور بدن میں اب رمیقیہ کی حفاظت کی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اوفوش اگرچہ کردار کا کچھ ایسا اچھا نہ تھا مگر تھا تو اُس کا بھتیجا۔ اس لیئے وہ رمیقیہ اور اوفوش کی شادی کی خواہشمند تھی۔ لیکن زمیقیہ سے وہ جب بھی اس سلسلے میں گفتگو کرتی، رمیقیہ صاف انکار کر دیتی تھی۔ رمیقیہ اپنے ماموں زاد کے بارے میں اپنی ماں سے زیادہ جانتی تھی۔ اس کے خیال میں اوفوش انتہائی اوباش اور مفاد پرست جوان تھا اور وہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیئے دوسرے کا بڑے سے بڑا نقصان بھی کر سکتا تھا۔

دوسری طرف اوفوش اس خوبصورت چڑیا کو قید کر کے اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ رمیقیہ کے حسن سے جس قدر فائدہ اٹھا سکتا تھا اٹھائے۔ اُس نے اجنبی مقتول کی لاش کو دفن کر کے اپنے خیال میں بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ رمیقیہ بھی اُس کے اس احسان کو تسلیم کرتی تھی۔ مگر ادھر کچھ دنوں سے اوفوش اُسے پریشان کرنے لگا تھا۔ وہ رمیقیہ کے گھر آتے ہی اپنے کارنامہ کا زور وشور سے اظہار کرتا اور کھلے الفاظ میں رمیقیہ سے کہتا تھا کہ اُس نے نہ صرف رمیقیہ پر احسان کیا ہے بلکہ اُسے قتل کے جرم سے بھی بچا لیا

Marfat.com

ہے۔ رمیقیہ اُس سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پہلے تو وہ کچھ روز اُس کی ناگوار قسم کی باتوں پر زبردستی ہنستی اور مسکراتی رہی۔ لیکن جب اوفوش اوباشی پر آمادہ ہوا اور اُس نے آگے قدم بڑھانے کی کوشش کی تو رمیقیہ نے اُسے سختی سے روکا۔

''اوفوش! تم اس وقت میرے گھر نہ آیا کرو جب ماں گھر پر نہ ہوا کرے۔'' رمیقیہ نے اُس کے کان کھولے۔

''میں کوئی غیر نہیں ہوں رمیقیہ!'' اوفوش نے بے تکا قہقہہ لگایا۔ ''ایک نہ ایک دن تو تمہیں میرے گھر آنا ہی ہے، پھر مجھ سے شرم کیوں؟''

''ابھی ایسا کوئی وقت نہیں آیا۔'' رمیقیہ نے تلخی اختیار کی۔ ''پھر یہ ضروری تو نہیں کہ جو تم سوچ رہے ہو وہی دوسرے کا بھی خیال ہو۔''

''رمیقیہ! کان کھول کر سن لو۔'' اوفوش نے بڑے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے پاس خود نہیں آتا ہوں بلکہ مجھے یہاں بھیجا جاتا ہے۔''

رمیقیہ چونک پڑی۔ ''تمہیں بھیجا جاتا ہے؟ کون بھیجتا ہے تمہیں؟''

''تمہاری ماں اس وقت کہاں ہے؟'' اوفوش نے رمیقیہ سے اُلٹا سوال کر دیا۔

''وہ محلے میں کسی کے گھر گئی ہیں۔'' رمیقیہ نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''میں نے تم سے جو سوال کیا ہے اس کا جواب دو۔ میری ماں کا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''تمہاری ماں کا بہت بڑا تعلق ہے رمیقیہ!'' اوفوش نے پورا دہانہ پھیلا دیا۔ ''تمہاری ماں محلے میں کسی کے گھر نہیں گئی بلکہ وہ اس وقت میرے گھر میں موجود ہے۔ اُس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔''

رمیقیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''میری ماں نے تمہیں بھیجا ہے؟ مگر کیوں؟'' رمیقیہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

''اس لئے کہ تم میری ہونے والی بیوی ہو۔'' اوفوش کے انداز میں حقارت تھی۔ ''وہ چاہتی ہے کہ شادی سے پہلے میں اور تم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔'' یہ کہہ کر اوفوش ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا۔

رمیقیہ ہرنی کی طرح اُچھلی اور دُور جا کھڑی ہوئی۔

Marfat.com

''خبردار ادفوش! اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''اس میں تمہارا ہی نقصان ہے رمیقیہ!'' ادفوش کے قدم رُک گئے۔ ''میں تو تمہاری ماں کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں ایسی خواہش پر لعنت بھیجتی ہوں۔ تم فوراً چلے جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔'' رمیقیہ چیخ پڑی۔

''میں جا رہا ہوں...... مگر تمہیں اپنے رویہ پر افسوس ہوگا۔ میں نے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔'' ادفوش نے بڑے اوچھے پن سے پھر رمیقیہ پر احسان جتایا۔

''احسان...... احسان...... احسان...... میں اس لفظ سے تنگ آ گئی ہوں۔'' رمیقیہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ ''بے شک تم نے احسان کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کے صلے میں تمہاری ہر زیادتی برداشت کرلوں۔''

''تم احسان فراموش ہو رمیقیہ!'' ادفوش حقارت سے بولا۔ ''تم نے ایک بے گناہ کو قتل کیا، اپنی ہی قوم کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ تم خونی ہو۔ تم قاتل ہو۔ اگر میں پادری کو اطلاع دے دوں تو تم اسی وقت گرفتار کر لی جاؤ۔ مگر مجھے تم پر رحم آتا ہے۔''

''جاؤ کہہ دو پادری سے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اپنی جان اور عزت کی حفاظت میں اگر کوئی میرے ہاتھ سے قتل ہو گیا تو میں مجرم نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔''

رمیقیہ نے ایسی دلیل دی تھی کہ ادفوش کی عقل ٹھکانے آ گئی۔

ادفوش کا خیال تھا کہ رمیقیہ خوف کھا کر اُس کے دام میں آ جائے گی مگر وہ تو جال سے صاف نکلی جا رہی تھی۔ ادفوش نے فوراً پلٹا کھایا اور خوشامد پر اُتر آیا۔

''رمیقیہ! مجھے معاف کر دو۔ غصے میں نہ جانے میں نے کیا کہہ دیا۔ بھلا میں اپنی بہن پر قتل کا الزام کیسے لگا سکتا ہوں؟ اس سے تو میرا خاندان بدنام ہو جائے گا۔''

رمیقیہ نے ایک دلیل کا سہارا لے کر ادفوش کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ دل میں ڈر رہی تھی کہ اگر ادفوش نے اپنی بدطینتی کا اظہار کیا اور یہ بات گرجا کے پادری تک پہنچ گئی تو نہ معلوم وہ کیا سوچیں۔ پادری رمیقیہ اور اُس کی ماں کی بہت عزت کرتا تھا اور رمیقیہ اُس کی نظروں سے نہیں گرنا چاہتی تھی۔ اس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور ادفوش نرم پڑ گیا۔

Marfat.com

اُس کے اس خوشامدانہ جملوں سے اُسے بڑی خوشی ہوئی اور حوصلہ بھی ملا۔ اُس نے ذرا تن کے کہا۔

''میں جانتی ہوں کہ میرا بھائی اوفوش ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم خواہ مخواہ مجھے پریشان کرتے رہو۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔'' اوفوش نے اُسے نرم پڑتے دیکھ کر کہا۔ ''میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ماں کی غیر موجودگی میں تمہارے گھر بھی کبھی نہیں آؤں گا۔''

''کیوں نہیں آؤ گے بیٹے اوفوش!'' یہ رمیقیہ کی ماں کی آواز تھی جو لکڑی ٹیکتی گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ ''یہ بھی تمہارا گھر ہے اوفوش، تمہارا جب جی چاہے آؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روک سکتا۔''

''میں نے روکا کب ہے ماں!'' رمیقیہ نے بھی بات بنائی۔ ''میں نے اوفوش سے صرف یہ کہا تھا کہ ماں گھر پر نہیں ہے۔ پھر کسی وقت آنا۔''

''تو روک بھی کیسے سکتی ہے بیٹی!'' رمیقیہ کی ماں بڑبڑائی۔ ''میں نے بھائی سے کہہ دیا ہے کہ اب رمیقیہ کا بوجھ نہیں سنبھال سکتی۔''

''لیکن ماں!'' رمیقیہ نے احتجاج کیا۔

''بس تو چپ ہو کے بیٹھ جا۔ میں نے سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا ہے۔''

ماں نے ایسی ڈانٹ پلائی کہ رمیقیہ واقعی خاموش ہو کے بیٹھ گئی۔ اُسے اپنی ماں سے بے انتہا محبت تھی۔ سوائے ماں اور ماموں کے گھر کے اُس کا اشبیلیہ میں اور تھا بھی کون۔

دوسری طرف اوفوش دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ اُس نے جس غلطی کا ارادہ کیا تھا وہ اُس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ پُر اُمید ہو گیا تھا۔ رمیقیہ کی خاموشی نے اُسے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ رمیقیہ نے اُسے قبول کر لیا ہے اور اُندلس کی یہ گمنام شہزادی ایک دن اُس کی ہو کے رہے گی۔

❀ ...... ❀

شہزادے ابوالقاسم نے اپنے اوپر ہونے والے قاتلانہ حملے کو بھلا دیا تھا۔ وہ اب سیر

Marfat.com

کرنے کو بھی نہیں جاتا تھا۔ اس کے دونوں دوست ابن عماد اور ناظر دن بھر اور گئی رات تک اُس کے ساتھ رہتے تھے۔ شاہِ اشبیلیہ المعتقد نے ان تینوں کی دوستی دیکھتے ہوئے ناظر اور ابن عماد کو شہزادے کا محافظ مقرر کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ لیکن شاہ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر شہزادے کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو اس کی پوری ذمہ داری ابن عماد اور ناظر پر ہو گی۔ اس احساسِ ذمہ داری سے ابن عماد اور ناظر دونوں ہی اپنی جگہ پریشان رہتے تھے۔ چونکہ تیر چلانے والے کے سلسلے میں کسی طرح کی تحقیقات یا دوڑ دھوپ نہیں کی گئی تھی اس لئے اس کا امکان باقی تھا کہ حملہ آور پھر کسی وقت شہزادے کو نشانہ بنانے کی کوشش کرے۔ اس خیال نے ابن عماد اور ناظر کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ انہیں شہزادے سے کسی تعاون کی اُمید نہ تھی۔ اُس نے اس واقعہ کو نہ پہلے کوئی اہمیت دی تھی اور نہ اب وہ کوئی قدم اٹھانے پر تیار تھا۔

شہزادے کی طرف سے مایوس ہو کر ابن عماد اور ناظر نے خود ہی حملہ آور کی تلاش شروع کر دی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ شہزادے پر کسی عیسائی نے حملہ کیا ہے اور حملہ آور بھاگ کے عیسائی بستی میں چھپ گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اُس کی تلاش کا آغاز عیسائی بستی سے کیا۔ رات کے وقت عیسائی بستی میں سوائے مسلم پہریداروں کے کسی اور کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ دن کے وقت ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے ایک دوپہر ناظر، ابن عماد کے مشورے سے عیسائی بستی میں پہنچا۔ یہ کھانے کا وقت تھا اس لئے قہوہ خانوں میں جہاں کھانا بھی ہر وقت تیار ملتا تھا بڑی بھیڑ بھاڑ تھی۔ ناظر بھیس بدلے ہوئے تھا لیکن اُسے قہوہ خانے میں داخل ہوتا دیکھ کر ہر ایک گھبرا گیا۔ عیسائی بستیوں کے قہوہ خانوں میں شاید ہی کسی مسلمان نے کھانا کھایا ہو کیونکہ وہاں شراب کا عام استعمال ہوتا تھا اور مسلمان اس سے بڑی حد تک پرہیز کرتے تھے۔

مسلمانوں کا کچھ ایسا رُعب تھا کہ ناظر کو دیکھتے ہی میزوں پر بیٹھے ہوئے عیسائی اُٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ ناظر نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ایک خالی میز پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ چند لمحے بعد ہوٹل کا منیجر اُس کی میز کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ناظر اپنے خیالوں میں گم تھا اس وجہ سے منیجر پر توجہ نہ دے سکا۔

Marfat.com

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں جناب؟'' منیجر نے بڑے ادب سے سلسلہ کلام شروع کیا۔ اُندلس کے عیسائیوں کا یہ ادب اور تہذیب مسلم دورِ حکومت کی علمی فیاضیوں کا نتیجہ تھا۔ ورنہ مسلمانوں کے ورود سے پہلے یہاں کے قہوہ خانے جنگ و جدل اور ہاتھا پائی کا میدان بنے رہتے تھے۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا کہ ایسے قہوہ خانوں میں کوئی قتل نہ ہوتا ہو۔

ناظر نے چونک کے دیکھا اور بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں قہوہ خانے کے منیجر سے مخاطب ہوں؟''

ناظر نے تہذیب کا اظہار کیا۔ ناظر ہی نہیں، اشبیلیہ اور اُندلس کے تمام مسلم مقبوضات کے مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں سے جن کی کثیر تعداد اُندلس میں موجود تھی، اسی مہذب طریقے سے گفتگو کرتے تھے۔

''جناب کا خیال درست ہے۔'' منیجر نے جواب دیا۔

''تو پھر شاید آپ میری مشکل آسان کر سکتے ہیں۔''

''میں حاضر ہوں جناب۔ آپ فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

ناظر نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور منیجر اُس کی سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''منیجر صاحب!'' ناظر نے بات شروع کی۔ ''میرا ایک عیسائی دوست باہر سے آنے والا ہے۔ وہ میرا گھر نہیں جانتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی قہوہ خانے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے قہوہ خانے میں یا کسی اور جگہ کوئی اجنبی ٹھہرا ہو تو کیا وہاں تک آپ میری رہنمائی کر سکتے ہیں؟ میں نہیں چاہتا کہ میرا دوست اِدھر اُدھر قہوہ خانوں میں بھٹکتا پھرے۔''

منیجر ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ناظر خاموش ہوا تو اُس نے کہا۔

''جناب! میرے ہوٹل میں باہر کے مسافر ٹھہرا کرتے ہیں۔ میرے مسافر عام طور پر عیسائی ہوتے ہیں کیونکہ اس بستی میں صرف دو ہی رہائشی قہوہ خانے ہیں اور مسافر انہی دو قہوہ خانوں میں قیام کرتے ہیں۔''

Marfat.com

''اس وقت آپ کے یہاں کتنے مسافر ٹھہرے ہیں؟ اور کہاں کہاں سے آئے ہیں اور کتنی مدت سے آپ کے یہاں قیام پذیر ہیں؟ اس تفصیل سے اگر مجھے آپ آگاہ کر دیں تو شاید میں اپنے دوست کو آسانی سے تلاش کر سکوں۔''

ناظر نے دو جملوں میں کئی سوال کر ڈالے۔ ممکن ہے کہ اُسے یہ اُمید بندھ گئی ہو کہ شہزادے پر حملہ کرنے والا اسی جگہ مقیم ہے۔ ناظر کو دیکھتے ہی منیجر کو یہ شبہ ہوا تھا کہ ایک مسلمان کا اس قہوہ خانے میں آنا کسی علت سے خالی نہیں۔ اب جو اس سے دو تین سوالات ایک ساتھ کئے گئے تو اس کا شبہ یقین میں تبدیل ہو گیا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ اس کا مخاطب بظاہر وہ نہیں ہے جو وہ خود کو ظاہر کر رہا ہے اور اس کا کسی عیسائی دوست کو تلاش کرنا ضرور کسی اہم واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس نے بہت سنبھل کے جواب دیا۔

''جناب! میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ کے دوست کی تلاش میں آپ کی مدد کروں۔ مگر افسوس کہ اس وقت میرے ہوٹل میں کوئی باہر کا مسافر مقیم نہیں۔''

ناظر کی اُمیدوں پر جیسے پانی پھر گیا۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''خیر کوئی بات نہیں۔ آپ مجھے دوسرے قہوہ خانہ کا پتہ بتا دیجئے، میں وہاں تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''دوسرے قہوہ خانہ کا مالک میرا چھوٹا بھائی ہے۔'' منیجر نے خوش دلی سے بتایا۔ ''میں اُس کا پتہ دے رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو وہاں جا سکتے ہیں۔ مگر وہاں جانا بیکار ہو گا۔ کیونکہ اس وقت اس قہوہ خانہ میں کوئی غیر شہری مقیم نہیں۔''

ناظر نے اُسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ قہوہ خانہ آپ کے بھائی کا ہے، اُس کا انتظام بھی وہی کرتے ہوں گے۔ وہاں کے حالات کا صحیح علم آپ کو کیسے ہو سکتا ہے؟''

منیجر مسکرایا۔ ''آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ میرے ساتھ تشریف لائیے۔ میں اپنی بات کا ثبوت پیش کروں گا۔ پھر بھی اگر مطمئن نہ ہوں تو وہاں ضرور تشریف لے جائیے۔''

منیجر اپنی نشست کی طرف بڑھنے لگا۔ ناظر کچھ ہچکچایا، پھر اُٹھ کے اُس کے پیچھے چلنے

Marfat.com

لگا۔ منیجر نے اپنی جگہ پہنچ کے ناظر کو کرسی پیش کی۔

''آپ تشریف رکھیے، میں آپ کو پوری طرح مطمئن کر کے بھیجوں گا۔''

منیجر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اُس نے الماری میں سے ایک رجسٹر نکالا اور ناظر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جناب! ہم آپ کی اسلامی حکومت میں بڑی خوش وخرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم حکومت کے احسان مند ہیں کہ وہ پوری طرح ہماری حفاظت کرتی ہے اور ہمارے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں برابری کا سلوک کیا جا رہا ہے۔''

ناظر نے رجسٹر کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ شاید اُس کی توجہ منیجر کی باتوں کی طرف نہیں تھی۔ منیجر نے یہ سوچتے ہوئے اُسے بڑے ادب سے ٹوکا۔

''جناب! اس رجسٹر کو دیکھنے سے پہلے آپ میری ایک بات ذرا توجہ سے سن لیجئے تاکہ اس رجسٹر کے اندراجات کو آپ آسانی سے سمجھ سکیں۔''

ناظر نے شرمندہ ہو کر رجسٹر بند کر دیا اور کہا۔ ''فرمائیے، میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''جناب! جس وقت سے ہمارے شاہ معظم پر کسی احسان فراموش نے قاتلانہ حملہ کیا ہے، اس وقت سے ہم لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔'' منیجر نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ ''آپ کو یاد ہو گا کہ اس ناخوشگوار واقعہ پر بڑا ہنگامہ ہوا تھا۔ حکومت کے بعض عمائدین کا خیال تھا کہ یہ حملہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے اور اس سازش میں اشبیلیہ کے عیسائی شریک ہیں۔ اس سلسلے میں عیسائی قہوہ خانوں کی بڑی چھان بین ہوئی ہے۔ شکر ہے کہ یہ الزام غلط ثابت ہوا اور ہم عیسائی دارو گیر سے بچ گئے۔ اُس وقت سے ہم نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ کسی مشکوک آدمی کو اپنے قہوہ خانے میں رہائش نہیں اختیار کرنے دیتے۔ غیر ملکی مسافروں کے بارے میں ہم پوری پوری تحقیق کرتے ہیں اور اس کی طرف سے جب تک ہم پوری طرح مطمئن نہیں ہو جاتے اُسے قیام کی اجازت نہیں دیتے۔ میرا یہ رجسٹر اس بات اور احتیاط کی ایک کڑی ہے۔ اس میں ان تمام مسافروں کے پورے کوائف درج ہیں جنہوں نے یہاں کسی وقت قیام کیا تھا۔ چونکہ ہم دونوں بھائی قہوہ خانوں کا مشترکہ حساب رکھتے ہیں اس لئے ہم نے مسافروں کے اندراج کا بھی ایک ہی رجسٹر بنایا ہے۔ اس کے ملاحظہ سے آپ کو علم ہو گا کہ گزشتہ تین ماہ سے دونوں قہوہ خانوں میں

Marfat.com

کوئی غیر ملکی مقیم نہیں رہا۔ آپ کے سامنے رجسٹر پیش کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہماری دیانت داری پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جائے۔ ہمارا یہ رجسٹر اس قدر مکمل ہے کہ اگر حکومت کسی وقت کوئی تحقیقات کرنا چاہے تو ہم یہ رجسٹر پیش کر دیں۔''

''بڑا اچھا انتظام کیا ہے آپ نے۔'' ناظر قہوہ خانہ کے مالک کو جسے وہ منیجر سمجھ رہا تھا، تحسین بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ ''اگر ملک کے تمام قہوہ خانوں میں ایسا انتظام ہو جائے تو اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔''

ناظر کو پچھلے تین ماہ سے رجسٹر میں کوئی اندراج دکھائی نہیں دیا۔ اُس نے رجسٹر بند کر کے مالک کو واپس کر دیا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے دوسرے قہوہ خانوں تک جانے سے بچا لیا۔ اس رجسٹر سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا دوست بستی کے کسی قہوہ خانہ میں ٹھہرا ہوا نہیں ہے۔''

''میں بھی آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے رجسٹر پر اعتبار کیا۔'' مالک نے جواب دیا۔ ''لیکن مجھے اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔''

''اچھا، اب میں جا رہا ہوں۔ آپ کو بہت زحمت ہوئی۔'' اور ناظر جانے کے لئے کھڑا ہوا۔

قہوہ خانہ کے مالک کو ایک دم کچھ خیال آیا، اُس نے کہا۔ ''اگر آپ کے پاس وقت ہو تو میں آپ کو بستی میں لئے چلتا ہوں۔ میں بہت سے معتبر لوگوں سے واقف ہوں اور مجھے بستی کا ہر شخص جانتا ہے۔ میں آپ کے دوست کے بارے میں بستی والوں سے پوچھوں گا۔ کیا عجب ہے کہ وہ کسی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہوں۔''

''میں آپ کی ہمدردی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔'' ناظر نے تشکر آمیز نظروں سے مالک کو دیکھا۔ ''لیکن اتنی بڑی بستی میں آپ کس کس کے گھر پر دستک دیں گے؟''

''جناب، کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟'' مالک یہ سوچتے ہوئے کہ اُس کا مخاطب شاہی دربار کی کوئی اہم ہستی یا جاسوس ہے، اس پر کوئی نہ کوئی احسان کرنے پر بضد تھا۔ پس وہ بولا۔

''جناب! دُھوپ میں کوئی شدت و حدت نہیں۔ موسم بھی خوشگوار ہے۔ دو چار

Marfat.com

آدمیوں سے دریافت کریں گے، پھر آپ چلے جائیے گا۔"

ناظر اُس کے بے حد اصرار سے مجبور ہو گیا۔ مالک نے اپنے نائب کو بلا کر کچھ ہدایات دیں، پھر دونوں قہوہ خانہ سے نکلے۔

اشبیلیہ کی جدید آبادی بڑے خوبصورت اور کشادہ مکانوں پر مشتمل تھی۔ لیکن عیسائی بستی کا یہ محلہ صدیوں پرانا تھا۔ اس کی گلیاں تنگ اور ٹیڑھی میڑھی تھیں۔ مکانات بھی پرانے طرز کے بنے تھے۔ صفائی کا انتظام اگر برا نہ تھا تو اچھا بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مسلم حکومت عیسائی بستیوں میں کسی قسم کا دخل نہ دیتی تھی۔ سوائے قانون نافذ کرنے والے ادارے کے حکومت کا کوئی دوسرا محکمہ اُن کے معاملات میں دخل دینے کا قانوناً مجاز نہ تھا۔

قہوہ خانہ کا مالک اور ناظر گلیوں میں گھومتے اور لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے رمیقیہ کی گلی میں داخل ہوئے۔ انہوں نے گلی میں قدم رکھا تھا کہ مالک کو اوفوش ایک مکان سے نکلتے نظر آیا۔ اوفوش، رمیقیہ کے گھر سے نکلا تھا۔ آج اُس نے پھر پہلے جیسی حماقت کرنے کی کوشش کی تھی۔ رمیقیہ کی ماں جب اوفوش کے گھر پہنچی تھی تو اوفوش کو شیطان نے تھپکی دی اور وہ لوگوں کی نظریں بچا کے باہر نکلا اور سیدھا رمیقیہ کے گھر پہنچ گیا۔ اُس نے رمیقیہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس وقت رمیقیہ کے گھر نہیں آئے گا جب اس کی ماں گھر پر موجود نہ ہو۔ مگر شیطان نے اُسے ایسا ورغلایا کہ وہ اپنا وعدہ توڑ تاڑ کے رمیقیہ کے گھر پہنچ گیا۔

اوفوش نے کافی عرصہ بعد رمیقیہ کے گھر پر دستک دی تھی۔ رمیقیہ نے کواڑ کی درز سے جھانک کر دیکھا، پھر یہ سوچتے ہوئے کہ اوفوش شاید کسی خاص ضرورت سے آیا ہے اس نے پہلی ہی دستک پر دروازہ کھول دیا۔ مگر جب اُس نے اوفوش کی نظروں میں شیطانیت بھری ہوئی دیکھی تو اُسے غصہ آ گیا۔ رمیقیہ نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا اور بڑی ذلت سے اُسے نکال باہر کیا۔

اوفوش دانت پیستا ہوا آ رہا تھا کہ قہوہ خانے کے مالک نے اُسے آواز دی۔

"مسٹر اوفوش...... ذرا میری بات سنیے۔"

Marfat.com

اوفوش جھلایا ہوا تو تھا ہی، اُس کے قریب پہنچ کے قہوہ خانہ کے مالک کو پہلے تیز نظروں سے دیکھا، پھر بڑی کرختگی سے بولا۔

''فرمائیے، کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے کہ میں آپ کا قرض دار نہیں ہوں۔''

مگر قہوہ خانے کا مالک اُس کی سخت کلامی اور کرختگی کو نظرانداز کر گیا اور ہنس کر بولا۔

''کوئی ایسی بات نہیں ہے مسٹر اوفوش!''

پھر اُس نے ناظر کی طرف دیکھا۔ ''مسٹر اوفوش! یہ میرے دوست ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ مسلم دوست۔ یہ اپنے ایک عیسائی دوست کو تلاش کر رہے ہیں جو اس بستی میں شاید کسی کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کیا آپ ان کی تلاش میں ہماری مدد کریں گے؟''

اوفوش نے قدرے حقارت سے ناظر کو دیکھا۔ ''کیا نام ہے آپ کے دوست کا؟''

''ٹینی زار۔'' ناظر کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''کس شہر سے آئے ہیں؟''

''طلیطلہ سے۔'' یہ ناظر کا دوسرا جھوٹ تھا۔

''کچھ شکل وصورت اور قد وقامت کے بارے میں بتائیے؟''

''اُن کا قد لانبا اور رنگ آپ ہی جیسا ہے۔'' ناظر ہوا میں تیر چلا رہا تھا اور جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔ لانبا قد اُس نے اس اندازے سے کہا تھا کہ شہزادے ابوالقاسم پر تیر چلانے والے کا اُس نے کئی بار سایہ دیکھا تھا۔ چونکہ سایہ اُسے لانبا معلوم ہوا اس لئے اُس نے لانبے قد کا حوالہ دیا۔

''دیکھئے مسٹر اسٹرنگ!'' اوفوش نے ناظر کی بجائے قہوہ خانے کے مالک کو مخاطب کیا۔ ''آپ کے دوست نے جو نام بتایا ہے اس نام کا کوئی شخص بستی میں موجود نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نام ہی کچھ عجیب سا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ نام سنا ہے۔ صورت شکل کے بارے میں بھی آپ کے دوست نے کوئی واضح بات نہیں بتائی۔ ایسی صورت میں کسی اجنبی کو تلاش کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔''

قہوہ خانہ کے مالک نے بے بسی سے ناظر کو دیکھا۔ ناظر نے اسی وقت ایک اور تیر چلایا۔ ''مسٹر اسٹرنگ! میرے دوست کی ایک خاص شناخت یہ بھی ہے کہ وہ تیر اندازی

Marfat.com

کے شوقین ہیں اور عام طور پر تیر کمان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔"

ناظر کے اس انکشاف پر اوفوش چونک پڑا۔ اُسے یاد آیا کہ رمیقیہ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے عیسائی کے پاس تیروں سے بھرا ایک ترکش بھی تھا۔ اُس کا قد بھی لانبا تھا۔ کہیں یہ مسلمان اُسی کی تلاش میں تو نہیں؟ یہ تمام خیالات لمحوں میں اُس کے دماغ میں آئے تھے۔ بالکل اسی انداز میں رمیقیہ بھی سوچ رہی تھی۔ کیونکہ اوفوش، ناظر اور اسٹرنگ باتیں کرتے ہوئے بالکل رمیقیہ کے دروازے کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے اور رمیقیہ کو اُن کی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی۔ اوفوش کو تو محض یہ خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ اس مسلمان کو شاید مقتول عیسائی کی تلاش ہے۔ مگر رمیقیہ کو تو سو فیصد اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ تمام گفتگو اس مقتول عیسائی کے سلسلے میں ہو رہی ہے اور قہوہ خانے کے مالک کے ساتھ آنے والا یہ مسلمان ضرور سرکاری جاسوس ہے۔

رمیقیہ اس قدر خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اُس کا پورا جسم کانپ رہا تھا اور دُعا مانگ رہی تھی کہ اوفوش کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جس سے سرکاری جاسوس معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے۔ اُسے رہ رہ کے اپنے رویہ پر بھی افسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے ناحق اوفوش کو ذلیل کر کے گھر سے نکالا۔ نہ وہ باہر نکلتا اور نہ اُس کی مڈبھیڑ جاسوس سے ہوتی۔ رمیقیہ اس وقت ایک دوراہے پر کھڑی تھی جہاں اوفوش کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ اُسے مجرم بھی بنا سکتا تھا اور اُسے اس الزام سے محفوظ بھی کر سکتا تھا۔

رمیقیہ اسی کشمکش میں گرفتار تھی کہ اوفوش نے سر اٹھا کر مسلم جاسوس کو دیکھا اور رمیقیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اُس کی حالت ایک ایسے مجرم کی مانند تھی جو عدالت میں کھڑا ہو اور جج اُس کی قسمت کا فیصلہ سنانے والا ہو۔ اوفوش کے ہونٹ متحرک ہوئے۔ رمیقیہ کی کھلی ہوئی آنکھیں درز سے چپک گئیں۔

اوفوش کہہ رہا تھا۔ "جناب! آپ کے دوست کا شوق بڑا عجیب ہے۔ میں کئی بار طلیطلہ گیا ہوں مگر میں نے وہاں کسی شخص کو کاندھے پر کمان اور پشت پر ترکش ڈالے نہیں دیکھا۔"

اوفوش نے رُک کر سانس لی اور رمیقیہ کے دل کی دھڑکنوں میں کچھ قرار پیدا ہوا۔

Marfat.com

اوفوش نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔

''جناب! آپ مطمئن رہیے، اگر آپ کا دوست اس آبادی میں پہنچ چکا ہے تو میں اُسے تلاش کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا اور اگر وہ نہیں پہنچا ہے تو بھی میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی رمیقیہ کے دل کی دھڑکنوں میں مکمل سکوت پیدا ہو گیا۔

''میں قبل از وقت آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مسٹر اوفوش!'' ناظر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اس شکریہ میں میرا شکریہ بھی شامل ہو گا مسٹر اوفوش۔'' قہوہ خانہ کے مالک نے ناظر کی مسکراہٹ میں اپنی مسکراہٹ بھی شامل کر دی۔

''میں کس پتہ پر جناب کو اطلاع دوں؟'' اوفوش نے اچانک ناظر سے سوال کیا۔ ممکن ہے کہ اوفوش اس سوال کے ذریعے مسلم جاسوس کی اصل شخصیت معلوم کرنا چاہتا ہو۔

ناظر کے لئے اوفوش کا سوال پریشان کن تھا۔ مگر اُس کے چہرے پر گھبراہٹ کے ذرا بھی آثار پیدا نہ ہوئے۔ ناظر نے اس بستی میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ کسی صورت میں بھی اپنی اصلیت ظاہر نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس صورت میں اور زیادہ مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

ناظر نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

''مسٹر اوفوش! میں آپ کو اور زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ آپ اپنی کوششوں کے نتیجے سے مسٹر اسٹرنگ کو مطلع کرتے رہئے گا۔ میں تقریباً روز ہی یہاں آتا ہوں۔ مجھے اطلاع مل جائے گی۔ میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

ناظر نے اوفوش کا منہ بند کر دیا۔ اُس نے اتنی بھی گنجائش نہ چھوڑی کہ اوفوش مزید کوئی گفتگو کر سکے۔ ناظر نے مسٹر اسٹرنگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کا بھی شکر گزار ہوں۔ اب اجازت دیجئے۔ کل پھر قہوہ خانہ پر حاضر ہوں گا۔''

مسٹر اسٹرنگ اور اوفوش بڑی حیرت سے اس ہوشیار آدمی کو دیکھ رہے تھے جس نے اپنے آپ کو ظاہر نہ کرنے کی کتنی کامیاب اداکاری کی تھی۔ مگر اُس کی یہ اداکاری چند لمحے

Marfat.com

بھی قائم نہ رہ سکی اور ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ناظر کو خود بھی ناظر ثابت کر دیا۔

ناظر واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ گلی میں ایک سوار گھوڑا بھگاتا داخل ہوا۔ سوار کے جسم پر اشبیلیہ کے شاہی باڈی گارڈ کی وردی تھی۔ اُسے دیکھ کر اسٹرنگ اور اوفوش کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مگر ناظر جسے وہ شاہی جاسوس سمجھ رہے تھے اُس کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا تھا۔

سوار نے ناظر کے پاس پہنچ کر گھوڑا روکا، تیزی سے نیچے اُترا، پھر فوجی انداز میں ناظر کو سلام کیا۔ ناظر کا بھرم کھل گیا اور احساسِ شرمندگی سے اُس کی نظریں اوپر نہ اُٹھ رہی تھیں۔

سوار بڑے ادب سے کہہ رہا تھا۔ ''حضور! فوراً تشریف لے چلئے۔ شہزادے بہادر آپ کے لئے سخت مضطرب ہیں۔ پورے دارالسلطنت میں شاہی سوار آپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں پوچھتا پوچھتا بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں۔''

ناظر کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ مسٹر اسٹرنگ اور اوفوش سے کس طرح معذرت کرے۔ اُدھر اوفوش اور مسٹر اسٹرنگ کے تمام شبہات حقیقت کا پیکر بن کر اُن کے سامنے آ گئے تھے۔ انہیں دربار کی اس معزز ہستی کا نام تو نہ معلوم ہو سکا مگر اُس کی شخصیت اور عظمت کا ضرور اندازہ ہو گیا۔ جس ہستی کا ولی عہد اشبیلیہ شہزادہ ابوالقاسم انتظار کر رہا ہو اس کے اعلیٰ مرتبے میں کسے شبہ ہو سکتا تھا؟ ناظر اپنے نئے دوستوں سے معذرت بھی نہ کر سکا اور صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

ناظر کے جانے کے بعد بھی اسٹرنگ اور اوفوش پر سحر طاری رہا۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں اس پراسرار ہستی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ یہی دونوں سحر زدہ اور سوچوں میں گم نہ تھے بلکہ دربار کی اس پراسرار ہستی نے رمیقیہ کو بھی سحر میں مبتلا کر دیا تھا۔ رمیقیہ اور اوفوش دونوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اجنبی عیسائی کی آمد کا علم دربار اشبیلیہ کو ہو گیا ہے اور اس کی تلاش سرکاری طور پر جاری ہے۔ مگر وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ اس سلسلے میں ان کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ مسٹر اسٹرنگ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ طلیطلہ سے کوئی مشکوک عیسائی کسی خاص کام کے سلسلے میں اشبیلیہ پہنچا ہے۔ شاہی دربار کو کسی

Marfat.com

طرح اس کی خبر ہوگئی ہے اور اب اسے بڑی خاموشی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔

''مسٹر اوفوش!'' اسٹرنگ کا سحر پہلے ٹوٹا۔ ''کیا اندازہ لگایا تم نے؟''

''اندازے کا کیا سوال ہے مسٹر اسٹرنگ؟'' اوفوش نے سنبھل کے کہا۔ ''صاف ظاہر ہے کہ شہنشاہ طلیطلہ نے کسی لمبے تڑنگے آدمی کو جو تیر اندازی میں کمال رکھتا ہے اس ملک میں بھیجا۔ اس مشکوک آدمی کی اطلاع شاہی دربار کو ہوگئی ہے اور بڑی سرگرمی سے اس کی تلاش ہو رہی ہے۔

''مگر یہ ضروری تو نہیں کہ وہ ہماری بستی میں آیا ہو۔ وہ کسی مسلمان محلے میں بھی جا سکتا ہے۔'' اسٹرنگ نے سوال اُٹھایا۔

''آپ کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔'' اوفوش نے کھردرے پن سے جواب دیا۔ ''جب تک مقتول کے ارادے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو جاتا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں مسٹر اوفوش؟'' اسٹرنگ نے اُسے ٹوکا۔ ''تم کس مقتول کا ذکر لے بیٹھے؟ ہم تو اُس جاسوس کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔''

اوفوش نے حیران سے اسٹرنگ کو دیکھا۔ ''کیا میں نے کسی مقتول کا ذکر کیا تھا؟'' اوفوش نے اس طرح پوچھا جیسے وہ چند لمحے پہلے خود اپنی کہی ہوئی بات کو بھول گیا ہو۔

''مسٹر اوفوش! تمہاری عقل ٹھکانے نہیں۔'' اسٹرنگ ہنسنے لگا۔ ''میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں جی بھر کے پلاؤں گا۔ اُس وقت ہم اس مسئلہ پر دوبارہ گفتگو کریں گے۔''

اوفوش کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ پینے پلانے کے معاملے میں تو وہ اپنے تمام ساتھیوں سے آگے تھا۔ وہ بھی ہنسنے لگا اور مسٹر اسٹرنگ کے ساتھ ہولیا۔ رمیقیہ نے بھی دروازے سے نظریں ہٹا کر ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔ مگر اُس کے اس اطمینان میں بھی ایک قسم کی بے اطمینانی تھی۔ اُس پر آئی ہوئی مصیبت رُک گئی تھی لیکن اس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اوفوش نے اُسے مرعوب کرنے کے لئے جس قتل کا سہارا لیا تھا اس قتل کی سرخی اب کچھ اور چمک اُٹھی تھی اور رمیقیہ کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اوفوش اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔

اوفوش کو رمیقیہ کو تنگ کرنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ بظاہر اُسے کامیابی نظر

Marfat.com

آ رہی تھی لیکن اُسے اس بات کا خطرہ تھا کہ رمیقیہ اُس کی بات کو تسلیم نہیں کرے گی اور اسے یقین دلانے کے لئے اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں تھا۔ وہ کئی دن تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا مگر کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا۔ رمیقیہ کی بد دماغی اور ضدی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اُسے نظر آنے والی کامیابی آہستہ آہستہ معدوم ہونے لگی۔

اس دوران رمیقیہ کی ماں کئی بار اس کے گھر آئی اور ہر بار واپس ہوتے وقت اوفوش کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ لیکن اوفوش کا دماغ اس قدر اُلجھا ہوا تھا کہ وہ برابر ٹالتا رہا۔ اُس نے مسٹر اسٹرنگ سے بھی کئی بار ملاقات کی اور اس معاملہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ مسٹر اسٹرنگ کی زبردست خواہش تھی کہ مشکوک عیسائی کو تلاش کر کے فوراً شاہی دربار کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ اوفوش پر بہت زیادہ مہربان ہو گیا تھا کہ مفرور اور مشکوک عیسائی صرف اوفوش جیسا آوارہ گرد جوان ہی تلاش کر سکتا تھا۔ مگر اوفوش ایسا بیوقوف نہ تھا کہ اپنا راز دوسرے کے حوالے کر دے۔

کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ اوفوش نے آخر درباری جاسوس کو ڈھونڈ نکالا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ درباری جاسوس دراصل ولی عہد شہزادہ ابوالقاسم کا یار غار ہے تو اُسے اپنے سوچنے کے انداز کو بدلنا پڑا۔ پہلے اُس کا خیال تھا کہ رمیقیہ کے ہاتھ سے قتل ہونے والا عیسائی، شہنشاہ طلیطلہ کا کوئی باغی ہے جو طلیطلہ کے راز شاہ اشبیلیہ کو پہنچانے آیا تھا اور اتفاقیہ طور پر رمیقیہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ مگر ناظر کا شاہ اشبیلیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اُسے تو صرف شہزادے کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ پس ناظر کا طلیطلہ سے آئے ہوئے عیسائی کے لئے اس قدر بے چین ہونا یقیناً شہزادے ابوالقاسم سے کوئی تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایسی ہی باتوں میں اُلجھا رہتا تھا کہ ایک دن اُس کی پھوپھی نے اُس سے ذرا سختی سے کہا۔

''اوفوش! اگر آج تم میرے گھر نہیں آئے تو میں بھی تمہارے یہاں آنا چھوڑ دوں گی۔''

اوفوش کو پھوپھی کی یہ ضد کچھ عجیب سی لگی۔ اُس نے کہا۔ ''پھوپھی جان! میرے آنے نہ آنے سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ آج میں بہت مصروف ہوں۔ پھر کسی دن

Marfat.com

آؤں گا۔"

رمیقیہ کی ماں اڑ گئی۔ "نہیں اوفوش نہیں۔ آج ہی آنا ہو گا۔"

"مگر کیوں پھوپھی جان؟ کیا آج کوئی خاص بات ہے؟" اوفوش ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا اس لئے ٹال رہا تھا۔

"ہاں خاص بات ہے۔ اسی لئے تو بلا رہی ہوں تمہیں۔" رمیقیہ کی ماں مسکرانے لگی۔

اوفوش کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ "پھوپھی جان! مجھے تمہارے گھر آتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔"

"ڈر...... کس سے ڈر لگتا ہے تمہیں؟ کیا میں یا رمیقیہ تمہیں پھاڑ کھائیں گی؟" بڑی بی ناک چڑھا کے بولی۔

"رمیقیہ ایک بار میری بے عزتی کر چکی ہے۔ میں دوبارہ ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔"

"میں ضمانت دیتی ہوں، رمیقیہ تم پر ناراض نہیں ہو گی۔" رمیقیہ کی ماں کے جھریوں بھرے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اُس نے کچھ اس چاؤ سے کہا کہ اوفوش کو یقین کرنا پڑا۔

"پھوپھی جان! کیا رمیقیہ مجھ سے بالکل ناراض نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

"کیا رمیقیہ کو یہ معلوم ہے کہ تم مجھے روز گھر آنے کی دعوت دیتی ہو؟"

"ہاں اُسے معلوم ہے۔"

"اُس نے کسی دن مخالفت نہیں کی؟" اوفوش پورا پورا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

"مخالفت کیوں کرے گی...... وہ تو......" بڑی بی کہتے کہتے رُکیں۔

اوفوش بے چین ہو گیا۔ "ہاں ہاں پھوپھی جان، اپنی بات پوری کریں۔ کیا مجھے بلانے میں رمیقیہ کی مرضی شامل ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔"

اوفوش کا چہرہ مسرت سے دمک اُٹھا اور وہ ایک نہایت نیک بچے کی طرح بڑی بی کے ساتھ چلنے لگا۔ دستک دینے پر رمیقیہ نے دروازہ کھولا۔ اوفوش راستے بھر اسی ادھیڑ

Marfat.com

بن میں رہا کہ پتہ نہیں رمیقیہ کو میرا آنا اچھا لگے گا یا وہ پہلے کی طرح مجھے دیکھتے ہی ماتھے پر بل ڈال لے گی۔ مگر جب دروازہ کھلنے پر اوفوش نے سہی سہی نظریں رمیقیہ پر ڈالیں تو وہ خوشی سے جھوم اُٹھا۔ رمیقیہ اُسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''کیا تمہیں میرا آنا ناگوار نہیں ہوا؟'' اوفوش نے اندر داخل ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے تم گھر سے نکالو گی تو نہیں؟''

''شریف آدمیوں کو میں دل میں جگہ دیتی ہوں۔''

''اُن شریف آدمیوں میں کیا اوفوش بھی شامل ہے؟''

اب اوفوش، رمیقیہ کے کمرے سے گزر کر اُس کی ماں کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ اُس نے آہستہ چلنے کی بہت کوشش کی تا کہ وہ رمیقیہ سے اپنے دل کی دو ایک باتیں بھی کر لے۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک کا فاصلہ ہی کتنا تھا۔ رمیقیہ کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ رمیقیہ کے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ ماں کے سامنے شاید رمیقیہ کو جواب دینا مناسب نہ تھا۔

اوفوش اپنی پھوپھی کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ رمیقیہ اُن کے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھی۔ اوفوش کے ذہن میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بات شرافت سے شروع ہوئی تھی۔ اوفوش، رمیقیہ سے اپنی شرافت کی سند لینا چاہتا تھا۔ پس اُس نے بیٹھتے ہی گھما کر بات کی۔

''رمیقیہ! انسان کو شریف بننے کے لئے کن کن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے؟''

''صرف ایک بات کی۔''

''صرف ایک بات؟'' اوفوش نے بے چین ہو کے پوچھا۔ ''وہ کون سی بات ہے رمیقیہ؟''

''وقت اور موقع دیکھ کر شریف گفتگو کرتے ہیں۔''

رمیقیہ نے بہت اونچی بات کی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اوفوش اُس کی بات نہ سمجھ پائے گا۔ مگر یہ بات اوفوش ہی سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اُسے اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اُس نے بڑی شرافت سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

"میں رمیقیہ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

رمیقیہ اور اوفوش کی گفتگو سے بڑی بی کو اُلجھن محسوس ہو رہی تھی چنانچہ انہوں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"بیٹی رمیقیہ! تم کہاں کی باتیں لے بیٹھیں۔ اوفوش سے کوئی بات کرنا ہے تو کرلو۔"

"مجھے کیا بات کرنا ہے ماں۔" رمیقیہ کی فطری غیرت نے اُس کے لہجے میں قدرے تلخی گھول دی۔

"لو بیٹی، یہ کیا بات ہوئی؟ تم ہی نے تو کہا تھا کہ کسی دن اوفوش کو ساتھ لے آنا۔"

"اماں! تم بھی اُلٹی بات کر رہی ہو۔" رمیقیہ کا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ "تمہیں مجھ سے شکایت تھی کہ میرے سخت رویہ کی وجہ سے اوفوش نے اس گھر میں آنا چھوڑ دیا ہے۔ اس پر میں نے کہہ دیا کہ کسی دن اوفوش کو ساتھ لے آنا۔"

اوفوش پر پہاڑ سا گر پڑا۔ رمیقیہ کی مسکراہٹ سے اُس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کا دل اب صاف ہو گیا لیکن وہ تو چلتے چلتے پھر پٹڑی سے اُتر گئی تھی۔ اوفوش بڑے اکھڑ مزاج کا انسان تھا۔ اُسے رمیقیہ کی بات اس قدر ناگوار گزری کہ اُٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

"اچھا اب میں جا رہا ہوں۔"

رمیقیہ دھک سے رہ گئی۔ اوفوش اُسے پسند نہ تھا لیکن اُس نے رمیقیہ پر کئی احسان کئے تھے۔ وہ جلدی سے بولی۔

"ارے اتنی جلدی کیا ہے...... ابھی آئے اور ابھی چلے۔ بیٹھو نا تھوڑی دیر۔"

رمیقیہ کے انداز میں ایک لگاوٹ سی آ گئی تھی۔ پس اوفوش فوراً بیٹھ گیا۔

"میں بیٹھ گیا ہوں رمیقیہ۔ مگر تم ہر دم دل توڑنے والی باتیں نہ کیا کرو۔"

"اچھا بھئی میں معافی چاہتی ہوں۔" رمیقیہ ایک دم نرم پڑ گئی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر رمیقیہ نے اوفوش کو چھیڑا۔ "اب منہ پھلائے کیوں بیٹھے ہو؟ کوئی بات کیوں نہیں کرتے؟"

"بات تو ایک بہت ضروری کرنا تھی مگر تمہارے غصے سے ڈر لگتا ہے۔" اوفوش نے ایک نئے حوصلے سے کہا۔

Marfat.com

رمیقیہ اُس کا اشارہ فوراً سمجھ گئی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ رمیقیہ نے اپنی ماں کو خود اشارہ کیا تھا کہ وہ کسی دن اوفوش کو ساتھ لائے تاکہ وہ اس موذی عیسائی کے قتل کے سلسلے میں اوفوش سے مزید معلومات حاصل کر لے۔ اُس روز اُس کے دروازے کے باہر جو باتیں ہوئی تھیں اس نے رمیقیہ کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ عیسائی کی لاش اب تک اُس کے باڑے میں دفن تھی۔ رمیقیہ کو ڈر تھا کہ اگر بات شاہی دربار تک پہنچی اور کسی نے مخبری کر دی تو لاش اس کے گھر سے برآمد کر لی جائے گی۔ پھر اُس کا اور اُس کی ماں کا کیا حشر ہوگا اس کے تصور ہی سے وہ کانپ اٹھتی تھی۔

''مرد، عورتوں کے غصے سے نہیں ڈرا کرتے۔'' رمیقیہ کا لہجہ خوشامدانہ ہو گیا۔ ''پھر تم ایک بہادر مرد ہو۔ تم نے اُس رات باڑے میں اکیلے گڑھا کھودا تھا اور لاش کو دفن بھی اکیلے ہی کیا تھا۔''

''ہاں رمیقیہ۔ وہ منظر بڑا خوفناک تھا۔'' اوفوش نے جیسے خواب میں کہا۔ ''اور مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ایک دن وہ لاش گڑھے سے باہر آ جائے گی۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے اوفوش۔'' رمیقیہ کا پورا بدن ایک نا معلوم خوف سے تھرا اُٹھا تھا۔

''تمہیں بھی......؟'' اوفوش نے حیرت سے رمیقیہ کو دیکھا۔ ''سچ بتاؤ رمیقیہ، کیا تمہیں بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے؟''

بڑی بی حیرت سے دونوں کا منہ تک رہی تھیں۔ لاش کا ذکر آ جانے سے وہ بھی کچھ پریشان ہو گئی تھیں۔ رمیقیہ اب بات کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''اوفوش، تمہیں جو کہنا ہے صاف صاف کہہ ڈالو۔ میں بھی حالات کے بوجھ سے دبی جا رہی ہوں۔''

''کیا کہہ دوں رمیقیہ!'' اوفوش اُس کا اشارہ نہ سمجھ سکا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ رمیقیہ نے مسٹر اسٹرنگ اور ناظر سے ہونے والی گفتگو اپنے کانوں سے سنی تھی۔

''اوفوش، تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں نے تمہاری اور مسٹر اسٹرنگ کی تمام باتیں سن

Marfat.com

لی تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مقتول عیسائی اور اشبیلیہ کے شاہی خاندان میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے اور وہ دن دور نہیں جب دربار کے آدمی اس گھر سے مقتول کی لاش برآمد کر لیں گے۔'' رمیقیہ نے ٹھہر ٹھہر کر مُردہ آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اُسے غش سا آ گیا۔

بڑی بی کے یہ سن کر ہی حواس جاتے رہے تھے۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے رمیقیہ کو سنبھالا۔ اوفوش جلدی سے پانی لے آیا۔ پانی کے چھینٹوں سے رمیقیہ نے آنکھیں کھول لیں۔ اوفوش بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اس سے کچھ نہ بن پڑ رہا تھا۔

''کیسی ہے میری بیٹی کی طبیعت؟'' بڑی بی اُس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

''ٹھیک ہوں اماں!'' رمیقیہ نے نحیف آواز میں جواب دیا اور ہمت کر کے اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے جلدی سے اپنے کپڑے درست کیے۔ رمیقیہ کو اس سے پہلے کبھی ایسی نقاہت محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ اس بات سے اور زیادہ پریشان تھی کہ کہیں اوفوش اس کی کمزوری کا مذاق نہ اڑائے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا رمیقیہ!'' اوفوش نے تسلی دی۔ ''تم اپنی طبیعت کو سنبھالو۔ اوفوش ابھی زندہ ہے۔''

''تم کیا کرو گے اوفوش؟'' بڑی بی کی آواز لرز رہی تھی۔ ''معاملہ تو بہت بگڑ گیا ہے۔ کسی وقت بھی......''

''پھوپھی جان! فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اوفوش نے سینہ تان کر کہا۔ ''میں سب سنبھال لوں گا۔''

''کیسے سنبھالو گے اوفوش؟'' رمیقیہ بہت سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ''اگر شاہی دربار والے مجھے گرفتار کرنے آ گئے تو کیا تم ان کا مقابلہ کرو گے؟ یہ تو بہت بڑی غلطی ہو گی۔''

رمیقیہ نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی اس کا جواب بھی دے دیا۔ اوفوش نے اُس کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھایا۔

''رمیقیہ! ابھی تمہارے حواس درست نہیں ہیں۔ ذرا طبیعت ٹھیک ہو جائے تو پھر بتاؤں گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔''

Marfat.com

''میں بالکل ٹھیک ہوں......'' رمیقیہ نے جلدی سے کہا۔ ''ذرا سی تاخیر بھی ہمیں مصیبت میں پھنسا سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم سوچتے ہی رہ جاؤ اور میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی کر دی جاؤں۔ جو کچھ کرنا ہے، مجھے بتاؤ۔ میرے حواس بالکل درست ہیں۔''

اوفوش نے پھوپھی کی طرف دیکھا، پھر سر جھکا لیا۔

رمیقیہ کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس نے ماں کو جھنجھوڑا۔ ''اماں! تم ہی پوچھو۔ اوفوش کیا کرنا چاہتا ہے؟''

''پھوپھی کو مت پریشان کرو رمیقیہ!'' اوفوش بولا۔ ''میں بتاتا ہوں ہمیں کیا کرنا ہے۔''

رمیقیہ نے ہمہ تن گوش ہو کے اوفوش کو دیکھا۔ اوفوش کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اوفوش! کیا سوچ رہے ہو؟ جلدی بتاؤ، ہمیں کیا کرنا ہے؟'' رمیقیہ بے چین ہو رہی تھی۔

''ہاں......'' اوفوش نے سر اٹھایا۔ ''سب سے پہلے کہوں گا کہ اُس سے تم نے جو باتیں سنی تھیں وہ ہماری مصیبت کا آغاز تھا۔ اجنبی کی گمشدگی اور قتل کی بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ میں اسٹرنگ سے کئی بار ملا ہوں۔ وہ ذلیل انسان اس معاملے میں بہت دلچسپی لے رہا ہے۔ اُس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ مقتول اجنبی دراصل اشبیلیہ کے ولی عہد شہزادے کا دوست ہے اور اس کو شہزادے کے حکم پر تلاش کیا جا رہا ہے۔ اسٹرنگ چاہتا ہے کہ وہ میری مدد سے یہ کام انجام دے اور شہزادے کی خوشنودی حاصل کرے۔''

اوفوش نے جو بات کہی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھی۔ مسٹر اسٹرنگ کے یہی خیالات تھے۔ مگر اسٹرنگ کا مقصد محض مالی مفاد حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ شہزادے کو خوش کر کے اپنی عیسائی قوم کے لئے کچھ مراعات حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ شہزادہ کسی وقت بھی شاہ اشبیلیہ بن سکتا ہے۔ اس صورت میں اسٹرنگ کو بہت کچھ حاصل ہونے کی اُمید تھی۔ اسٹرنگ کی یہ خواہش بظاہر بہت نیک تھی اور اوفوش کو اُس کے جذبہ کی قدر کرنی چاہئے تھی۔ لیکن اُس نے رمیقیہ اور اُس کی ماں کے سامنے اسے دوسرے ہی رنگ میں پیش کیا تھا۔

Marfat.com

رمیقیہ دم بخود ہوگئی تھی اور اُس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی اور خوف کی وجہ سے اُس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ رمیقیہ اور اُس کی ماں اس قدر حواس باختہ تھیں کہ وہ اوفوش کے خاموش ہونے کے بعد بھی کچھ نہ بولیں۔ دونوں کا گلا خشک ہوگیا تھا اور حلق سے آواز نہ نکل رہی تھی۔ اوفوش کا مقصد ماں بیٹی کو زیادہ سے زیادہ خوفزدہ کرنا تھا اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہوا تھا اور اُسے رمیقیہ اپنے بازوؤں میں جھولتی نظر آ رہی تھی۔

اوفوش دیر تک دونوں کی بے بسی کا نظارہ کرتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ پھر جب اُسے محسوس ہوا کہ غریب عورتوں میں بات کرنے کا بھی چارہ نہیں رہ گیا ہے تو اُس نے شطرنج کی دوسری چال چلی۔ اُس نے ذرا آگے ہو کر رمیقیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید رمیقیہ اُس کی اس حرکت پر اُس کا منہ نوچ لیتی۔ مگر بے بس رمیقیہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ اُس نے ذرا بھی احتجاج نہ کیا۔ اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور اُس کی ہتھیلی پر اوفوش کی اُنگلیاں رقص کے انداز میں متحرک تھیں۔

''رمیقیہ!''

اوفوش نے اُسے اس انداز سے پکارا جیسے اُسے خواب سے بیدار کر رہا ہو۔''

رمیقیہ پر خیالات کے ہجوم نے خواب ہی جیسا اثر کیا تھا۔ اوفوش کی آواز پر وہ اس طرح اُچھلی جیسے خواب کے عالم میں کوئی دہشت ناک آواز پر چونک پڑے۔ اُس کی ماں کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔

رمیقیہ نے سنبھل کر مردہ لہجے میں کہا۔

''ہاں اوفوش! میں تمہاری بات سن رہی ہوں۔''

''میں نے تمہیں یہ باتیں اس لئے نہیں بتائیں کہ تم لوگ گم صم ہو جاؤ۔'' اوفوش نے جیسے تنبیہ کی۔ تمہیں تو حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ زندگی میں ایسے خطرناک موڑ آتے ہی رہتے ہیں۔ مگر میں جو موجود ہوں۔ میں اوفوش، تمہارا اوفوش۔ رمیقیہ! فکر کیوں کرتی ہو؟''

''تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا اوفوش!'' رمیقیہ نے کھوکھلی آواز میں کہا۔ ''اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''ہاں۔ اب یہی بات سوچنے کی ہے۔'' اوفوش نے فاتحانہ انداز میں سینہ پھلایا۔

Marfat.com

''اچھا دیکھو، میں ایک ایک کر کے تمام ترکیبیں بتاتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اوفوش نے رمیقیہ کا وہ ہاتھ دوبارہ تھام لیا جو اُس کے چونک اٹھنے سے اوفوش کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ رمیقیہ کے دل میں ممکن ہے اوفوش کے خلاف کوئی طوفان اٹھا ہو مگر اُسے حالات کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑ رہے تھے۔ اس عالم میں اُسے ایک مضبوط ہاتھ کی ضرورت تھی اور وہ صرف اوفوش ہی کا ہاتھ ہوسکتا تھا۔

رمیقیہ اس دفعہ بھی اپنے صحیح ردِعمل کا اظہار نہ کرسکی اور اُس کا مرتعش ہاتھ اوفوش کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

اوفوش نے اُس کی ایک اُنگلی پکڑتے ہوئے کہا۔

''رمیقیہ! پہلی بات یہ ہے کہ......''

مگر اوفوش آگے کہنے سے رُک گیا۔

''چپ کیوں ہو گئے اوفوش...... کہو نا!'' رمیقیہ بے تاب ہو رہی تھی۔

''ڈر لگتا ہے، کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔'' اوفوش نے معصوم سا منہ بنا لیا تھا۔

''میں بالکل ناراض نہیں ہوں گی۔ کہو تو قسم کھا لوں؟''

''اچھا خیر میں کہتا ہوں۔''

مگر رمیقیہ سے کہنے کے بجائے اوفوش نے اپنا رُخ بڑی بی کی طرف کر کے کہنا شروع کیا۔

''پھوپھی جان! میں نے پہلے بھی یہی مشورہ دیا تھا مگر رمیقیہ چراغ پا ہو گئی تھی۔''

''کون سا مشورہ بیٹے؟'' بڑی بی کی بھی لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

''یہی کہ رمیقیہ کا اس گھر میں رہنا ٹھیک نہیں۔''

اوفوش نے محسوس کر لیا تھا کہ لوہا گرم ہو چکا ہے۔ اب اس پر آسانی سے چوٹ پڑ سکتی ہے۔

''یہ تو آپ نے سن ہی لیا کہ اسٹرنگ اور شاہی جاسوس یا شہزادے کے دوست نے اس گھر کا دروازہ دیکھ لیا ہے اور کسی وقت بھی تحقیقات کے لئے کوئی آ سکتا ہے۔ رمیقیہ بیچاری اُسے کیا جواب دے گی؟ کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل گئی تو پورا گھر سولی پر

Marfat.com

چڑھ جائے گا۔''

''مگر ہم بھاگ کے جائیں تو کہاں؟ کہیں بھی چھپیں، شاہی جاسوس ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے۔'' بڑی بی کے ذہن میں مستقبل کے خدشات گھوم رہے تھے۔

''بھاگ کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا گھر جو موجود ہے۔'' اوفوش نے بے دھڑک کہہ دیا۔ ''میں نے پہلے بھی یہ پیشکش کی تھی مگر رمیقیہ نے اسے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اور رمیقیہ تمہارے گھر اُٹھ چلیں؟''

''صرف عارضی طور پر۔ صرف چند دنوں کے لئے۔ بات دب جائے تو واپس آجائیں۔''

اوفوش نے بڑی حکمت سے مکاری کو خلوص کا رنگ دے دیا۔

''مگر ہمارے مویشیوں کا کیا بنے گا؟'' بڑی بی کو دوسری فکر لاحق ہوئی۔

''میں کیا مر گیا ہوں پھوپھی جان!'' اوفوش نے زور دے کر کہا۔ ''میں جو اس گھر میں رہوں گا۔ مویشیوں کی دیکھ بھال اور انہیں کرایہ پر میں دیا کروں گا۔ آخر اپنے گھر میں بھی تو میں یہی کرتا ہوں۔''

اوفوش نے اپنے خیال میں خلوص کی حد کر دی۔

''چلو ٹھیک ہے..... میں تیار ہوں بیٹے۔'' رمیقیہ کی ماں راضی ہو گئی۔

''مگر فیصلہ تو رمیقیہ کے ہاتھ میں ہے۔'' اوفوش کی نظریں رمیقیہ کے جھکے ہوئے چہرے پر لگ گئیں۔

رمیقیہ کا ذہن کام نہ کر رہا تھا اور دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ اس گھر سے دُور رہنا چاہتی تھی مگر اوفوش کے گھر جانے سے بھی ڈر رہی تھی۔ وہ اوفوش کے احسانوں تلے دبی تھی۔ اُسے اوفوش جیسے کسی جی دار آدمی کی ضرورت تھی۔ پھر بھی اُس کا دل اوفوش کی طرف کسی طرح مائل نہ ہوتا تھا۔ ان تمام باتوں کا واحد حل یہ تھا کہ رمیقیہ اوفوش سے شادی کر کے خود کو ہمیشہ کے لئے اس کے حوالے کر دے۔ اوفوش نے لڑکپن سے جو حرکتیں کی تھیں وہ تمام کی تمام اُس کی نظروں کے سامنے تھیں۔ ایسے بدکار آدمی کے ساتھ

Marfat.com

شادی کرنے سے تو یہ بہتر تھا کہ وہ خودکشی کر لے۔

''رمیقیہ! جواب دے۔ اوفوش کیا پوچھ رہا ہے؟'' ماں نے اُسے چونکا دیا۔

رمیقیہ نے اوفوش کی بات سن لی تھی مگر وہ اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ اوفوش کے گھر جانے کا جو نتیجہ ہوگا اس کا تو اندازہ اُسے اپنے ہی گھر میں ہو گیا تھا۔ اوفوش نے اُس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس بے حیائی سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا کہ وہ احتجاج تک نہ کر سکی تھی۔ بہرحال اُسے جواب تو دینا ہی تھا۔ رمیقیہ نے اپنا دل ٹٹولا۔ دل نے شاید اُسے سہارا دیا اور رمیقیہ نے بہت جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔

''ماں مجھے ماموں کے گھر رہنے میں کوئی اعتراض نہیں۔'' رمیقیہ نے بڑا جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔

اوفوش کا چہرہ یوں چمک اٹھا جیسے اُسے دنیا بھر کی دولت مل گئی ہو۔

''میں تمہاری سمجھداری کی داد دیتا ہوں رمیقیہ۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے تم محفوظ رہ سکتی ہو۔ باقی حالات مجھ پر چھوڑ دو، میں سب سے نمٹ لوں گا۔''

رمیقیہ کے کہنے کی دیر تھی کہ بڑی بی نے ضروری سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ اوفوش بھاگ بھاگ کے پھوپھی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ رمیقیہ نے بھی کچھ ضروری چیزیں ایک چادر میں باندھ لیں اور کچھ دیر بعد یہ تینوں سامان کی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے گھر سے نکلے۔ اوفوش نے باہر سے دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔

Marfat.com

اُندلس میں مسلمانوں کا زوال شروع ہو چکا تھا مگر اب تک تمام مسلم ریاستوں میں رعیت کی جان و مال کا اتنا عمدہ انتظام تھا کہ کوئی شخص اپنے گھر میں تالا نہ لگاتا تھا۔ لوگ اپنی دُکانیں کھلی چھوڑ کے چلے جاتے تھے اور کوئی دُکان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

اوسلو کو بہن اور بھانجی کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ گھر میں رونق سی آ گئی۔ اوسلو کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ گھر میں صرف اوسلو اور اوفوش رہتے تھے۔ اوفوش نے گھر پہنچتے ہی ڈینگیں مارنی شروع کر دیں اور سچ اور جھوٹ ملا کر ایسی داستان سرائی کی کہ اوسلو کو اُس کی جرأت اور جذبہ کی تعریف کرنا پڑی۔ وہ بڑی دیر تک سب کا دماغ چاٹتا رہا۔ رمیقیہ کو حالات نے تھکا دیا تھا۔ وہ ماں کے ساتھ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور ساتھ لایا ہوا سامان سلیقے سے لگانے لگی۔ مگر اوفوش باپ کی جان کو چمٹا رہا اور زبردستی اپنے کارناموں کی داد حاصل کرتا رہا۔

''اوفوش! ایک بات گرہ میں باندھ لو۔'' اوسلو نے اُس کی باتوں سے تنگ آ کر کہا۔

''کیسی بات؟'' اوسلو نے گھبرا کے باپ کو دیکھا۔

''بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک عیسائی کا قتل نہیں ہے بلکہ بڑے لوگوں کا کوئی بڑا معاملہ ہے۔'' اوسلو نے رازداری سے بتایا۔

''میں سمجھا نہیں؟ کھل کے بتاؤ بابا!'' اوفوش اُلجھنے لگا تھا۔

''میرے بیٹے! رمیقیہ کے ہاتھ سے مارے جانے والا اجنبی کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔''

''پھر کون تھا وہ؟'' اوفوش کی جرأت بڑھ گئی۔

''وہ شہنشاہِ طلیطلہ کا بڑا آدمی تھا۔'' اوسلو نے سرگوشیوں میں کہا۔ ''اُسے طلیطلہ کے کسی

Marfat.com

دربار سے کسی بڑے کارنامے کے صلہ میں سونے کا شاہی تمغہ ملا تھا۔"

"مگر بابا!" اوفوش نے باپ کو کمال جرأت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا؟"

"مجھے بتایا کس نے ہے۔" اوسلو نے منہ بنایا۔ "طلیطلہ کا شاہی تمغہ قتل ہونے والے کے گلے میں پڑا تھا۔"

"مگر مجھے نظر نہیں آیا۔" اوفوش سوچتے ہوئے بولا۔ "اُس کی لاش تو میں نے ہی دفن کی تھی۔"

اوسلو مسکرایا۔ "تمہیں نظر کیسے آتا۔ تمغہ میں نے اُس کے دفن ہونے سے پہلے ہی گلے سے اتار لیا تھا۔"

"تمغہ کہاں ہے بابا...... مجھے بھی دکھاؤ!" اوفوش بے چین ہو گیا۔

"دکھا دوں گا...... میرے ہی پاس ہے۔" اوسلو نے ناگوار انداز میں کہا۔ "پہلے میری پوری بات سن لو اور جیسا میں نے کہا ہے اسی طرح اسے گرہ میں باندھ لو۔"

"میں سن رہا ہوں...... تم کہو بابا!"

"گرہ میں باندھنے والی بات یہ ہے کہ تم اس قتل کا حال کسی کو بھولے سے بھی نہ بتانا ورنہ......"

"ورنہ کیا ہو جائے گا بابا......؟" اوفوش جھلا گیا۔ "رمیقیہ نے اُسے جان بوجھ کے قتل نہیں کیا تھا۔"

"میں رمیقیہ کو کب الزام دے رہا ہوں؟ تم میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔" اوسلو کو بھی غصہ آ گیا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ معمولی قتل نہیں بلکہ کوئی بہت بڑا سیاسی قتل معلوم ہوتا ہے۔"

"بابا...... میری سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا۔ پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں نے اِس معاملہ پر بہت غور کیا ہے اوفوش۔" اوسلو نے بات ختم کرنے کے لئے کہا۔ "تم بس میرے کہنے پر عمل کرو اور اپنی زبان کو تالا لگا لو۔"

"وہ تو میں کروں گا ہی۔" اوفوش ترشی سے بولا۔ "رمیقیہ کی خاطر ہی تو مجھے اپنی

Marfat.com

زبان بند رکھنا ہو گی۔ مگر یہ سب ہے کیا؟ مرنے والا اگر دربارِ طلیطلہ کا کوئی خاص آدمی تھا تو اُسے اشبیلیہ آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ سفیر کی حیثیت سے آیا تھا تو اُسے سیدھا شاہی دربار میں جانا چاہئے تھا۔ پھر سفیر پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ رمیقیہ کا بیان ہے کہ مقتول نے گڑگڑا کر کہا تھا کہ مسلمان اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"میں نے واقعات کی تقریباً تمام کڑیاں جوڑ لی ہیں۔ اب تم جاؤ۔ میں پھر کسی دن بتاؤں گا۔" اوسلو نے اُسے ٹالا۔

مگر اوفوش اُسے بھوت کی طرح چمٹ گیا۔

"نہیں بابا...... ابھی اور اسی وقت بتاؤ۔ تم نہیں بتاؤ گے تو میں نہ کھانا کھا سکوں گا اور نہ رات کو پوری نیند سو سکوں گا۔"

اوسلو بہت جز بز ہوا۔ مگر اوفوش نے اُس کی جان نہیں چھوڑی۔

"اچھا بھئی، بتاتا ہوں...... تمہیں تو بس ہر بات کی جلدی ہو جاتی ہے۔"

اوسلو اُٹھ کے اندر گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں تیروں سے بھرا ایک ترکش تھا۔ اوفوش کو خیال ہوا کہ شاید اُسے تمغہ دکھانا نہیں چاہتا ہے اور اسی لئے تمغے کے بجائے ترکش لے کے آیا ہے۔ اُس نے چڑ کے کہا۔

"بابا کیا بات ہے؟ تم اپنے بیٹے سے بھی رازداری برت رہے ہو۔"

اوسلو اُسے غصہ سے گھورنے لگا۔ "کیا بک رہے ہو اوفوش! میں نے تم سے کیا چھپایا ہے؟"

اوفوش نے بھی اسی تیزی سے جواب دیا۔ "تم تمغہ لے کر کیوں نہیں آئے بابا؟ میں اسے اسی وقت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اوسلو نے تمغہ جیب سے نکال کر اوفوش کو پکڑا دیا۔

"لو...... اسے لے کے چاٹتے رہو۔"

اوفوش بڑے شوق سے تمغہ دیکھنے لگا۔ سونے سے بنے ہوئے اس تمغے کی زنجیر بھی سونے کی تھی۔ تمغے کے ایک طرف شہنشاہ طلیطلہ الفانسو اول کی تصویر اُبھری ہوئی تھی اور دوسری طرف شاہی مُہر کا نقش نمایاں تھا۔ تمغہ دیکھ کر اوفوش کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اُس

Marfat.com

نے تمغے کو ہتھیلی پر رکھ کر وزن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''کافی وزنی ہے تمغہ...... اس کی بہت قیمت ہوگی۔''

''بے وقوف افوش!'' اوسلو نے اُسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا۔''تمغہ کا اندازہ اس کے وزن سے نہیں لگایا جا سکتا۔تو ایسی چیزوں کی قدر کیا جانے۔ یہ تمغہ اس قدر محترم ہے کہ کوئی شخص اگر اس تمغے کو گلے میں ڈال کر حکومت طلیطلہ کے کسی گورنر کے دربار میں چلا جائے تو وہ تمغہ کو دیکھتے ہی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔''

''یہ بڑی کارآمد چیز ہے بابا!'' افوش پھولے نہ سما رہا تھا۔''یہ تم مجھے دے دو۔ میں طلیطلہ پہنچ کر اس سے بڑے فائدے اٹھاؤں گا۔ میرے تو دن پھر جائیں گے۔''

اوسلو بہت غصہ میں تھا مگر اُسے اپنے بیٹے کی نادانی پر ہنسی آ گئی۔

''نادان، احمق!'' اوسلو نے تمغہ اُس کے ہاتھ سے چھین لیا۔''یہ تمغہ خونی ہے۔ قاتل ہے۔ اس کا مالک حکومت طلیطلہ کا کوئی سربرآوردہ شخص تھا جو غلط فہمی کی بنا پر رمیقیہ کے خنجر کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اگر تو نے اسے طلیطلہ یا اشبیلیہ میں کسی کو دکھایا تو، تو فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔ اشبیلیہ والے اس کے مالک کو تلاش کر رہے ہیں۔ اُدھر طلیطلہ والے بھی اس کی واپسی کے منتظر ہوں گے۔ اب بتا کیا تو اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے؟''

''نا بابا...... اس خونی تمغے کو دُور ہی سے سلام۔'' افوش نے اپنے کان پکڑے۔''تم ہی اسے سنبھال کے رکھو۔ مگر بابا! اس کا گھر میں رکھنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں۔ دربار والے اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ اگر راز کھل گیا تو......''

''اسی لئے تو میں تجھے تاکید کر رہا ہوں کہ اپنی زبان بند رکھ۔'' اوسلو نرم ہو گیا۔''تو اسٹرنگ کے قہوہ خانے جانا بھی کم کر دے۔ پتہ نہیں نشے میں تیری زبان سے کیا نکل جائے۔''

''ٹھیک ہے بابا، میں احتیاط کروں گا۔'' افوش نے باپ کو مطمئن کر دیا۔ پھر اُسے ایک دم کچھ خیال آیا۔

''یہ ترکش کس کا ہے؟'' افوش نے ترکش کی طرف اشارہ کیا جسے گفتگو کے دوران فرش پر رکھ دیا تھا۔

Marfat.com

''اس کا مالک بھی تمغے والا ہے۔ رمیقیہ کے کمرے میں یہ بھی پڑا تھا۔'' اوسلو نے ترکش اوفوش کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے غور سے دیکھو۔ اس کے کناروں پر طلائی کام کیا ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے والا نہ صرف دربارِ طلیطلہ کا انعام یافتہ تھا بلکہ وہ ذاتی زندگی میں بھی ایک صاحب حیثیت شخص تھا۔''

اوسلو نے ترکش دیکھا تو اُسے اوفوش کے خیال کی تائید کرنا پڑی۔

''عجیب معاملہ ہے۔ مگر یہ شخص یہاں آیا کیوں؟ اور اگر آیا ہی تھا تو اسے سب سے پہلے گرجا کے پادری سے ملنا چاہئے تھا۔''

''ابھی بہت سی باتیں حل طلب ہیں بیٹے۔'' اوسلو فکر انگیز لہجے میں بولا۔ ''ایک بات یہ بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس ترکش کی کمان کہاں گئی؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص بغیر کمان کے ترکش لئے لئے پھرتا رہے۔''

اوفوش نے چونک کر اوسلو کو دیکھا۔ ''بابا! تم بڑی دور کی سوچتے ہو۔ مگر ان باتوں سے ہمیں کیا ملے گا؟''

''ہر بات فائدے کے لئے نہیں سوچی جاتی۔'' اوسلو کا انداز فلسفیانہ ہو گیا۔ ''اگر تمام حالات کا پتہ لگ جائے تو ہو سکتا ہے کہ رمیقیہ قتل کے الزام سے بری ہو جائے۔ وہ بیچاری خوف و دہشت کے ماحول میں کب تک رہ سکتی ہے۔ اُسے اس مہیب کرب سے نجات دلانا ہو گی۔ اس کا یہاں آنا ہمارے لئے خوشی کی بات ہے لیکن دوسرے کے گھر میں کوئی شخص خواہ کتنے ہی دن رہے، وہ خود کو مہمان ہی سمجھتا ہے۔ اپنے گھر کی یاد اُسے ہر وقت ستاتی رہتی ہے۔''

اوفوش کب چاہتا تھا کہ جال میں آئی ہوئی چڑیا نکل جائے۔ اُس نے رمیقیہ کو یہاں لانے کے لئے کیا کیا جتن کئے تھے۔ پیاسا اب دریا کنارے پہنچ گیا تھا۔ اوفوش کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رمیقیہ کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ اس نے اوفوش کو جو ذرا سی ڈھیل دی تھی، وہ اس کی مجبوری ہے۔ مگر وہ دل سے اسے کبھی قبول نہ کرے گی۔ پھر وہ رمیقیہ سے کوئی غلط اُمید کیوں باندھے؟ اب رمیقیہ پوری طرح اُس کے قبضے میں تھی۔ اس نے بھی طے کر لیا تھا کہ اگر سیدھی اُنگلیوں سے گھی نہ نکلا تو وہ انگلیاں ٹیڑھی کرنے

Marfat.com

میں کوئی تکلف نہ کرے گا۔

اُدھر رمیقیہ دل پر جبر کئے اور حالات سے مجبور ہو کر اوفوش کے گھر آ تو گئی تھی مگر اُس کا دل کسی طرح مطمئن نہ تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اوفوش کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتی۔ اُس نے پہلے ہی دن اوفوش کی آنکھوں میں شیطانیت کی وہ چمک دیکھ لی تھی جس کی گرمی سے عورت کا سب کچھ بھسم اور خاکستر ہو جاتا ہے۔ رمیقیہ آغازِ جوانی ہی سے خود کو ایسی نظروں سے بچاتی رہی تھی۔ جب وہ اپنے گھر میں رہتی تھی اس وقت بھی رمیقیہ نے اوفوش کی آنکھوں میں بوالہوسی کی طوفانی لہروں کو اُمڈتے دیکھا تھا اور ان سے بچنے کے لئے ہی تو اس نے کئی بار اوفوش کو ڈانٹ پلائی تھی اور اس کا اپنے گھر آنا بند کرا دیا تھا۔ مگر اب وہ ان نظروں سے کیسے بچتی؟ اوفوش کی نظریں تو اُسے ہر وقت گھیرے رہتی تھیں۔ اوفوش رات کے صرف چند گھنٹے رمیقیہ کے گھر میں گزارتا۔ صبح ہوتے ہی اُس کے مویشی یا تو کرائے پر دے دیئے جاتے یا انہیں کسی چرواہے کے حوالے کر دیا جاتا۔ پھر وہ تھا اور اُس کا گھر۔ اوفوش گھر میں گھستا اور دن بھر اور آدھی رات تک وہیں ڈیرے جمائے رکھتا۔ رمیقیہ اُس کی نظروں سے کہاں تک بچتی۔ اوفوش کی آنکھیں تو ہر وقت اس کا تعاقب کرتی تھیں۔

رمیقیہ ایک عذاب میں مبتلا تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ اس گھر کے علاوہ اُس کا کہیں اور ٹھکانہ نہ تھا۔ ٹھکانہ ہوتا بھی تو اوفوش کی دشمنی کیسے مول لیتی؟ اوفوش کسی لمحے بھی قتل کا راز طشت از بام کر سکتا تھا۔ پھر رمیقیہ کی گرفتاری اور رُسوائی۔ رمیقیہ اس خیال ہی سے کانپ اٹھتی تھی۔ وہ رات تو رات، دن کو بھی ماں کے کولہے سے لگی بیٹھی رہتی۔ مگر کسی وقت تو اُسے گھر کے کام کاج کے لئے اٹھنا ہی پڑتا تھا اور وہی لمحہ اور وہی وقت اوفوش کے لئے عید بن جاتا اور اوفوش فوراً نظریں بچا کر رمیقیہ کے پاس پہنچ جاتا۔ اگر اوفوش اپنا رویہ شریفانہ رکھتا تو رمیقیہ اُس سے باتیں بھی کرتی اور شاید دلداری کا حقیقی یا مصنوعی اظہار بھی کرتی۔ مگر شرافت تو اوفوش کو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔

اور پھر ایک دن تو اوفوش نے حد کر دی۔ رمیقیہ نے اُسے اب تک کسی نہ کسی طرح برداشت کیا تھا۔ اُس کی بے تکی اور بے ہودہ باتوں کو بھی گوارہ کیا تھا۔ اُس کے صبر کا

Marfat.com

پیانہ پہلے ہی لبریز ہو چکا تھا۔ اُس دن یہ پیانہ چھلک پڑا۔ حالات اور احسان تلے دبی ہوئی رمیقیہ اس گھڑی اوفوش کے سامنے ایک نئے روپ میں آئی۔ اس کا یہ روپ اوفوش نے نہ پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کے تصور میں تھا۔

25 دسمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن تھا۔ اوفوش کے گھر میں بھی جشن جیسا سماں تھا۔ رمیقیہ نے پس انداز کی ہوئی رقم میں سے اپنی ماں، ناموں اور اوفوش کے لئے لباس تیار کرائے تھے۔ مگر ذہنی انتشار کی وجہ سے وہ کپڑے پہننے پر تیار نہ تھی۔ اُس نے صبح ہی ایک دُھلا ہوا جوڑا نکال کے پہن لیا۔ رمیقیہ کی ماں اُس کے درد کو جانتی تھی۔ اُس نے رمیقیہ کے گرد کھنچے ہوئے خوف و دہشت کے ان حصاروں کو بھی محسوس کر لیا تھا جنہوں نے اس بدنصیب کو مضطرب کر رکھا تھا۔ مگر اوسلو اور اوفوش نے کہہ سن کر رمیقیہ کو نئے کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا۔

ذرا دن چڑھا تو اوسلو اور اوفوش گرجا گھر جانے کے لئے تیار ہوئے۔ رمیقیہ اور اُس کی ماں بھی ہر سال نماز کے لئے گرجا گھر جاتے تھے۔ مگر اس دفعہ رمیقیہ کا دل کچھ ایسا بجھا ہوا تھا کہ اُس نے عین وقت پر گرجا جانے سے انکار کر دیا۔ اُس کی ماں نے بھی بیٹی کی خاطر گھر ہی پر ٹھہرنے کا خیال ظاہر کیا لیکن اوسلو اور اوفوش نہ مانے اور اسے مجبور کر کے ساتھ لے گئے۔ رمیقیہ کو تنہائی نصیب ہوئی تو اُسے اپنی زندگی کے نشیب و فراز پر غور کرنے کا موقع ملا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر کے حالات پر غور کرنے لگی۔

رمیقیہ نہ معلوم کب تک خیالات میں کھوئی رہی۔ پھر شاید اُس کی آنکھ لگ گئی تھی کہ آہستہ سے دروازے پر دستک ہوئی۔ رمیقیہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے جلدی سے چادر کھینچ کر سر پر ڈالی اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔ ان تمام لمحات میں وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ تہوار کے دن اتنی بے خبر ہو کے سوئی کہ سب لوگ نماز پڑھ کے گرجا سے واپس بھی آ گئے۔ مگر جب دروازہ کھلا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازے پر صرف اوفوش کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر وحشیانہ سائے لہرا رہے تھے۔ رمیقیہ نے فوراً خطرہ محسوس کر لیا اور اُس نے جلدی سے کھلے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھائے مگر اوفوش اسی لمحے رمیقیہ کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا اور دروازے کی زنجیر لگا دی۔

Marfat.com

اوفوش کے دھکے سے رمیقیہ لڑکھڑا گئی تھی مگر اُس نے خود کو سنبھالا اور کمرے کی طرف بے تحاشہ بھاگی۔ اوفوش اُس کے پیچھے تھا۔ اُس نے بڑھ کے رمیقیہ کو پکڑ لیا۔ اسی کشمکش میں رمیقیہ کی چادر اُس کے ہاتھ آ گئی اور رمیقیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اوفوش نے اُسے بیچ بازار ننگا کر دیا ہے۔ اب رمیقیہ بھاگنے کی بجائے کھڑی ہوگئی اور اُس کا ہاتھ فوراً اپنے چھوٹے سے خنجر کی طرف گیا جسے وہ کمر میں اُڑسے رہتی تھی۔ مگر اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا کیونکہ وہ اپنا لباس پہنتے وقت اپنا خنجر کمر سے لگانا بھول گئی تھی۔ اوفوش نے بھی اُس کی یہ کمزوری محسوس کر لی اور وہ شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ رمیقیہ کی طرف بڑھا۔ رمیقیہ کی آنکھوں سے غصے اور نفرت کی چنگاریاں جھڑ رہی تھیں اور وہ زخمی شیرنی کی طرح اپنے بچاؤ کے لئے اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی۔

اوسلو کے گھر میں بھی مویشیوں کا باڑا صحن کی طرف بنا ہوا تھا جس میں عام طور سے مویشیوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مگر نئے اور منہ زور خچروں کو باڑے کے اندر بھی کھونٹوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔ لکڑی کے یہ موٹے موٹے کھونٹے گھر ہی میں بنائے جاتے تھے جن کے لئے اوفوش دھنیاں اور بلّیاں لے آتا تھا۔ رمیقیہ اور اوفوش میں چوہے بلی کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔

رمیقیہ آہستہ آہستہ بلّیوں کے ڈھیر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یکایک اوفوش غراتا ہوا رمیقیہ پر بڑی تیزی سے جھپٹا مگر رمیقیہ اُس سے زیادہ تیزی سے بھاگ کر بلّیوں کے ڈھیر کے پیچھے ہو گئی۔ اوفوش نے بلّیوں کو پھاندنے کی کوشش کی مگر وہ بلّیوں سے پھسل کر گر گیا۔ رمیقیہ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور اُس نے چھوٹی سی بلّی اُٹھا کر اوفوش پر پوری طاقت سے دے ماری۔ اوفوش اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر لکڑی کی شدید ضرب سے اُس کا سر پھر زمین پر لگ گیا۔

رمیقیہ نے ایک نظر اوفوش پر ڈالی، پھر بھاگ کر کمرے میں پہنچی۔ اب چھوٹا خنجر اُس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی۔ خنجر نے نہ صرف اُس کا دل بڑھا دیا تھا بلکہ اب وہ اوفوش سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ رمیقیہ کمرے سے باہر آئی۔ اوفوش اب تک زمین پر سر ڈالے پڑا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ سوچا، اوفوش شاید

Marfat.com

کافی زخمی تھا۔ رمیقیہ نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ خیال کیا اور چادر سر پر ڈال کر گھر سے نکل آئی۔ اس وقت اپنا گھر ہی سب سے زیادہ محفوظ نظر آتا تھا۔ رمیقیہ نے سیدھے اپنے گھر کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے کچھ احتیاطی تدابیر کیں، پھر ماں کے کمرے میں آئی جو اُس کے خیال میں زیادہ محفوظ تھا۔ اُس نے کمرے کے دونوں دروازے اندر سے اچھی طرح بند کئے اور اطمینان سے ماں کے بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ خنجر اپنے ساتھ لائی تھی۔ مزید احتیاط کے طور پر اُس نے اپنے باپ کی تلوار بھی بستر کے قریب چھپا کر رکھ دی تھی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔

مگر رمیقیہ کو نہ خنجر چلانے کی ضرورت پیش آئی اور نہ زنگ آلود تلوار اٹھانے کا موقع آیا۔ دو تین گھنٹے بستر پر اسی طرح مورچہ جمائے بیٹھی رہی جیسے کوئی میدانِ جنگ میں حملے کے بگل کا انتظار کرتا ہے۔ آخر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے ساتھ ہی ماں کی آواز رمیقیہ کے کان میں آئی۔ رمیقیہ خنجر تانے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔

''ماں، یہ تمہاری آواز ہے؟'' رمیقیہ نے اطمینان کے لئے سوال کیا۔

''ہاں بیٹی، میں ہوں۔'' ماں کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔

''باہر کا دروازہ بند تھا۔ تم یہاں تک کیسے پہنچیں؟'' رمیقیہ نے دوسرا سوال کیا۔

رمیقیہ کو شبہ ہو رہا تھا جیسے ماں کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

''میں باڑے کے گیٹ سے آئی ہوں۔''

''تمہارے ساتھ اور کون ہے ماں؟'' رمیقیہ کو جیسے یقین نہ آرہا ہو۔

''میں اکیلی ہوں رمیقیہ! تو بے خوف ہو کے دروازہ کھول دے۔''

ماں نے پورا یقین دلایا۔ مگر برا ہو شک کا۔ رمیقیہ کو اپنی ماں کی بات کا اب بھی اعتبار نہ آرہا تھا۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ یہ مثل شاید ایسے ہی موقع کے لئے مشہور ہے۔

رمیقیہ نے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''ماں، تم گلی کے دروازے سے کیوں نہیں آئیں؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ باڑے کے گیٹ میں اندر سے تالا نہیں لگا ہے؟'' یہ رمیقیہ کے شک کی بنیاد تھی۔ گیٹ پر ہر وقت تالا لگا رہتا تھا۔ جب سے اوفوش نے اس

Marfat.com

گھر میں رہنا شروع کیا تھا اُس نے گیٹ میں تالا لگانا چھوڑ دیا تھا۔

''بیٹی، مجھ پر اعتماد کرو۔'' ماں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔''میں خودنہیں جانتی کہ میں نے پشت کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ بس میرا دل مجھے ادھر لے آیا۔''

ماں کے کمرے کے دروازے میں کوئی درز بھی نہ تھی کہ جس سے وہ جھانک کر دیکھ سکتی۔ دوسرے یہ کہ ماں کے لہجے میں اس قدر پیار بھرا تھا کہ رمیقیہ بے چین ہوگئی اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ اُس کی ماں نظریں نیچی کیئے اندر آگئی۔ رمیقیہ نے جلدی سے دروازہ بند کرلیا۔

''ماں، تم مجھ سے ناراض ہو؟'' رمیقیہ نے بڑے دُکھ سے پوچھا۔

''ناراض نہیں بلکہ شرمندہ ہوں بیٹی۔'' بڑی بی بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔ مگر اُن کی آنکھیں اب تک جھکی ہوئی تھیں''تو نے جو کیا ٹھیک کیا۔ بدمعاش اوفوش اس سے زیادہ سزا کا مستحق تھا۔''

''تم کیوں شرمندہ ہو ماں؟ غلطی میری ہی تھی۔ میں وہاں جانے پر کیوں راضی ہوئی۔ میری ہی غلطی نے اوفوش کو دوبارہ ایسی حرکت کرنے کا موقع دیا۔''

''تو بڑی حوصلہ مند اور قابل اعتماد لڑکی ہے رمیقیہ!'' ماں نے ڈبڈباتی نظریں اوپر اٹھائیں۔ ''تیرے باپ نے تیرا نام ''اعتماد'' رکھا تھا مگر میں تجھے رمیقیہ کے نام سے پکارتی رہی۔ اب میں......''

''کیا کہا ماں...... باپ نے میرا نام اعتماد رکھا تھا؟''

''ہاں بیٹی۔ مگر مجھے یہ نام پسند نہ آیا۔'' ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔''تیرا باپ بڑا پرہیزگار تھا بیٹی۔ اُسے تیرے ننھے سے پیکر میں ضرور اعتماد نظر آیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ مرنے والے سچی پیش گوئی کرتے تھے۔ اُن کی ایک پیش گوئی آج تو نے سچ کر دکھائی۔''

''کوئی اور پیش گوئی کی تھی میرے باپ نے؟'' رمیقیہ نے بڑے چاؤ سے ماں کو دیکھا۔

بڑی بی جیسے سوچ میں پڑ گئیں۔

''بتاؤ نا ماں......اور کیا کہا تھا؟'' رمیقیہ نے ماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

Marfat.com

''ہاں بیٹی! انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اعتماد ایک دن سورج بن کے اشبیلیہ کے اُفق پر چمکے گی۔'' ماں نے بتایا۔ مگر دوسرے ہی لمحے خود اس کی تردید کر دی۔ ''شاید یہ پیش گوئی نہیں بلکہ ایک باپ کی محبت بھری دُعا تھی۔''

رمیقیہ باپ کے ذکر سے غمگین ہونے کی بجائے نہال ہو گئی۔ اُسے بھی یقین ہو گیا کہ مرنے والے کی زبان سے سچ باتیں نکلا کرتی ہیں۔

''ماں، میں کس قدر بدقسمت ہوں۔ کاش میں نے ان کا چہرہ دیکھا ہوتا۔''

''افسوس نہ کر بیٹی۔'' یہ کہتے ہوئے بڑی بی کے سینے سے بھی ایک سرد آہ نکل گئی۔ ''یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ تو ایک بڑے عذاب سے دامن جھٹک کر صاف نکل آئی۔''

''ماں...... مجھے باپ نے اعتماد کہا ہے۔ میں ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ لگنے دوں گی۔'' رمیقیہ نے ایک نیا عزم باندھا۔

''میں بھی تجھے آج سے رمیقیہ کی بجائے اعتماد کے نام سے پکاروں گی۔''

''ماں......'' یہ کہتے ہوئے اعتماد ماں سے لپٹ گئی۔

''اعتماد! ایک بات تو اپنے ذہن میں بٹھا لے۔'' ماں نے اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جو ہو چکا اس پر خاک ڈال۔ مگر اب یہ خیال اپنے دل سے نکال دے کہ اوفوش تجھے پھنسانے کے لئے تیرا راز کھولے گا۔ اجنبی کے قتل سے وہ خود بہت پریشان ہے۔ اُسے اس بات کا ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر یہ راز کھل گیا اور پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو وہ بھی نہ بچ سکے گا۔ تو نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو وہ تیرے جرم میں شریک ہے اور ایک مجرم اپنا جرم کبھی نہیں کھولتا۔''

اعتماد بھی کچھ دیر پہلے انہی خطوط پر سوچ رہی تھی۔ ماں کی بات سے اُسے بہت تقویت حاصل ہوئی۔

''ماں! تم نے میرا آدھا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اب میں اوفوش کو دکھاؤں گی کہ بے باپ کی بچی اتنی کمزور نہیں ہوتی جتنا اس نے سمجھ رکھا ہے۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو اعتماد۔'' ماں نے بڑے یقین سے کہا۔ ''اوفوش میں اب ہمت نہیں کہ وہ تمہیں نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ پندرہ بیس دن تک تو وہ بستر ہی سے نہیں اٹھ

Marfat.com

سکتا۔ اس کے بعد جب وہ گھر سے نکلے گا تو تم دیکھ لینا کہ وہ ہمارے گھر کی طرف بھولے سے بھی نظریں نہیں اٹھائے گا۔''

اس خوفناک واقعہ نے اعتماد کی زندگی بدل کے رکھ دی۔ وہ پہلے کی طرح اپنے کام میں لگ گئی۔ مویشیوں کو کرایہ پر دینا، ان کے چارہ پانی کا انتظام، راستہ بھٹک جانے والے مویشیوں کو تلاش کرنا، یہ سب کام اُس نے کرنا شروع کر دیئے۔ اپنی مدد کے لئے اُس نے ایک لڑکا ملازم رکھ لیا۔ اُس کی ماں نے ٹھیک کہا تھا کہ اوفوش کے سر کا زخم اچھا ہو گیا۔ وہ باہر بھی نکلنے لگا مگر چوروں کی طرح۔ اُسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں رمیقیہ نے اُس کی کمینہ حرکت کی کسی کو اطلاع نہ دے دی ہو۔ مگر رمیقیہ نے جس نے خود کو ''اعتماد'' کہلوانا شروع کر دیا تھا، اوفوش کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اُس نے اوفوش کی اس حرکت کو جیسے بھلا دیا تھا۔ مہینے دو مہینے بعد اگر اُن کا اتفاقاً آمنا سامنا ہو جاتا تو اوفوش فوراً نظریں چرا کر دوسری طرف نکل جاتا اور اعتماد مسکرا کر رہ جاتی۔

اعتماد نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ مگر جوان بیٹی کی ماں کی آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ وہ اوسلو کے گھر اب بھی جاتی تھی۔ اوسلو بھائی ہونے کے ناتے بہن سے محبت سے ملتا اور بیٹے کی ناجائز اور ناشائستہ حرکت پر افسوس کرتا۔ اگر اوفوش کسی وقت آ جاتا تو وہ بھی پھوپھی سے بڑے ادب سے ملتا۔ مگر جہاندیدہ ماں کو اوفوش کی آنکھوں میں چھپی ہوئی شیطانیت فوراً نظر آ جاتی اور وہ اس نتیجے پر پہنچتی کہ اوفوش کی خباثت کو حالات نے دبا رکھا ہے۔ اس نے خود کو بظاہر نیک بنا لیا ہے مگر اس کے دل میں چھپا ہوا شیطان موقع پاتے ہی کوئی نہ کوئی خطرناک حملہ ضرور کرے گا۔ اس لئے وہ اوفوش کے متوقع حملے کے تدارک کے واسطے ترکیبیں سوچا کرتی تھی۔

اعتماد کی ماں کا اس دنیا میں سوائے بھائی کے اور کوئی عزیز و اقارب نہ تھا۔ اوسلو بہت شریف تھا لیکن اُس کا اپنے بدقماش بیٹے پر کوئی زور نہ تھا اس لئے اُسے بھائی سے کوئی توقع نہ تھی۔ سوچتے سوچتے اُس کا خیال گرجا کے پادری کی طرف گیا جو اُس کے ہی خاندان کا ایک فرد اور اُس کے شوہر کا دوست بھی تھا۔ پادری کو عیسائی آبادی میں ایک جج جیسی حیثیت حاصل تھی۔ اشبیلیہ کے شاہی دربار میں بھی اُس کی عزت تھی اور شاہی

Marfat.com

تقریبات کے موقع پر اُسے مدعو کیا جاتا تھا۔ ان باتوں کو سوچتے ہوئے اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ پادری سے اوفوش کی تمام حرکتوں کو بے کم و کاست بتائے اور مستقبل میں اعتماد کو اوفوش سے محفوظ کرنے کی ضمانت مانگے۔

عیسائی مذہب میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی گنہگار گرجا میں جا کر لارڈ پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرے تو وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور گناہ گار یہ سمجھ لیتا ہے کہ اپنے گناہوں سے پاک ہو گیا۔ اعتماد کی ماں نے سوچا تھا کہ وہ بیٹی کے ہاتھ سے قتل ہونے والے اجنبی کا قصہ بھی پادری سے بیان کرے گی مگر اس کے لئے اُسے بیٹی سے مشورہ لینا بھی ضروری تھا اس لئے وہ کئی ہفتوں تک تذبذب میں گرفتار رہی۔ اُسے یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اگر اُس نے اعتماد کو بتایا کہ وہ اس کے مستقبل کی حفاظت کے لئے پادری کا تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے تو اعتماد کہیں اُسے منع نہ کر دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعتماد میں جو خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے اس میں کمی واقع ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے ''اقبالِ قتل'' کے مسئلے کو ملتوی کر دیا۔

اگلی اتوار کو اعتماد کی ماں کسی کے گھر جانے کا بہانہ کر کے گرجا پہنچ گئی۔ وہ ایک عرصہ بعد گرجا گئی تھی۔ کرسمس کے موقع پر بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے وہ پادری سے ملاقات نہ کر سکی تھی۔ پس نماز کے بعد جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو اعتماد کی ماں پادری سے ملاقات کے لئے اُن کے کمرے میں گئی۔ وہ پادری کے دوست کی بیوی تھی۔ پادری اُس سے بڑے تپاک سے ملا اور اُس کے نہ آنے کا شکوہ کیا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد اعتماد کی ماں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔

''محترم فادر...... مجھے ایک سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

''تم میری بہن ہو۔'' پادری نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔ ''مجھے اپنے دوست کی بیوی کی مدد کر کے بہت خوشی ہو گی۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ جس وقت بھی تمہیں کسی کام کی ضرورت پڑے، تم فوراً میرے پاس چلی آنا۔''

''فادر! آپ اوفوش کو ضرور جانتے ہوں گے۔'' اعتماد کی ماں نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔

Marfat.com

''گھبراؤ نہیں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔'' فادر نے اُسے پریشان دیکھ کر تسلی دی۔

''میرا خیال ہے کہ تم اپنے بھتیجے کا ذکر کر رہی ہو۔ وہی اوسلو کا بیٹا؟''

''جی ہاں...... اُسی کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''کیا ہوا اُسے؟ کسی سے لڑائی جھگڑا کر بیٹھا؟''

''کسی اور سے جھگڑا کیا ہوتا تو میں آپ کے پاس نہ آتی۔ فادر! اُس نے ہم ماں بیٹی کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ بات تو اب عزت تک آ گئی ہے۔''

''ارے اُس کمبخت کی یہ جرأت۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ ایسا دماغ ٹھیک کروں گا کہ تمہارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہے گا۔'' فادر نے زور دے کر کہا تو اعتماد کی ماں کا دل خوش ہو گیا۔

''فادر! میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ اپنے دوست کے انتقال کے بعد بھی ہم لوگوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔'' بڑی بی کی آنکھیں بھر آئیں۔ شوہر کے غم نے اُسے نڈھال کر رکھا تھا۔

''تم کسی بات کی فکر نہ کرو بہن۔ ہاں بتاؤ، اوفوش نے کیا، کیا ہے؟''

''اوفوش نے وہ کیا ہے جو ایک شریف کو زیب نہیں دیتا۔'' اعتماد کی ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے بڑے جوش سے کہا۔ ''آپ نے میری بیٹی کو دیکھا ہے؟''

''ہاں ہاں...... میں اُسے کیسے بھول سکتا ہوں؟'' پادری نے جواب دیا۔ ''پہلے تو وہ بہت آتی تھی۔ بڑی ذہین بچی ہے۔ اُس نے یہاں سے سن سن کے سینکڑوں شعر یاد کر لئے ہیں۔ اُسے پرانے قصے سننے کا بھی شوق ہے۔ کیا تم نے اوفوش سے اُس کی شادی کر دی ہے؟''

''فادر...... آپ کیا فرما رہے ہیں؟ شادی ہوتی تو کیا آپ کو خبر نہ ہوتی؟'' اعتماد کی ماں نے بڑے دُکھ سے کہا۔ ''میں اُس کے بارے میں آپ سے فریاد کرنے آئی ہوں۔''

''گھبراؤ نہیں...... مجھے بتاؤ، اوفوش نے کیا حرکت کی ہے؟''

''فادر...... میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرا ارادہ اوفوش سے اُس کی شادی کرنے کا ہے۔'' اعتماد کی ماں نے قتل کی بات چھپاتے ہوئے کہا۔ ''میں اور رمیقیہ گھر میں اکیلے

Marfat.com

تھے۔ اکیلی بچی سے کام بھی ٹھیک سے نہ چلتا تھا۔ یہ سوچ کر میں بھائی اوسلو کے گھر چلی گئی۔ مگر وہاں اوفوش نے وہ رنگ دکھایا کہ بس میری توبہ ہے۔"

پھر رمیقیہ (اعتماد) کی ماں نے بڑی تفصیل سے اوفوش کی تمام حرکتوں سے پادری کو آگاہ کیا۔ پادری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے سر گھما کر کمرے میں آویزاں حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کو دیکھا اور تقریباً چیخ پڑا۔

"او گاڈ...... میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ کیا تیرے بندے اس قدر ذلیل ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنی عزت کی دھجیاں اُڑانا چاہتے ہیں؟ اشبیلیہ کا شاہ تیرے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔ دربار میں میری کتنی عزت ہے۔ مگر اپنے ہی آدمی ہمیں رُسوا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

پھر پادری نے اپنے سینے پر ہاتھ سے صلیب کا نشان بنایا اور رمیقیہ کی ماں سے کہا۔

"بہن! تم گھر جا کر اطمینان سے بیٹھو۔ میں اوفوش کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا۔ اگر دربار والوں کو اس بات کی ذرا بھی بھنک پڑ جائے تو پوری بستی پر قیامت ٹوٹ پڑے۔"

اعتماد کی ماں فادر کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گئی۔ اُس نے اعتماد سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

اوسلو کئی دن سے بیمار تھا۔ وہ ہر اتوار کو گرجا جایا کرتا تھا مگر آج اُس کی طبیعت کچھ ایسی مضمحل تھی کہ اُس سے اُٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ اوفوش سے بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ آج اُس کے بدلے گرجا چلا جائے۔ مگر اوفوش جیسے لفنگے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ مذہبی پابندیوں میں اُلجھے۔ اُس کے لئے اتوار، پیر سب دن برابر تھے۔ اُس نے باپ سے صاف انکار کیا کہ نہ تو وہ گرجا جائے گا اور نہ اُسے اس قسم کی پابندیوں سے کوئی دلچسپی ہے۔ باپ بیٹے میں یہ جھک جھک، بک بک ہو رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر آواز دی۔ اوفوش اس قدر بدذات تھا کہ اُس نے باپ کی بیماری کا بھی خیال نہ کیا اور اُس سے کہا کہ وہ باہر نکل کے دیکھے کہ کون آیا ہے۔ اوسلو کراہتا ہوا باہر گیا اور جب واپس آیا

Marfat.com

تو اس کے ساتھ گرجا کا ایک چوکیدار تھا۔ اسے دیکھ کر اوفوش کا رنگ اڑ گیا۔ چوکیدار اپنے کام کے علاوہ قاصد کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ گرجا کا فادر (پادری) جب کسی مبینہ ملزم کو طلب کرتا تو اس طلبی کا پیغام لے کر یہی چوکیدار آتا تھا۔

اوفوش دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں اوسلو کی آواز پہنچی۔

''اوفوش! تمہیں فادر نے طلب کیا ہے۔''

گرجا سے کسی کی طلبی وہی معنی رکھتی تھی جیسے آج کل کسی کو تھانے سے طلب کیا جائے۔ اندلس کی بعض مسلم ریاستوں میں عیسائی بستیوں کے گرجا، تھانہ کا کام کرتے تھے۔ مسلمان حکمران خواہ مخواہ عیسائی بستیوں کے معاملات میں دخل نہ دیتے تھے۔ ہر گرجا کے پادری کو قانون نافذ کرنے اور سزا دینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

اوفوش کی گرجا سے طلبی اس کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے اوسلو کو دیکھا۔ وہی اوسلو جس سے وہ گرجا جانے سے انکار کر رہا تھا مگر اب چوکیدار کی موجودگی میں بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔

''بابا! آپ کو بلایا ہوگا فادر نے۔'' اوفوش گڑگڑایا۔

اوسلو نے چوکیدار کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ اس کا جواب دے۔ چوکیدار شاید اوسلو کا مطلب سمجھ گیا۔

''اوفوش تمہارا نام ہے۔'' چوکیدار نے اوفوش کو مخاطب کیا۔

''ہاں میرا نام ہے اوفوش۔'' اوفوش کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''تمہیں فادر نے بلایا ہے۔'' چوکیدار نے جیسے شاہی اعلان دہرایا ہو۔

''مگر میں، میں نے کیا کیا ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔''

جادو سر چڑھ کے اس طرح بولتا ہے۔ اوفوش اپنے گناہوں کا اعتراف خود ہی کر رہا تھا۔ اوسلو گھبرا گیا۔ اس نے گھور کے بیٹے کو دیکھا۔

''کیا بک رہا ہے کمبخت تجھے کون قصوروار ٹھہرا رہا ہے۔ پتہ نہیں فادر نے کیوں طلب کیا ہے۔ جلدی سے تیار ہو کے جا۔''

''ہاں ہاں...... ابھی جا رہا ہوں بابا۔''

Marfat.com

اوفوش حواس باختہ ہو رہا تھا۔ ''میں نے کوئی انکار کیا ہے۔''

''ابھی نہیں۔'' چوکیدار نے دخل دیا۔ ''نماز کے بعد میں تمہیں فادر کے سامنے پیش کروں گا۔ تم گرجا میں موجود رہنا۔''

''کیوں نہیں میں نماز سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ نماز بھی تو مجھے پڑھنا ہے۔''

چوکیدار اطلاع دے کر چلا گیا۔ اُوفوش ایک طرف بھیگی بلی بنا کھڑا تھا۔ اور اوسلو سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ اوفوش کی طلبی کس سلسلے میں ہوئی ہے۔ پہلے اس کا خیال اجنبی کے قتل کی طرف گیا۔ مگر قتل کا انکشاف کس نے کیا۔ اس راز سے صرف چار آدمی واقف تھے۔ رمیقیہ اس کی ماں یہ راز کھول نہیں سکتی تھی۔ اس نے کسی سے بتایا نہیں تو کیا اوفوش نے۔

اوفوش، اوسلو زور سے چیخا۔

اوفوش اچھل پڑا۔ چوکیدار نہ آیا ہوتا تو شاید اوفوش باپ کے اس لہجے پر احتجاج کرتا اور شاید بد کلامی پر اتر آتا مگر گرجا کی طرف طلبی نے اس کے تمام کس بل نکال کے رکھ دیئے تھے۔

''تم بھی مجھ سے ناراض ہو بابا۔''

اوفوش نے اس لجاجت سے کہا کہ اوسلو کا دل پسیج گیا اور اس کی پدرانہ شفقت عود کر آئی۔ پس اس نے بڑے افسوس سے کہا۔

''اوفوش تیری حرکتوں نے یہ دن دکھایا ہے۔ کہیں تو نے شراب کے نشہ میں کسی کے سامنے کچھ بک تو نہیں دیا؟''

''نہیں بابا میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ برے کاموں سے میں نے توبہ کر لی ہے۔ شراب پینا کم کر دی ہے بابا۔'' اوفوش صفائیاں پیش کرنے لگا۔

''پھر تجھے فادر نے کیوں طلب کیا ہے؟'' اوسلو نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔

''بابا! کہیں رمیقیہ نے تو......''

''چپ رہ بد بخت...... مت لے اپنی گندی زبان سے اُس کا نام......'' اوسلو غصے سے کانپنے لگا۔ ''تو نے اسے کھو کے اچھا نہیں کیا۔ مجھ سے بہن بھی چھوٹ گئی۔''

Marfat.com

''بابا!'' اوفوش اس کے پیر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ مجھے معاف کر دو۔

اس نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اوفوش اٹھ کے دوسرے کمرے میں گیا اور گرجا جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس پر کچھ ایسا خوف طاری تھا کہ نماز سے بہت پہلے تیار ہو کر باپ کے پاس آیا۔ اوسلو اب تک اسی جگہ بیٹھا تھا۔ اس کے غصے میں بھی کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔

اوفوش نے بڑے سلیقے سے کہا۔

''بابا!......''

اوسلو نے سر اٹھا کر اوفوش کو دیکھا اور پھر نظریں نیچی کر لیں۔

''بابا...... کیا میری مدد نہ کرو گے؟'' اوفوش بہت سہا ہوا تھا۔

''تیری مدد...... شیطان کی کون مدد کرتا ہے؟''

''میرے ساتھ گرجا چلو بابا۔''

''میں کیوں چلوں۔ فادر نے تجھے بلایا ہے۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''تجھے اس وقت ڈر نہیں لگا جب تو نے رمیقیہ کے سر سے چادر کھینچی تھی؟''

''غصہ تھوک دو بابا...... میں تمہارا اکیلا بیٹا ہوں۔'' اوفوش نے اتنے درد بھرے لہجے میں کہا اوسلو کا دل پگھلنے لگا۔

''بس مجھے اس بار بچا لو۔''

''کیسے بچا لوں اوفوش پتہ نہیں فادر نے تجھے کیوں بلایا ہے۔'' اوسلو فکر مند ہو گیا۔

''فادر مجھے نہیں جانتا وہ رمیقیہ کے باپ کا دوست ہے تو اپنی پھوپھی کو ساتھ لے جا۔''

''ان کے پاس کس منہ سے جاؤں۔ پھر کیا پتہ انہوں نے میرے خلاف مقدمہ کیا ہو۔'' اوفوش ہاتھ ملنے لگا۔

''میں صرف تیرے لیے دعا کر سکتا ہوں اوفوش'' اور اوسلو نے ایک آہ بھری۔ ''بو کیا ہے اسے خود بھگت۔'' اور اوسلو نے صاف انکار کر دیا۔

اوفوش باپ کی طرف سے مایوس ہو کر بڑبڑاتا ہوا گھر سے نکلا۔ دوسرے لوگ بھی

Marfat.com

گرجا جا رہے تھے۔ یہ ان کے ساتھ ہولیا۔ گرجا پہنچ کے اسے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ گرجا کے گیٹ پر ایک پہریدار کھڑا تھا۔ وہ اندر جانے والی عورتوں کو روک رہا تھا۔ یہ عجب بات تھی۔ گرجا میں مرد اور عورتیں ایک ساتھ نماز میں شامل ہوتے اور فادر کا وعظ سنتے تھے مگر آج کسی عورت کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ عورتیں مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ رہی تھیں۔ مرد پہریدار کو گھیرے ہوئے تھے۔ وہ پہریدار سے اس نئی پابندی کا سبب دریافت کر رہے تھے۔ اوفوش آپ ہی آپ گھبرا گیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ پابندی اس کی وجہ سے لگائی گئی ہے۔ فادر اسے کوئی ایسی سزا دے گا جسے دیکھنے سے عورتوں کو روکا گیا ہے مگر اوفوش کو اس وقت کچھ اطمینان ہوا جب پہریدار نے تنگ آ کر اعلان کیا۔

''آج دوسرے شہروں سے بڑے بڑے فادر تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے فادر نے جگہ کی قلت کے پیش نظر آج عورتوں کو اندر آنے سے منع کر دیا ہے۔''

پہریدار کا یہ اعلان واضح نہ تھا۔ لوگوں نے سوالات شروع کر دیئے۔ پہریدار نے جواب دینے کے بجائے گرجا کا گیٹ بند کر دیا۔ لوگوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ وہ نماز کے لیے آئے تھے۔ عورتوں کی وجہ سے وہ نماز اور وعظ کی برکت سے محروم ہو رہے تھے۔ انہوں نے گیٹ کے برابر کی کھڑکی سے پہریدار کی خوشامد شروع کر دی۔ پہریدار نے کچھ دیر بعد گیٹ دوبارہ کھول دیا۔

لوگ چپ چاپ اندر آ گئے۔ کسی نے احتجاج نہیں کیا۔ اوفوش کی سمجھ میں یہ منطق نہیں آ رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ گرجا ہال اس قدر لمبا چوڑا ہے کہ اس میں اگر بستی کے تمام لوگ آ جائیں تو بھی جگہ خالی رہے گی مگر اوفوش نے اس نکتہ پر زیادہ غور نہیں کیا۔ اس کے اطمینان کے لیے یہی کیا کم تھا کہ اس پابندی کا اس کی سزا سے کوئی تعلق نہ تھا۔

خلاف امید ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ اوفوش کو بڑا تعجب ہوا مگر اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ باہر سے آنے والے راہبوں کا فادر نے پوری بستی میں اعلان کرا دیا ہے۔ اور یہ جم غفیر اس کا نتیجہ تھا۔ اوفوش کو نماز یا وعظ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کا مقصد تو نماز کے بعد فادر سے اپنے جرائم کی فہرست اور سزا کا سننا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح نماز میں شامل

Marfat.com

رہا۔ پھر ایک ایک کر کے ہال کے دروازے بند ہونا شروع ہو گئے۔ لوگ پریشان ہو ہو کر ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

اس وقت فادر نے اسٹیج سے حاضرین کو مخاطب کیا۔

''اے خداوند یسوع مسیح اور کنواری مریم کے پرستارو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ دروازے اس لیے بند کیے جا رہے ہیں کہ اس وقت تمہارے سامنے جو مسئلہ پیش کیا جا رہا ہے اس کی اطلاع ہوا کے ذریعہ باہر بھی نہ نکلنا چاہیے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہی خواتین کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تم سب کو تمہارا فادر حکم دیتا ہے کہ تم اپنے اپنے دل میں قسم کھاؤ گے کہ اس جگہ تم جو کچھ آنکھوں سے دیکھو اور کانوں سے سنو گے اس کا ایک لفظ بھی کسی غیر تک نہ پہنچنے دو گے کیونکہ اسی میں تمہاری اور اس گرجا کی سلامتی ہے۔''

سب لوگ بڑی توجہ سے فادر کی تقریر سن رہے تھے۔ کچھ دیر بعد فادر کے حکم سے ہال کے تمام لیمپ اور مشعلیں روشن کر دی گئیں حالانکہ یہ دن کا وقت تھا اور دروازے بند ہونے کے باوجود ابھی ہال میں اتنی روشنی تھی کہ حاضرین کے چہرے آسانی سے پہچانے جا سکتے تھے۔ اسٹیج پر سب سے زیادہ روشنی تھی اور ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ پھر فادر کے قریب ایک اور راہب آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سفید لمبے چوغے میں ملبوس تھا اور اُس کے سر کے گرد ایک پٹی بندھی تھی۔ راہب کے سینے پر چاندی کی ایک بڑی سی صلیب لہرا رہی تھی۔

فادر نے کہا۔

''اب میری بات سب لوگ توجہ سے سنیں اور کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کو کوئی وضاحت چاہیے تو وہ بعد میں ملاقات کر سکتا ہے۔''

ہال پر پہلے ہی سکوت طاری تھا۔ فادر کی آواز پر اتنا سناٹا چھا گیا کہ ہال پر قبرستان کا شبہ ہوتا تھا۔

''اے اشبیلیہ کے تثلیث پرستو! طلیطلہ کا شہنشاہ الفانسو ہمارا ہم مذہب اور بھائی ہے۔'' فادر نے سانس لے کر بات جاری رکھی۔ کچھ دن پہلے طلیطلہ کا ایک عہدیدار جس

Marfat.com

نے اپنی خدمات کے صلہ میں حکومت کا ایک اعلیٰ اعزاز حاصل کیا تھا وہ ایک سرکاری کام سے اشبیلیہ آیا تھا مگر وہ اشبیلیہ آ کر غائب ہو گیا ہے۔ اس پر کیا افتاد پڑی۔ اس کا کسی کو علم نہیں شہنشاہ اس کی گمشدگی سے بہت پریشان ہیں۔ انہوں نے اشبیلیہ کے تثلیث پرستوں سے اپیل کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ گمشدہ عہدیدار کے بارے میں انہیں معلومات فراہم کی جائیں۔ اس سلسلے میں شہنشاہ نے اعلان کیا ہے کہ معلومات فراہم کرنے والے کو ایک لاکھ درہم کا انعام دیا جائے گا۔ شہنشاہ نہ صرف ایسے شخص کے شکر گزار ہوں گے بلکہ اس کا طلیطلہ میں استقبال کیا جائے گا اور اسے ایک معقول جاگیر کا نذرانہ بھی عطا ہو گا۔''

کسی اور نے چاہے اس اعلان پر توجہ نہ دی ہو لیکن اوفوش جو ہال کی درمیانی صفوں میں موجود تھا اس کے کان فوراً کھڑے ہو گئے۔ اس کے دل سے فوراً آواز اٹھی کہ ہو نہ ہو وہ اہم شخص جس کے لیے شہنشاہ الفانسو اس قدر بے تاب ہے ضرور وہی اجنبی شخص تھا جو رمیقیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مگر وہ اب کیا کرے۔ اگر وہ اس کے قتل کا انکشاف کرتا ہے تو کیا قاتل سمجھ کر گرفتار نہ کر لیا جائے گا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اوفوش کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہ تھا جو وہ اپنے دعوے میں پیش کر سکتا۔ مگر ایک لاکھ کا انعام اور جائداد کا تصور اسے پاگل کئے دے رہا تھا۔

اس وقت اسٹیج پر کوئی چیز چمکی اور اوفوش کی حیرت سے نظریں پھیل گئیں۔ فادر کے ہاتھ میں سونے کا وہ تمغہ چمک رہا تھا جسے اوفوش نے اپنے باپ کے پاس دیکھا تھا مگر وہ تحفہ فادر کے پاس کیسے پہنچا۔ اس کے باپ نے تو اسے اس بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ اوفوش اسی فکر میں تھا کہ فادر کی آواز پھر اُبھری۔

فادر تمغہ کو لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''طلیطلہ کے اس عہدیدار کا قد لانبا۔ جسم مضبوط اور رنگ گورا تھا۔ اس کے گلے میں اس طرح کا تمغہ پڑا ہوا تھا۔ جو شخص اس کا پتہ لگائے گا یا اس کے بارے میں معلومات فراہم کرے گا اسے وہ تمام انعامات عطا کئے جائیں گے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔''

شبہ کا اب کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اوفوش کی نظروں میں مقتول کی لاش گھوم گئی

Marfat.com

جسے اس نے گڑھا کھود کر رمیقیہ کے گھر میں دبایا تھا مگر کیا وہ انعام کا مستحق ہو سکتا ہے؟ یہ سوال بار بار اوفوش کے دماغ پر ہتھوڑے مار رہا تھا۔ اسی گھڑی فادر نے ایک اور انکشاف کیا۔

''گمشدہ عہدیدار کے پاس ایک چھوٹی کمان اور ترکش بھی تھا۔ کمان اس قدر مختصر تھی کہ اسے لبادے کے اندر آسانی سے چھپایا جا سکتا ہے۔''

اوفوش کا سر گھومنے لگا۔ ایک طرف اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس پورے مجمع میں صرف وہی ایسا شخص ہے جس کے سینے میں وہ تمام معلومات پوشیدہ ہیں جن کے لیے اتنا بھاری انعام مقرر کیا گیا ہے مگر دوسری طرف خوف کے لہراتے سانپ اسے ڈرا رہے تھے۔ اپنے انکشاف پر اوفوش بھی قاتل سمجھا جا سکتا تھا۔

خیالات کے ہجوم سے اوفوش کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب ہال کے دروازے کھلے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ فادر نے طلیطلہ سے آنے والے راہب کو بھی اپنے مہمان خانے میں بھیج دیا تھا اور ہال میں سوائے فادر اور اوفوش کے اور کوئی دوسرا نہ رہ گیا تھا۔

فادر نے اوفوش کو اکیلے کھڑا دیکھا تو وہ سمجھا شاید اوفوش اس سے ملاقات کا منتظر ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اوفوش کے قریب آیا۔ اوفوش اب تک گم صم کھڑا تھا۔ اسے فادر کے قریب آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

فادر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اوفوش نے چونک کے فوراً تعظیم کے لیے اپنا سر جھکا دیا۔

''اوفوش میں آج تم سے نہیں مل سکتا۔'' فادر نے نرمی سے کہا۔

''مگر فادر......'' اوفوش اپنے خیالوں میں کچھ اور ہی کہنا چاہتا تھا مگر فوراً سنبھلا اور چپ رہا۔

''ہاں اوفوش...... میرے پاس مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تم سے پھر کسی دن بات ہو گی۔'' فادر کا لہجہ بہت نرم تھا۔

''فادر آپ کے مہمان سے میں بھی ملنا چاہتا ہوں۔'' اوفوش نے جرأت کی۔

Marfat.com

فادر نے اوفوش کو حیرت سے دیکھا۔ ''تم کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''مجھے کچھ وضاحت چاہئے ان سے فادر......''

''کس بارے میں وضاحت چاہتے ہو؟''

''طلیطلہ کے اس عہدے دار کے بارے میں جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔''

''اچھا......'' فادر نے بہت کھینچ کے کہا۔ جس سے اس کی خوشی ظاہر ہوتی تھی۔ ''کیا تم اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکتے ہو اوفوش؟''

''شاید......''

''بہت خوب......'' اور فادر نے فوراً شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''اوفوش اگر تم نے میرے مہمان کی مدد کی تو یوں سمجھو کہ تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

اوفوش کا دل بڑھ گیا۔ ''فادر...... آپ نے مجھے کس لئے طلب کیا تھا؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔'' فادر نے بات بنائی۔ ''بس ذرا رمیقیہ کا خیال رکھنا، اسے پریشان کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں فادر۔''

''میں نے تمہارے وعدے پر اعتبار کیا۔ اب تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔''

''فادر، آپ نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔'' اوفوش خوش ہو گیا۔ ''میں بہت پریشان تھا کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا غلطی ہو گئی جو فادر نے مجھے طلب کیا ہے۔''

''جوانی میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں اوفوش۔'' فادر نے اُسے پُرسکون کرنے کے لئے کہا۔ پھر ذرا رک کر بولے۔ ''اوفوش، مجھے تم سے پوچھنا تو نہیں چاہئے مگر شاید تم یہ بتانے میں تکلف نہیں کرو گے کہ کیا تمہارے پاس واقعی ایسی معلومات ہیں جن کے ذریعہ ہم طلیطلہ کے گمشدہ عہدیدار تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''شاید فادر......'' اوفوش نے پھر اپنا جواب دہرایا۔

''دیکھو اوفوش!'' فادر نے اُسے لالچ دی۔ ''اگر تم نے یہ کام کر دیا تو ہم لوگوں کا شہنشاہ طلیطلہ پر بڑا احسان ہو گا۔ تمہیں نقد انعام بھی ملے گا اور میں تمہیں طلیطلہ بھجواؤں گا تاکہ تم جاگیر حاصل کر کے عیش و آرام کی زندگی گزارو۔ یہاں کے تمام جھگڑوں سے

Marfat.com

تمہیں نجات مل جائے گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟''

''کیا میں طلیطلہ کے راہب سے مل سکتا ہوں؟'' اوفوش نے جیسے فادر کی بات سنی ہی نہیں تھی۔''

''ضرور...... چلو میرے ساتھ۔ میں ابھی تمہیں ملائے دیتا ہوں۔'' فادر نے بڑی محبت سے اوفوش کا بازو پکڑ لیا۔

''فادر......'' اوفوش نے آہستہ سے اپنا بازو چھڑایا۔ ''پہلے میں فادر......''

''ٹھیک ہے اوفوش۔ میں نے تمہاری آسانی کے لئے کہا تھا۔ اگر تم راہب سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہم تو مسئلہ کا حل چاہتے ہیں۔ میرے برابر کے تیسرے کمرے میں چلے جاؤ۔ راہب وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں اور تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔'' فادر نے کھلے دل سے اوفوش کو سمجھایا اور وہ کمرے کی طرف چلا گیا۔

''اگر واپسی میں، میں آپ سے مل نہ سکوں تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔'' اوفوش نے بھی قدم بڑھایا۔ ''فادر، بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو پہلے ظاہر نہیں کی جاسکتیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو سب کچھ بتاؤں گا مگر وقت آنے پر۔''

''کوئی بات نہیں اوفوش! میں تمہارے معاملے میں بالکل دخل نہ دوں گا۔ لیکن تمہیں بھی میری عزت کا خیال رکھنا ہوگا۔'' فادر نے پلٹ کر اوفوش سے تنبیہ کے انداز میں کہا۔

''آپ کی عزت میری عزت ہے فادر۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

فادر اپنے کمرے میں چلے گئے اور اوفوش، راہب کے کمرے پر پہنچا۔ اوفوش کو یہ دیکھ کر ذرا حیرانی ہوئی کہ وہاں راہب کے بجائے کوئی اور دو آدمی بیٹھے تھے۔ اُس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں طلیطلہ کے راہب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہو بیٹے؟'' دراز قد آدمی نے بڑی نرمی سے کہا۔

''اُس عہدیدار کے سلسلے میں جس کے لئے انعام کا اعلان ہوا ہے۔''

''آؤ، آؤ۔ اندر آ جاؤ۔'' دونوں آدمی کھڑے ہو گئے اور اُسے حیران نظروں

Marfat.com

سے دیکھنے لگے۔

''راہب صاحب کہاں ہیں؟'' اوفوش نے بے چینی سے کہا۔

دراز قد مسکرایا۔ ''میں ہوں بیٹے۔ وہ دیکھو میرا راہبانہ لباس رکھا ہے۔ میں صرف گرجا جاتے ہوئے چوغہ پہنتا ہوں اور فرصت کے اوقات میں عام لوگوں کا لباس استعمال کرتا ہوں۔''

اوفوش کی بے چینی ختم ہوگئی۔ راہب کے اشارے پر اوفوش اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اب راہب میں بے چینی پیدا ہوئی۔

''بیٹے، تمہارا کیا نام ہے اور اس سلسلے میں تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''فادر!'' اوفوش نے سنبھل کر کہا۔ ''اگر میں نے آپ کو مکمل معلومات فراہم کر دیں تو مجھے انعام کس طرح ملے گا؟ مجھے آپ کی زبان پر بھروسہ ہے مگر مجھے ضمانت بھی چاہئے۔''

''میں ہر طرح کی ضمانت دینے پر تیار ہوں۔'' راہب نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''مگر یہ شرط ہے کہ تم جو معلومات فراہم کرو اس کا ثبوت بھی ہونا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے فادر۔ آپ ایک لاکھ کی رقم میرے سامنے رکھئے، میں طلیطلہ سے آنے والے اجنبی کے بارے میں آپ کو سب کچھ بتانے پر تیار ہوں۔'' اوفوش نے خاص تاجرانہ انداز اختیار کیا۔

''مجھے منظور ہے۔ لیکن تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ تم کہو گے وہ صحیح ہوگا؟'' راہب جو دراصل دربارِ طلیطلہ کا ایک مشہور جاسوس تھا وہ بھی اپنا پوری طرح اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔

''میں کل ثبوت لے کر آؤں گا۔ رقم مجھے تیار ملنی چاہئے۔'' اوفوش جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' راہب نے شرط منظور کر لی۔ ''ہاں، یہ تو بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟''

''اوفوش۔''

''اوفوش، ایسا ثبوت ہونا چاہئے جس کے ذریعہ ہم جلد سے جلد اپنے آدمی تک پہنچ

Marfat.com

جائیں۔“

اوفوش جاتے جاتے رُک گیا۔ ”فادر! آپ کے اعلان میں اس بات کا کوئی ذکر نہ تھا۔“

”کس بات کا اوفوش؟“

”یہی کہ میں آپ کو آپ کے آدمی تک پہنچانے کا بھی ذمہ دار ہوں گا۔“ اوفوش نے صاف صاف کہہ دیا۔

”کوئی بات نہیں۔ تم ثبوت لے کے آؤ، ہم خود اُسے ڈھونڈ نکالیں گے۔“

”مگر وہ......“

”ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے اوفوش۔ ہم کو صرف یہ ثبوت ملنا چاہئے کہ ہمارا آدمی اشبیلیہ پہنچا تھا۔ آگے ہمارا کام ہے۔“

اور اوفوش سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

اُسی رات اوفوش پھر راہب سے ملنے آیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ ایک لاکھ درہم کا ڈھیر اُس کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔ راہب کے پاس اُس وقت چار پانچ آدمی اور بیٹھے تھے۔ اوفوش انہیں دیکھ کر ہچکچایا۔

راہب نے اُسے تسلی دی۔

”اوفوش! فکر نہ کرو۔ یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ تم ان کے سامنے گفتگو کر سکتے ہو۔“

اوفوش اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سونے کا چمکتا ہوا تمغہ راہب کے سامنے رکھ دیا۔ راہب اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

”بے شک تم سچے ہو اوفوش۔ یہ تمغہ ہمارے آدمی کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔“

”فادر، میں اس تمغے کی اہمیت بھی جانتا ہوں۔ یہ شہنشاہ طلیطلہ کا وہ انعام ہے جو کسی شخص کو اُس کے کسی اہم کام کے سلسلے میں دیا جاتا ہے۔“

اوسلو نے اوفوش کو یہی بتایا تھا جو اوفوش نے اپنی اہمیت جتانے کے لئے اُگل دیا۔

”تم بہت کام کے آدمی ہو اوفوش۔“ راہب نے اوفوش کی خوشامد کرنا شروع کر

Marfat.com

دی۔ تمہارے جیسے آدمی کو تو شہنشاہ کے دربار میں ہونا چاہئے۔"

اوفوش اور پھول گیا۔ اُس نے کپڑے کا ایک بنڈل کھولنا شروع کیا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ کپڑا کھلا تو دیکھنے والوں کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔ کپڑے میں اُس نے اُس ترکش کو باندھا تھا جو قتل کے وقت رمیقیہ کے کمرے سے اوسلو کو ملا تھا۔ یہ دونوں چیزیں اوسلو نے ایک صندوق میں چھپا رکھی تھیں جہاں سے اوفوش چرا کے لے آیا تھا۔

"اب تو آپ کو یقین ہو گیا کہ میری اطلاعات صحیح ہیں۔" اوفوش نے سینہ پھلا کر کہا۔

"مگر وہ ہے کہاں؟ جلد بتاؤ اوفوش۔ ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔"

"فادر، یہ بات آپ کے اعلان میں شامل نہیں۔ آپ مجھے بتانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" اوفوش نے پینترا بدلا۔ "میری اطلاعات درست ثابت ہوئیں اس لئے میں انعام کا حقدار ہوں۔"

"انعام تمہارا کہیں نہیں جاتا اوفوش، وہ تمہیں ضرور ملے گا۔" راہب نے نرمی سے کہا۔ "ہمیں تم صرف یہ بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟ اگر وہ قید خانہ میں ہے تو بھی ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ میں اکیلا نہیں آیا ہوں۔ بیس آدمی میرے ساتھ ہیں۔ ہم اپنے ساتھی کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"محترم فادر......" اوفوش نے بے بسی سے کہا۔ "آپ کا ساتھی آپ کی پہنچ سے دُور ہو چکا ہے۔ اگر طلیطلہ کا تمام لشکر بھی آ جائے تو بھی آپ اُسے نہیں پا سکتے۔ اُس راستہ پر دنیا کی کوئی طاقت نہیں جا سکتی جس راستہ سے طلیطلہ سے آنے والا اجنبی گیا ہے۔ آپ کی ہر کوشش ناکام اور بیکار ہو گی۔"

"اوفوش، اگر تم ہماری مدد نہیں کرنا چاہتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے۔" راہب نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ "اس وقت میرے ساتھ صرف بیس آدمی ہیں۔ مگر اشبیلیہ کی سرحد پر طلیطلہ کا ایک پورا دستہ میری مدد کے لئے چھپا ہوا ہے۔ تم ہمیں صرف وہ جگہ اور راستہ بتا دو جہاں ہمارا ساتھی موجود ہے۔"

"فادر، میں بتاؤں آپ کو؟" اوفوش سوچ میں پڑ گیا۔ "اگر میں اس راز سے پردہ اٹھاتا ہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور شاید وہ انعام دینے سے بھی انکار کر

Marfat.com

دیں گے جس کے لئے میں جدوجہد کر رہا ہوں۔''

''اوفوش......'' فادر نے بڑے پیار سے کہا۔ ''اگر یہ کوئی راز ہے تو تمہیں اس سے میری خاطر پردہ اٹھانا ہوگا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس معاملے میں، میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہا ہوں؟ دراصل یہ میری موت اور زندگی کا معاملہ ہے۔ شہنشاہ نے مجھے اس حکم کے ساتھ اشبیلیہ بھیجا ہے کہ میں حکومت کے اس عہدیدار کو زندہ یا مردہ طلیطلہ واپس لاؤں۔ کیونکہ اُس کے سینے میں حکومت طلیطلہ کے بڑے بڑے فوجی راز ہیں۔ اگر وہ راز اشبیلیہ والوں کے ہاتھ لگ گئے تو ہماری حکومت کو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔''

''فادر! اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا ساتھی طلیطلہ کا کوئی راز ظاہر نہیں کرے گا تو کیا میری بات کا یقین کریں گے؟''

''مجھے تمہاری ہر بات کا یقین ہے اوفوش۔'' فادر نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے وہ ایک محبِ وطن انسان ہے۔ لیکن راز اُگلوانے کے ہزاروں طریقے ہیں۔ ممکن ہے اشبیلیہ والے کسی طریقے سے کامیاب ہو جائیں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ اگر میں خالی ہاتھ طلیطلہ واپس گیا تو شہنشاہ مجھے قتل کرا دے گا۔ یہی اُس کا حکم ہے۔ اب میری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے اوفوش! کیا تم مجھ پر رحم نہ کرو گے؟''

''فادر!'' اوفوش مضمحل ہو کر بولا۔ ''آپ کی حالت تو مجھ سے زیادہ کربناک ہے۔ جہاں تک سرکاری رازوں کا سوال ہے اس کے لئے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمام راز اُس کے ساتھ ہی دفن ہو گئے ہیں۔ نہ وہ خود اُگل سکتا ہے اور نہ کوئی اُگلوا سکتا ہے۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا اوفوش؟'' فادر گھبرا کے اوفوش کو دیکھنے لگا۔

''مطلب یہ ہے کہ آپ کا ساتھی اب اس دنیا میں موجود نہیں۔''

''کیا وہ مر گیا ہے؟''

''بس یہی سمجھ لیجئے فادر۔''

''مجھ پر ترس کھاؤ اوفوش۔'' فادر کی حالت غیر ہونے لگی۔ ''شہنشاہ کو میں کس طرح باور کراؤں گا کہ وہ مر چکا ہے؟ کچھ تفصیل بتاؤ۔ کوئی ثبوت مہیا کرو تاکہ میں شہنشاہ کو مطمئن کر کے اپنی جان بچا سکوں۔''

Marfat.com

''آپ ثبوت میں یہ تمغہ اور ترکش پیش کر سکتے ہیں۔'' اوفوش نے اپنی ذہانت دکھائی۔ ''جہاں تک ثبوت کا تعلق ہے اس کے لئے میری خدمت حاضر ہے۔ میں شہنشاہ کے سامنے بیان دینے کو تیار ہوں۔''

فادر خوش ہو گیا۔

''اوفوش! کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا اوفوش۔''

''میں چلنے پر آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ آپ میری زندگی کی ضمانت دیں۔''

''تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔ تم تو میری طرف سے شاہد کی حیثیت سے پیش ہو گے۔''

''فادر...... میری جان کو آپ کی جان سے زیادہ خطرہ ہے۔''

''وہ کس طرح اوفوش؟''

اوفوش کی نظروں میں کچھ خوفناک ارادے بھی شامل ہو گئے۔ اُس نے فادر کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''فادر مجھے اس لئے خطرہ ہے کہ میں نے آپ کے ساتھی کے قتل کا حال اب تک اپنے سینے میں پوشیدہ رکھا ہے اور اس کی لاش کو خود میں نے گڑھا کھود کے مٹی میں دبایا تھا۔''

''اوفوش! تم...... تم نے اُسے قتل کر دیا؟ مگر کیوں؟ اُس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ وہ بد بخت تو اپنی بہادری دکھانے اور شہنشاہ سے دوسرا تمغہ حاصل کرنے کے لئے اشبیلیہ کے ولی عہد ابوالقاسم کو قتل کرنے آیا تھا۔ تمہاری اُس سے کیا دشمنی تھی؟'' فادر اپنے غصہ اور غم میں وہ تمام باتیں بک گیا جو اوفوش کے لئے بالکل نئی تھیں۔ اجنبی کے اشبیلیہ آنے کا سبب اُسے آج معلوم ہوا تھا۔ فادر غلطی سے اُسے قاتل سمجھ بیٹھا تھا۔

اوفوش نے فوراً تردید کی۔

''فادر! میں اپنے ہم قوم کو قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُس کا قتل رمیقیہ کے ہاتھ سے ہوا تھا۔''

''یہ کون ہے اوفوش؟'' فادر نے فوراً سوال کیا۔

''رمیقیہ میری رشتہ کی بہن، میری منگیتر اور میری بے وفا محبوبہ ہے۔'' اوفوش نے

Marfat.com

بڑے غصہ سے بتایا۔ ''اگر مجھے اُس کی بے وفائی کا پہلے علم ہو جاتا تو میں اُس کی کوئی مدد نہ کرتا بلکہ اُس کے خلاف شہادت دے کر اُسے سولی پر چڑھوا دیتا۔''

''اوفوش، کیا تمہاری بہن کو علم تھا کہ جسے وہ قتل کر رہی ہے وہ اس کا ہم قوم ہے، عیسائی ہے؟''

''اُسے معلوم تھا فادر!'' اوفوش کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اور انتقامی جذبات اُس کی آنکھوں سے جھلکنے لگے۔ ''رمیقیہ نے ہم سے جھوٹ بولا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ آپ کا ساتھی اُس کے گھر میں زبردستی گھس آیا اور اُس نے رمیقیہ پر مجرمانہ حملہ کی کوشش کی۔ گھر میں صرف رمیقیہ کی ماں تھی۔ ان دونوں نے مل کے اُسے قتل کر دیا۔ مجھے اُس کی بات کا یقین آ گیا اور میں نے اُس کے جرم کو چھپانے کے لئے گھر کے اندر ہی گڑھا کھود کے اُسے دفن کر دیا۔ بعد میں رمیقیہ کی مکاری مجھ پر کھل گئی۔ مگر میں زبان نہ کھول سکا کیونکہ میں نے اس کے جرم کی معاونت کی تھی۔''

''تم نے اپنی بے وفا محبوبہ کو قتل کیوں نہیں کر دیا؟'' فادر نے اوفوش کے غصہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

''میں رمیقیہ کے مقابلے میں بہت کمزور دل ہوں فادر۔'' اوفوش نے اپنی بزدلی پر پردہ ڈالا۔ ''ہمارا یعنی اشبیلیہ کا فادر رمیقیہ کی حمایت کرتا ہے۔ رمیقیہ کا باپ اور ہمارا فادر ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد فادر ہی رمیقیہ کا سرپرست سمجھا جاتا ہے۔ اس نے مجھے سختی سے تاکید کی ہے کہ اگر رمیقیہ کو کوئی نقصان پہنچا تو میری خیر نہ ہو گی۔''

''کیا اشبیلیہ کے فادر کو اس قتل کی خبر ہے؟''

فادر کے اس سوال پر اوفوش گھبرا گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ اشبیلیہ کے فادر کو اس جرم میں شریک کرے یا الگ رکھنے میں اُس کا فائدہ ہے۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اُس نے کہا۔

''اُنہیں اس قتل کے بارے میں کوئی علم نہیں ورنہ وہ مجھ سے پہلے ہی آپ کو سب کچھ بتا چکے ہوتے۔''

Marfat.com

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اوفوش!'' فادر نے اُس سے اتفاق کیا۔''اب یہ بتاؤ کیا تم اپنی بے وفا محبوبہ سے انتقام لینا چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں فادر...... اگر آپ میری پشت پر ہاتھ رکھیں تو میں رمیقیہ کا گلا اپنے ہاتھ سے دباؤں گا۔ اُسے قتل کی سزا بھی مل جائے گی اور میرے دل میں انتقام کی بھڑکتی آگ بھی سرد پڑ جائے گی۔''

''ایک بار پھر سوچ لو اوفوش!''

''میں نے سوچ لیا ہے فادر۔''

''مگر اس سلسلے میں تمہیں ہمارا ہاتھ بٹانا ہوگا'' فادر نے سوچتے ہوئے کہا۔''ہم دو چار دن میں سب انتظام کرلیں گے۔ پھر تم ہم سے ملنے آنا۔''

چلتے وقت فادر نے اوفوش کو دو تھیلیاں دیں۔ یہ تھیلیاں سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اوفوش کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

Marfat.com

آج پھر شہزادہ ابوالقاسم وادی الکبیر کی سیر کو نکلا تھا۔ چار ماہ پیشتر اُس پر جو تیر پھینکا گیا تھا اسے شہزادہ بالکل فراموش کر چکا تھا۔ حسب معمول ولی عہد کے دونوں یار غار ابن عماد اور ناظر بھیس بدلے ہوئے اُس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے چل رہے تھے۔ ناظر نے شہزادے پر تیر چلانے والے کی جو تلاش شروع کی تھی اس میں ناکام ہو کر اب خاموشی اختیار کر لی تھی۔ سب کے چہرے مسرت سے کھلے ہوئے تھے۔ شہزادے نے گیارہ سال کی عمر میں شہر ''شلب'' کو فتح کیا تھا۔ اس کی تفصیل وہ مزے لے لے کر ابن عماد اور ناظر سے بیان کر رہا تھا۔ دونوں شہزادے کی بہادری کی داد دے رہے تھے۔ خوشگوار ہوا کے جھونکے دریا کے پانی میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے اور سطح آب پر ننھی ننھی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔

ولی عہد شہزادہ اٹکھیلیاں کرتی ہوئی لہروں کے نظارے سے بڑا متاثر ہوا۔ اُس نے گھوڑا روکا، دریائے وادی الکبیر پر نظریں جمائیں، پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اور پھر جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو لہروں کا وہ منظر شہزادے نے ایک مصرعہ میں بند کر دیا۔

مفہوم: ''نسیم سطح آب کی پریوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔''

یہ بڑا خوبصورت مصرعہ تھا۔ ہوا اور لہروں کی آنکھ مچولی کو شہزادے نے ایک مصرعہ میں ڈھال دیا تھا۔

ناظر بڑا صاحب ذوق تھا۔ وہ مصرعہ سن کر پھڑک اُٹھا۔ مگر شہزادے کی نظریں ابن عماد پر لگی تھیں۔ ان نظروں کا مقصد ابن عماد اور ناظر خوب سمجھتے تھے۔ ابن عماد بڑے پایہ کا شاعر تھا اور مصرعہ پر مصرعہ لگانے میں کمال رکھتا تھا۔ ادھر شہزادے کے منہ سے کوئی مصرعہ نکلا اور ادھر ابن عماد نے دوسرا مصرعہ لگا کر جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا۔ مگر اس شام

Marfat.com

پتہ نہیں ابن عماد کی طبیعت موزوں نہ تھی اور وہ کسی خاص فکر میں اُلجھا ہوا تھا۔ شہزادہ دوسرے مصرعہ کا بے چینی سے منتظر تھا اور ابن عماد سے مصرعہ نہ لگ رہا تھا۔

''ابن عماد!''

ناظر نے اُسے چھیڑا۔''ہاں شاباش، لگ جائے مصرعے پر مصرعہ۔ ایسا ہی خوبصورت اور جاندار۔''

مگر ناظر کی کوشش بیکار گئی۔ اُس کو حوصلہ دینے کے باوجود ابن عماد دوسرا مصرعہ نہ کہہ سکا۔ ناظر گھبرا گیا۔ اُس نے شہزادے کے چہرے پر ناگوار سائے دیکھ لئے تھے۔ ناظر نے شہزادے کا مصرعہ دہرایا کہ شاید اب ابن عماد کا ذہن موزوں ہو جائے مگر ابن عماد پھر بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ ناظر نے منہ لٹکا لیا اور شہزادے کے ماتھے پر تیوریاں بل کھانے لگیں۔

مگر اسی وقت کسی طرف سے ایک آواز بلکہ سریلی آواز اُبھری۔

''نسیم سطح آب کی پریوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے

اور پریوں کے شوخ قدموں نے سطح آب کو پھولوں کی سیج میں بدل دیا ہے''

شہزادے کے مصرعہ پر دوسرا مصرعہ اس قدر با معنی اور لطیف تھا کہ اُس نے نہ صرف منظر میں تمام رنگ بھر دیئے بلکہ پہلا مصرعہ اور چمک اٹھا۔

ہر ایک زبان پر سبحان اللہ کا نعرہ آ گیا۔ پھر سب کی نظریں اُس جانب اُٹھ گئیں جدھر سے یہ آواز آئی تھی۔

سب نے دیکھا کہ شوخ و شنگ اور نوخیز حسینہ خچر پر سوار ایک جھاڑی کی آڑ سے نکل کر دوسری طرف جانے کے لئے خچر بڑھا رہی ہے۔

شہزادہ ابوالقاسم جسے اُس کا باپ ''معتمد'' کے نام سے پکارتا تھا، اس ماہ پیکر کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور عالم خود رفتگی میں اُس کا گھوڑا اُس شعلہ جوالہ کے قریب پہنچ گیا۔

حسینہ نے خچر روک کر شہزادے کی طرف دیکھا اور شہزادے کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔

حسینہ نہ جانے کیوں شرما گئی اور اُس کی نظریں زمین کی طرف جھک گئیں۔

''اے پیکر جمال! تیرا کیا نام ہے؟'' شہزادہ جیسے ایک کیف میں ڈوب گیا تھا۔

''اے جوان! اگرچہ تیرے سوال میں گستاخی کا پہلو موجود ہے مگر مجھے تیرے سوال کی

Marfat.com

نغمگی مجبور کر رہی ہے کہ میں جواب دوں۔'' اُس پیکر جمال نے بڑی جرأت اور بے باکی سے کہا۔ ''مگر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔ میں جواب پر اس لئے مجبور نہیں ہوں کہ تو مسلمان نظر آتا ہے اور تیرا تعلق برسر اقتدار قوم سے ہے اور میں عیسائی ہونے کی وجہ سے تیری محکوم ہوں۔ جواب دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو اپنی طبیعت کے گداز کو شعر میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تیرا کہا ہوا مصرعہ اس کا کھلا ثبوت ہے۔''

اتنا کہہ کر نصرانی دوشیزہ نے ایک بار پھر بھرپور نظروں سے شہزادے کو دیکھا۔

نظروں کے اس تصادم نے شہزادے معتمد کو مدہوش سا کر دیا۔

شہزادے نے اسی کیفیت میں کہا۔

''اے نور ونکہت کی دیوی! تیرے مصرعہ کا گداز زیادہ قابل ستائش ہے۔ پھر بھی میں اس تعریف کا شکر گزار ہوں۔ مگر تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

حسینہ گھبرا گئی۔ وہ شہزادے کی مردانہ وجاہت میں کچھ ایسی کھو گئی تھی کہ اُسے بالکل یاد نہ آیا کہ اُس سے کیا پوچھا گیا ہے۔ اُس نے تھکی نظروں سے سوال کرنے والے کو دیکھا مگر ان تھکی نظروں میں احمق حسینہ کا احساسِ شکست بھی کروٹیں لینے لگا تھا۔

شہزادہ اس حُسنِ بے پرواہ اور بیباک سے بڑا مسرور ہوا مگر اُس نے حُسن کی دیوی کو زیادہ پریشان نہ ہونے دیا۔

''دیوی، میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔''

دیوی کی عظمت اُس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

''معزز جوان!'' دیوی نے بھی اپنے مخاطب کی عظمت کا اعتراف کر لیا۔ ''میرا باپ جب تک زندہ رہا مجھے ''اعتماد'' کے نام سے پکارتا تھا۔ مگر ماں مجھے رمیقیہ کہنے پر بضد تھی۔ اب اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہوں۔''

''رمیقیہ''

ابن عماد نے جس کا گھوڑا شہزادے کے گھوڑے کے برابر کھڑا تھا، رمیقیہ کے نام کو بڑی حیرت سے دُہرایا۔ ابن عماد کو دراصل علم انساب اور تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُس نے اُندلس کے قدیم فرمانرواؤں کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ رمیقیہ کے نام پر وہ

Marfat.com

اس لئے چونکا تھا کہ اس نام کی کئی شہزادیاں اُندلس کے قدیم بادشاہوں کے زمانہ میں گزری تھیں۔ 92ھ میں یعنی 711ء میں جب فاتح اُندلس طارق بن زیاد نے بحر روم کی لہروں پر اپنی کشتیوں کو نذرِ آتش کر کے اُندلس میں قدم آگے بڑھائے تھے اس وقت اس عظیم ملک پر شہنشاہ ''راڈرک'' کی حکومت تھی۔ راڈرک کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا، وہ صرف سپہ سالار تھا۔ اُس نے اپنے آقا شہنشاہ ویٹرا جو تاریخ میں غبطیشہ کے نام سے مشہور ہے کے خلاف سازش کر کے اُسے معزول کر کے خود تختِ شاہی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُس نے شہنشاہ غبطیشہ کو قتل کرا دیا مگر اُس کا بھائی ''اوپاس'' اور تین بیٹے فرار ہو گئے تھے۔

پرانے شاہانِ اُندلس کے یہ حالات ابن عماد نے پڑھے تھے۔ پس اُس نے چند لمحے رمیقیہ کو حیران نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا۔

''اگر تمہارا نام واقعی رمیقیہ ہے تو تم اُندلس کے قدیم شہنشاہ غبطیشہ کے خاندان سے ہو۔''

پہلے ابن عماد اس نام پر حیران ہوا تھا مگر اب رمیقیہ اس سے زیادہ حیران ہوئی۔ ابن عماد نے درست کہا تھا۔ رمیقیہ واقعی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور جو زمانہ کے ہاتھوں برباد ہو گئی تھی۔ پس رمیقیہ انکار یا اقرار نہ کر سکی اور اُس نے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔

رمیقیہ کا جواب نہ پا کر ابن عماد نے ایک اور بات کہہ کے رمیقیہ کو پہلے سے بھی زیادہ حیران کر دیا۔ ابن عماد نے کہا۔

''رمیقیہ، تمہاری خاموشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ میرا اندازہ درست ہے۔ اور اگر میرا یہ اندازہ درست ہے تو پھر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم شہزادی القوطیہ کی اولاد میں سے ہو۔''

رمیقیہ اسے جھٹلا نہ سکی۔ اُس نے سر جھکا کے کہا۔

''میں تمہارے علم کی تعریف کرتی ہوں لیکن میرا تعلق شہزادیوں سے جوڑنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ تم جس رمیقیہ کو دیکھ رہے ہو، اس کی مثال لالہ صحرائی کی مانند ہے جو اندھیرے میں ٹمٹماتے چراغ کی طرح روشن ہے۔ اس چراغ سے نہ کاشانے جگمگا سکتے ہیں اور نہ یہ شمعِ محفل کا کام دے سکتا ہے۔ میرے اندر چھپی ہوئی رمیقیہ مر چکی ہے اور

Marfat.com

میں صرف ''اعتماد'' ہوں۔''

رمیقیہ نے نثر میں شاعری کی تھی۔ شہزادہ ابوالقاسم پھڑک اُٹھا۔

''اعتماد! تم یہاں کیا کرنے آئی تھیں؟'' شہزادے نے نرمی سے پوچھا۔

''میں مویشی سواری اور بار برداری کے لئے دیتی ہوں۔ میرا ایک خچر گم ہو گیا ہے۔ اُسے ڈھونڈنے نکلی ہوں۔'' اعتماد نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنے موجودہ پیشے کا اظہار کیا۔

''تمہاری شادی ہوگئی ہے؟'' شہزادہ جیسے خواب میں بولا۔

شہزادے کے اس بے تکے سوال پر شہزادے کے دونوں مصاحب ابن عماد اور ناظر حیران رہ گئے۔ اعتماد کا چہرہ بھی گلنار ہوگیا۔ اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''میں نے ابھی اس مہکتے چمن میں قدم نہیں رکھا۔''

شہزادہ معتمد اس برجستہ جواب پر تو بالکل ہی ریشہ خطمی ہو گیا۔

''تمہارے ہم قوم بڑے بد ذوق ہیں اعتماد۔ احساسِ جمال سے بالکل خالی معلوم ہوتے ہیں۔''

''دنیا اہل دل اور اہل ذوق سے خالی نہیں۔'' اعتماد نے بے باکی سے جواب دیا۔

''مگر اعتماد کو کوئی معتمد نہ ملا۔''

یہ کہتے ہوئے اعتماد اپنے خچر کو ہنکاتی آگے بڑھ گئی اور دم کے دم میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

اعتماد چلی گئی۔ مگر اپنے پیچھے ایسا سحر چھوڑ گئی جس نے گردِ راہ دیکھنے والوں کو دیر تک مبہوت بنائے رکھا۔ شہزادے کو یوں محسوس ہوا جیسے جمالیات کے اس دھارے نے دل کے با اعتماد پشتوں کو توڑ کے رکھ دیا ہے۔

''کون تھی وہ لڑکی؟'' شہزادے نے پوچھا۔ پھر خود ہی افسوس کیا، کاش اُس نے صحرا میں کھلنے والے اس گلاب سے پتہ پوچھ لیا ہوتا۔

''عجیب بے باک لڑکی تھی۔ بڑی حاضر جواب تھی۔'' ناظر نے تبصرہ کیا۔

''حاضر جواب بھی اور حاضر دماغ بھی۔ کیا پیارے مصرعے سے مصرعہ جوڑا تھا۔''

Marfat.com

ابن عماد اُس کی شاعری کا قائل ہو گیا تھا۔

شہزادے نے بھی بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔ وہ بڑی مشکل سے بولا۔ ''حُسن کہیں اور کسی حال میں ہو اپنی عظمت کا اعتراف کرا لیتا ہے۔''

ابن عماد کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''شہزادے! آپ کس حُسن کے حضور نذرانہ پیش کر رہے ہیں؟''

شہزادے نے جیسے سنا ہی نہیں۔

''اعتماد کس قدر پُر اعتماد لڑکی ہے۔ ابن عماد کے مطابق وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ چاہتی تو اپنی شخصیت چھپا سکتی تھی لیکن اُس نے ماضی کے سنہرے جال کو توڑ کے کتنی بے باکی سے ایک خچر والی ہونے کا اعتراف کیا۔''

''اچھا ہوا کہ اعتماد نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔'' ناظر نے شہزادے کے دل کو ٹٹولا۔

''وہ تو خود ایک سنہرا خواب ہے ناظر! جسے صرف دیکھا ہی جا سکتا ہے۔'' شہزادہ بے ساختگی میں کہہ گیا۔

''خواب صرف دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں شہزادے۔ انہیں پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ بکھر جاتے ہیں۔'' ابن عماد نے یوں کہا جیسے کوئی ڈوبنے والے کو ہاتھ پکڑ کے طوفانی موجوں سے بچانے کی کوشش کرے۔

شہزادے ابوالقاسم نے بھی اس مسئلہ پر زیادہ گفتگو مناسب خیال نہ کی اور صرف ایک سنہرا خواب آنکھوں میں سجائے واپس چلا گیا۔

اعتماد جب گھر پہنچی تو اُس کی آنکھوں میں بھی کچھ ایسے ہی خواب سجے تھے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اُس کی ماں لکڑی ٹیک کے کھڑی ہوئی اور اعتماد کو گھورتے ہوئے بولی۔

''رمیقیہ!''

رمیقیہ نے فوراً احتجاج کیا۔ ''ماں، مجھے اعتماد کہا کرو۔ میں نے شہزادی بننے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔''

''اچھا چل، اعتماد سہی۔'' بڑی بی نرم ہو گئیں۔ سچ بتا، تو آج کس سے ملی تھی؟''

اعتماد ٹھٹک گئی۔

Marfat.com

''ماں، کیا تمہیں اپنی اعتماد پر اعتماد نہیں رہا؟''

''یہ بات نہیں اعتماد۔ میں نے بس یونہی پوچھا تھا۔'' اور پھر بڑی بی نے یونہی پوچھنے کی خود ہی تفسیر بتائی۔ ''بیٹی! جوانی کی ترنگ وہ بلا ہے کہ جسے ایک بار چمٹ جائے تو سارا خون چوسے بغیر نہیں چھوڑتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تیرے قدم بہک گئے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتی کہ تو ننھی نادان ہے۔ مگر تو جوان ضرور ہے اور جوانی داناؤں کو نادان بنا دیتی ہے۔ بڑے بڑے اس دھارے میں بہہ کر جہنم کے سمندر میں پہنچ جاتے ہیں۔ تو اگر افسردہ آتی تو مجھے کوئی فکر نہ ہوتی۔ مگر یہ تیرا کھلتا ہوا چہرہ اور آنکھوں سے پھوٹتی ہوئی مسکراہٹیں مجھے کچھ اور سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں۔''

اعتماد کے دل میں نہ جانے کدھر سے ایک چور گھس آیا تھا۔ مگر یہ چور کون تھا؟ اجنبی جوان نے اُسے متاثر ضرور کیا تھا مگر اس سے اس کا کیا واسطہ؟ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور اجنبی سے سرِ راہے ملاقات اُڑتی ہوئی دُھول کی مانند ہے۔ مگر وہ گھبرا کیوں رہی ہے؟

اعتماد نے دل مضبوط کیا اور کہا۔

''ماں، یقین کرو۔ میں کسی ایسے ویسے آدمی سے نہیں ملی۔''

''تیرا یقین کرنا ہی پڑے گا اعتماد۔'' ماں شکستہ آواز میں بولی۔ ''بوڑھے آدمیوں کے خیالات بوڑھے ہی ہوتے ہیں مگر بیٹی، بوڑھوں کے اندازے غلط نہیں ہوا کرتے۔ ان میں بالوں کی سفیدی کے ساتھ موسموں کے نرم و گرم کا نچوڑ بھی ہوتا ہے۔''

اعتماد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ماں کے سامنے واقعی چھوٹی سی بچی ہے۔ بوڑھی نظریں دل کے نہاں خانوں تک پہنچ گئی تھیں۔ مگر اعتماد اب تک مدافعتی سہارے تلاش کر رہی تھی۔

''ماں...... مجھے آج وہ ملا تھا۔''

''کون ملا تھا؟'' ماں چونک پڑی۔

''وہی اوفوش۔ بدمعاش، بدکار۔'' اعتماد منہ بنانے لگی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' ماں کے دل میں کھد بد ہونے لگی۔

Marfat.com

''مجھ سے کیا کہتا......'' اعتماد نے کمر پر ہاتھ رکھ کر سینہ تان لیا۔ ''اُس میں اب آنکھ ملانے کی جرأت بھی نہیں رہی۔ مجھے دیکھتے ہی کترا کے دوسرے راستے نکل گیا۔''

''چلو...... خاک ڈالو اُس پر۔'' ماں نے اطمینان کا سانس لیا اور لکڑی دیوار کے سہارے کھڑی کر کے بیٹھ گئی۔

''ماں! آج خوب تماشہ ہوا۔''

''کیا ہوا؟'' بڑی بی پھر چونکیں۔

''میں خچر پر جا رہی تھی۔ تین سوار ایک جگہ گھوڑے روکے شعر و شاعری کر رہے تھے۔''

''سڑک کے کنارے شاعری کر رہے تھے؟ اس کا کیا تک ہے؟'' ماں کو جیسے ناگوار گزرا۔

''وہ مسلمان تھے ماں۔ اُن کی حکومت ہے، وہ جو چاہیں کریں۔''

''ایسا نہ کہو اعتماد۔ مسلمانوں کی حکومت میں ہم ان عیسائیوں سے زیادہ خوش اور محفوظ ہیں جہاں عیسائیوں کی اپنی حکومت ہے۔ یہاں نہ ہم بیگار میں پکڑے جاتے ہیں اور نہ ہم سے ہماری محنت کی کمائی چھینی جاتی ہے۔''

''چھوڑو ماں، کیا باتیں لے بیٹھیں۔'' اعتماد اُکتا رہی تھی۔

ماں مسکرائی۔ ''اچھا بتا، پھر کیا ہوا؟''

''ہاں ماں۔'' اعتماد خوش ہو گئی۔ ''پھر ان سواروں میں سے سب سے زیادہ خوشرو جوان نے سطح آب پر اٹھتی ہوئی لہروں پر ایک خوبصورت مصرعہ کہا اور اپنے ساتھی سے دوسرا مصرعہ لگانے کی فرمائش کی۔''

اعتماد نے رُک کے ماں کو دیکھا۔ ''تم سن رہی ہو ماں؟''

''بڑے غور سے سن رہی ہوں اعتماد، تو کہے جا۔''

''ماں! مصرعہ سنتے ہی میرے دماغ میں دوسرا مصرعہ آ گیا۔''

''اور پھر تو نے دوسرا مصرعہ اُنہیں سنایا۔ اُنہوں نے تیری بہت تعریف کی۔ یہی ہوا نا؟''

اعتماد بھونچکا رہ گئی۔ ''ماں! ہوا تو یہی تھا۔ مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''اسے تو چھوڑ اور یہ بتا کہ جس جوان نے پہلا مصرعہ کہا تھا اُس کی شکل و صورت

Marfat.com

کیسی تھی؟'' بڑی بی مسکرائے جا رہی تھیں۔

''بہت خوبصورت تھا ماں۔ سرخ و سفید رنگ، لانبا قد، ہنستا چہرہ اور آنکھیں۔''

''آنکھوں میں قدرے نیلاہٹ تھی اور اُس کی مردانہ زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔'' بڑی بی نے اعتماد کا تصوراتی پیکر مکمل کر دیا اور پھر اعتماد حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں کھانے لگی۔

''ماں! کیا تم اُسے جانتی ہو؟ تم نے اُسے دیکھا ہے؟'' اعتماد آہستہ آہستہ خود پر قابو پا رہی تھی۔

''نہ جانتی ہوں نہ پہچانتی ہوں مگر ایک بار پھر کہتی ہوں، بوڑھوں کے اندازے غلط نہیں ہوا کرتے۔''

اعتماد اُلجھنے لگی۔ ماں نے جس طرح اُس خوبرو جوان کے پیکر کی تکمیل کی تھی اس میں ذرا برابر فرق نہ تھا۔

''ماں! تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ تم ایک ہی وقت میں انکار بھی کرتی ہو اور اقرار بھی۔ میں آخر کیا سمجھوں؟''

''اعتماد! اگر کچھ سمجھنا ہے تو پھر صرف یہ سمجھو کہ تم اعتماد سے پھر رمیقیہ بننے والی ہو۔'' ماں نے پورے یقین سے کہا۔ ''کاش میں تمہیں رمیقیہ بنتے دیکھنے کے لئے زندہ رہ سکوں۔'' بڑی بی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''کیا کہہ رہی ہو ماں؟'' اعتماد غمگین ہوگئی۔ ''تم زندہ ہو اور زندہ رہو گی۔ اپنے لئے نہیں تو میرے لئے زندہ رہنا ہے۔''

اعتماد کی ماں نے شاید ٹھیک کہا تھا۔ اُس نے دل سے اُٹھتی ہوئی یہ تمنا جس پر ممتا کی دُعاؤں کا سنہرا روپہلا رنگ چڑھا تھا، حالات کے پردوں میں دفن ہو کر رہ گئی تھی۔ اعتماد اُس دن اس قدر خوش تھی کہ رات کے کھانے کے بعد بھی اُس نے ماں کو باتوں میں لگائے رکھا۔ اُس کی تمام گفتگو کا مرکز اور محور آج شام دریائے کبیر کے کنارے اجنبیوں سے ملاقات تھا۔

گفتگو کے دوران اعتماد نے بڑے فخر سے بتایا۔

Marfat.com

''ماں! جب میں نے اُنہیں بتایا کہ میرا نام اعتماد ہے مگر میں رمیقیہ کے نام سے پکاری جاتی ہوں تو ان میں سے ایک نے مجھے پہچان لیا۔''

بڑی بی گھبرا گئیں۔ ''پہچان لیا...... کیسے پہچان لیا؟''

''اُس نے رمیقیہ کا نام سنتے ہی کہا کہ تم القوطیہ کی اولاد ہو اور تمہارا تعلق غبطیشہ کے خاندان سے ہے۔'' اعتماد کا فخر، غرور کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے اندر شہزادیوں جیسا طنطنہ جھلک رہا تھا۔

القوطیہ نام کی پہلی مشہور خاتون اُندلس کے معزول شہنشاہ غبطیشہ کی پوتی اور شہزادہ المقد کی بیٹی تھی۔ مسلمانوں سے تعاون کے صلہ میں طارق بن زیاد نے شہزادہ المقد کو جنوب مغربی اُندلس میں ایک سو جاگیریں عطا کی تھیں۔ المقد کی وفات پر یہ جاگیریں اُس جلیل القدر شہزادی کو ملی تھیں۔ شہزادی اپنے چچا ارطباش کے خلاف دعویٰ دائر کرنے کے لئے اُندلس سے دمشق پہنچی تھی اور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اُس کی فوراً داد رسی کی تھی۔ رمیقیہ اُس شہزادی القوطیہ کی اولاد تھی اور گردش زمانہ کے تھپیڑوں نے اُسے خچر والی بننے پر مجبور کر دیا تھا۔

اعتماد کی ماں سوچوں میں گم ہو گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا۔

''تیری باتیں میرے اندازوں کو تقویت دیتی ہیں۔ وہ بڑا عظیم عالم ہے جس نے مسلمان ہوتے ہوئے ہمارے تباہ شدہ خاندان کے حالات کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا ہے۔''

''ماں! کیا میں شہزادی نہیں معلوم ہوتی؟'' اعتماد مسلسل ماں کو چونکا رہی تھی۔ دراصل اُس کے اندر چھپی ہوئی شہزادی سامنے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اعتماد، حالات پر نظر رکھو۔ حالات بنتے بگڑتے ہی رہتے ہیں۔''

ماں نے اُسے زیادہ سہارا نہ دیا ورنہ اُسے نظر آ گیا تھا کہ اعتماد سے اتفاقیہ ٹکرانے والے لوگ یقیناً بڑی اہمیت کے مالک تھے۔ اگر اعتماد نے اس خوبصورت جوان سے کوئی اُمید باندھ لی تھی تو وہ اس میں حق بجانب تھی۔

اعتماد کی باتوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آ رہا تھا۔ ماں نے بڑی مشکل سے اُسے سلایا اور خود بھی بستر سے کمر لگائی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ بڑی بی تو بستر پر لیٹتے

Marfat.com

ہی سو گئیں۔ اعتماد کچھ دیر کروٹیں بدلتی رہی، پھر میٹھے خوابوں کی آغوش میں پہنچ گئی۔

دونوں کی نیند ابھی پکی بھی نہ ہوئی تھی کہ کمرے کا دروازہ زور سے ہلا اور اس میں ایسی چرچراہٹ ہوئی کہ اعتماد کی ماں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ دروازہ اب تک لرز رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹوٹ کے گر جائے گا۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ طاق میں رکھا ہوا چھوٹا سا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ماں کی نظریں دروازے پر لگی تھیں۔ اُس کی سمجھ میں یہی آیا کہ زلزلہ آ گیا ہے۔ اُس نے پاس لیٹی ہوئی اعتماد کو زور سے ہلایا۔

''اُٹھو اعتماد! بھونچال آیا ہے۔''

مگر جوانی کی نیند...... اعتماد نے ہوں ہوں کر کے کروٹ بدلی اور پھر بے سُدھ ہو گئی۔ ماں بڑبڑائی۔

''خاک پڑے ایسی نیند پر۔ پورا گھر ہل رہا ہے اور اس کی آنکھ ہی نہیں کھلتی۔''

اس کے ساتھ ہی دروازے کا ایک پٹ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور ماں کی ایک ہلکی چیخ نکل گئی۔ اس چیخ نے اعتماد کو بھی جگا دیا۔ دو گرانڈیل آدمی جن کے منہ کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، دروازے کے کھلے ہوئے پٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔

اعتماد ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک آدمی اُس کی ماں کی طرف لپکا اور اُس کے منہ پر اس زور کی لات ماری کہ بڑی بی لڑھکیاں کھاتی زمین پر آ رہیں۔ اعتماد نے جلدی سے تکیے کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے نیچے اُس کا خنجر رکھا ہوا تھا۔ مگر دوسرے آدمی نے اُس کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پھر اس زور کا دھکا دیا کہ اُس کا سر دیوار سے ٹکرایا۔

اعتماد کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔ اُس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی مگر چکرا کے گری اور بے ہوش ہو گئی!

جب اُسے ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بند گاڑی میں پڑی ہے۔ اُس نے طے کیا کہ جب تک گاڑی نہ رُکے گی وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرے گی۔ اُسی وقت گاڑی کا پردہ ایک طرف سے ہٹایا گیا۔

''نیچے اُترو۔'' کسی نے بھاری آواز میں حکم دیا۔

حکم دینے والا اوفوش تھا۔ اُس کی آنکھوں سے نفرت اور غصہ ٹپک رہا تھا۔ اعتماد سراپا

Marfat.com

موم ہو گئی۔

''میرا جسم بہت درد کر رہا ہے اوفوش!''

اعتماد نے ایسی اپنائیت سے کہا کہ اوفوش حیران رہ گیا۔

''مکار رمیقیہ! تو اسی سلوک کی مستحق تھی۔'' اوفوش نے غصہ سے کہا۔

''اوفوش! تم نے کسی سے محبت کی ہوتی تو محبت کے ان زاویوں کو سمجھتے۔ تم نے ایک دن بھی اُس راستے پر چلنا گوارا نہ کیا جو راستہ مجھ تک آتا تھا۔ مجھے گھور گھور کے کیوں دیکھ رہے ہو؟ میرا جوڑ جوڑ دُکھ رہا ہے۔ مجھے سہارے کی ضرورت ہے اوفوش۔''

اور اوفوش کے ہاتھ لاشعوری طور پر اعتماد کی طرف اُٹھ گئے۔

''اوفوش! اب میں تمہارے قابل نہیں رہی۔ مگر اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ تم نے ایک جنگلی کتا مجھ پر چھوڑا تھا اس نے میری ہڈیاں چچوڑی ہوں گی۔''

''نہیں رمیقیہ! میں نے تمہارے جسم پر کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔''

اعتماد کے چہرے پر مسکراہٹ کی کلیاں کھل اٹھیں۔

''اوفوش! تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ میری روح تمہیں ہمیشہ دُعائیں دے گی۔''

یہ کہتے ہوئے اعتماد نے اپنے ہاتھ آگے کی طرف بڑھا دیئے اور اوفوش کے سہارے سے گاڑی سے اُتر آئی۔ گاڑی کو چاروں طرف سے سواروں نے گھیر رکھا تھا۔

طلیطلہ سے مقتول عیسائی عہدیدار کی تلاش میں آنے والا راہب اس پڑاؤ تک اوفوش کے ساتھ آیا تھا۔ رمیقیہ کو گرفتار کر کے وہ بہت خوش تھا۔ اسی خوشی کے عالم میں وہ بے تاب ہو کر اکیلا ہی طلیطلہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا تا کہ شہنشاہ کو قاتلہ کی گرفتاری کا مژدہ پہلے ہی سنا دے۔ وہ طلیطلہ کے فوجی دستے کی کمان بھی اوفوش ہی کے حوالے کر گیا تھا۔

ادھر اعتماد نے اوفوش کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔ اُس نے نائب کو بلا کر بتایا کہ قاتلہ کی طبیعت خراب ہے۔ اگر سفر جاری رکھا گیا تو اس کے مر جانے کا امکان ہے اس لئے آرام ضروری ہے۔ پس وہ لوگ پڑ کے ایسے سوئے کہ صبح تک کسی نے کروٹ نہ بدلی۔ پھر جب صبح ہوئی تو یہ عقدہ کھلا کہ اوفوش اور وہ قاتلہ جسے اشبیلیہ سے پکڑ کے لائے تھے وہ دونوں کے دونوں اپنے خیموں سے غائب ہیں۔ اوفوش کا گھوڑا بھی موجود

Marfat.com

نہ تھا۔ اوفوش کا نائب سخت پریشان تھا۔ شام تک انہوں نے اوفوش کی واپسی کا انتظار کیا، پھر دل گرفتہ اور دل شکستہ ہو کر خالی ہاتھ طلیطلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اعتماد بھڑوں کے چھتے سے نکل آئی تھی۔ لیکن ابھی ایک بھڑ اوفوش کی صورت میں اُس سے چمٹی ہوئی تھی۔ وہ ایک پیڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھی اور فوراً ہی خراٹے لینے لگی۔ اوفوش پتہ نہیں سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔ وہ ذرا ہٹ کے لیٹا تھا۔ شاید اُس نے اعتماد کی نصیحت کے مطابق خود کو نیک بنانے کا آغاز کر دیا تھا۔ اعتماد نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور رات کے کسی حصے میں اٹھی اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ کے ایک طرف چل پڑی۔ احتیاط کے طور پر وہ اوفوش کا گھوڑا بھی اپنے ساتھ لے گئی۔

❁ ...... ❁

اعتماد کے اغوا کے تیسرے دن اُس کی بستی میں ایک شاہی بگھی داخل ہوئی۔ بگھی کے گرد شاہی باڈی گارڈ تھے جن میں شہزادے ابوالقاسم کے دونوں بھتیجے ابن عماد اور ناظر پیش پیش تھے۔ بستی کے لوگ گھبرا کے گھروں سے نکل آئے۔ قہوہ خانہ کا مالک مسٹر اسٹرنگ ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ شاہی بگھی اُس کی گلی میں داخل ہوئی تو وہ گھبرا کے باہر نکلا۔ اُس نے ناظر کو دیکھا تو دوڑ کے اُس کے سامنے پہنچا اور سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ دونوں میں کچھ سرگوشیاں ہوئیں۔ اس دوران بگھی کا جلوس رمیقیہ کے گھر پہنچ گیا۔

دراصل یہ بگھی شہزادے ابوالقاسم کے حکم سے رمیقیہ کو لینے آئی تھی۔ شہزادہ شادی شدہ تھا مگر جب شاہ کو ولی عہد کے عشق کا حال معلوم ہوا تو اُس نے مسکرا کے رمیقیہ کو شاہی اعزاز کے ساتھ القصر یعنی شاہی محل لانے کے لئے بگھی بھجوائی تھی۔

مسٹر اسٹرنگ نے رمیقیہ کے دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اُس نے گھر کا چکر لگایا۔ پھر باڑے کی دیوار پھاند کر اندر گیا۔ مگر کوئی موجود نہ تھا۔ مگر رمیقیہ کی ماں کے دروازے سے بدبو کا ایک بھبکا اُس کی طرف آیا۔ اُس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اُس نے نیم تاریک کمرے کا جائزہ لیا اور گھبرا کے باہر آ گیا۔ رمیقیہ کی ماں کی لاش چارپائی کے ایک طرف پڑی تھی۔

''یہ کس کی لاش ہے؟'' ناظر نے سوال کیا۔

Marfat.com

''حضرت رمیقیہ بانو کہاں ہیں؟'' ابن عماد کو لاش سے زیادہ رمیقیہ کی فکر تھی۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں جناب!'' خوف کے ساتھ ساتھ اسٹرنگ کو یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ رمیقیہ کے قتل یا موت میں کہیں اُسے نہ گرفتار کر لیا جائے۔

ابن عماد جھلا گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ پوری بستی کو گھیر کر گھر گھر تلاشی لی جائے اور رمیقیہ کی ماں کے قاتل کو فوراً گرفتار کیا جائے اور رمیقیہ کو عزت کے ساتھ شاہی محل پہنچایا جائے۔ اُسی وقت کوئی ضرورت مند فادر سے ملنے آیا۔ رمیقیہ ایک طرف کھڑی تھی۔ پھر جیسے ہی گیٹ کھلا، رمیقیہ بھی اُس آدمی کے پیچھے اندر آ چکی تھی۔ اُس کا دل درد و غم سے بھرا ہوا تھا، چنانچہ وہ تیزی سے آگے بڑھ کے فادر کے آگے جھک گئی۔

فادر رمیقیہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا، وہ جلدی سے اٹھا اور اس نے رمیقیہ کے جھکے ہوئے سر کو اوپر کیا اور اسے اپنے کلیجے سے چمٹا لیا۔

''رمیقیہ...... معزز رمیقیہ! یہ تم ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''ہاں فادر...... میں ہی بدنصیب رمیقیہ ہوں۔ سوائے آپ کے اس دنیا میں میرا کوئی اور سہارا نہیں فادر۔''

''ارے تم رو رہی ہو رمیقیہ...... یہ تو خوشی کا موقع ہے۔'' فادر نے اُسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ہماری زندگی بن کے آئی ہو رمیقیہ، تم عظیم ہو۔ اشبیلیہ کی سب سے عظیم خاتون۔''

یہ کہتے ہوئے فادر نے رمیقیہ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ ''اے اشبیلیہ کی ملکہ، میں تمام عیسائیوں کی طرف سے تجھے نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ قابل احترام رمیقیہ! ولی عہد شہزادہ ابوالقاسم نے آپ کو پسند کیا ہے۔ وہ آپ سے شادی کر رہے ہیں۔''

رمیقیہ گھبرا گئی۔ اُس نے کہا۔

''فادر...... میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔ یہ شہزادے کون ہیں؟ میں انہیں بالکل نہیں جانتی۔''

فادر نے جواب دیا۔ ''جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی ہوا۔ آپ کی والدہ کے قتل کے سلسلے میں ہم پر کیسی کیسی مصیبتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ گھر گھر کہرام......''

رمیقیہ آگے کچھ نہ سن سکی اور چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔ بڑی مشکل سے اُسے

Marfat.com

ہوش میں لایا گیا۔

''فادر! میری ماں کو کس نے قتل کیا؟'' رمیقیہ نے ہوش میں آتے ہی سوال کیا۔

''امکان یہ ہے کہ یہ حرکت اوفوش نے کی ہوگی۔''

رمیقیہ کے جی میں آیا کہ وہ کہہ دے کہ یہ حرکت اسی کے اشارے پر کی گئی ہوگی۔ مگر وہ خاموش رہی۔

قسمت کا کھیل دیکھئے کہ کہاں تو رمیقیہ اس گرجے میں پناہ کے لئے آئی تھی اور کہاں یہ حال تھا کہ فادر اُس کی ہر بات کو حکم سمجھ کر اس بات کی تعمیل کر رہا تھا۔ فادر نے اُس کے لئے ایک الگ کمرہ دیا اور اس کے گرد پہرہ لگا دیا۔ تھکی ہوئی رمیقیہ وہاں آرام سے سوگئی۔ جب وہ بیدار ہوئی تو فادر نے اُسے بتایا کہ شاہی دربار کے دو سردار اُس کی سلامی کو حاضر ہوئے ہیں اور اُن کے ساتھ شاہی سواری بھی ہے۔ شہزادہ ابوالقاسم نے رمیقیہ کی رہائش کے لئے ایک بڑا محل آراستہ کیا تھا۔ جس وقت رمیقیہ محل کے دروازے پر پہنچی تو شہزادہ وہاں اُس کی پیشوائی کے لئے موجود تھا۔ رمیقیہ کے ساتھ ایک شاہی کنیز بگھی سے اُتری اور اُس نے مجرا پیش کرتے ہوئے کہا۔

''شہزادہ بہادر! علیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ اُن کے خیال میں اس قدر انتشار ہے کہ اُن کی صلاحیت مفلوج سی ہوگئی ہے۔ اس لئے انہیں آرام کے لئے ایک ہفتہ عطا کیا جائے۔''

شہزادے نے یہ درخواست قبول کی اور وہ ٹھنڈی سانس لے کر دوسرے محل میں چلا گیا۔ رمیقیہ اس عالی شان محل میں سات روز تک اپنی سات کنیزوں کے ساتھ مقیم رہی۔ سوائے ان سات کنیزوں کے کسی اور کو اس کی قربت میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف ایک حافظہ قرآن ملانی صبح و شام ایک گھنٹے کے لئے اُس کے پاس آتی تھیں۔ ساتویں دن رمیقیہ نے اپنے محل میں اعلان کر دیا کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کی خبر شہزادہ کو ہوئی تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔

کچھ دنوں بعد شاہ اشبیلیہ کا انتقال ہوگیا اور شہزادہ ابوالقاسم ''المعتمد'' کے لقب سے تخت اشبیلیہ پر بیٹھا۔ اُس دن اُس نے رمیقیہ کو سیدہ کبریٰ کا لقب دیا۔ خچر چلانے والی

Marfat.com

یہ محترم لڑکی پہلے رمیقیہ سے اعتماد بنی، پھر اُس نے اعتماد سے کہا۔

''اگر اعتماد کو معتمد نہ ملتا تو اعتماد کی زندگی مکمل نہ ہوتی۔ میں شاہ کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک ذرہ ناچیز کو اتنا سربلند کیا کہ وہ خاک سے ہیرا بن گئی۔''

اس طرح اعتماد نے خود کو اس مرتبہ کا اہل ثابت کر دیا۔ اُس نے عقل و فراست کا وہ نقشہ بنایا کہ سب کے چراغ گل ہو گئے اور اس کی مخالف خواتین بھی اُسے اپنے سے بہتر تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

پس شبینہ اور سوداگر نے الگ الگ شاہ معتمد کے پاس دستی خطوط روانہ کیے۔ معتمد اور اعتماد نے انہیں تحریری اجازت بھیجی۔ پھر قاضی شہر نے دونوں کا نکاح پڑھا کر انہیں اعتماد اور محبت کے رشتہ میں جوڑ دیا۔ اعتماد تین سال سے زیادہ قید و بند کی تکالیف برداشت نہ کر سکی اور اپنے پیچھے سوگوار شوہر اور بیٹوں کو چھوڑ گئی۔

پھر 1095ء میں پچپن سال کی عمر میں خاندان ابو عباد کے آخری بادشاہ نے بھی جلاوطنی کے عالم میں اس دارِ فانی کو چھوڑ دیا۔ اس کی قبر پر جو کتبہ لگا ہے اس پر خود اُس کے کہے ہوئے اشعار کندہ ہیں جن کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

''اے مسافر کی قبر خدا کرے تجھے صبح و شام کا ابر سیراب کرتا رہے
اس وجہ سے کہ تو ابن عماد کے جسم پر حاوی ہے اور خدا کرے کہ تیرے دفن شخص پر خدا کی رحمتیں ہمیشہ نازل ہوتی رہیں۔''

سیدہ کبریٰ کی اشبیلیہ میں بنائی ہوئی مسجد کو کلیسا میں تبدیل کر دیا گیا۔

آج بھی اشبیلیہ کا یہ کلیسا ''جان پلما'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا سنگ بنیاد جو ایک مینارہ پر لگا تھا، اُسے اتار کر اشبیلیہ کے عجائب خانہ میں رکھ دیا گیا۔

ایسا ہی حال سیدہ کبریٰ کے بڑے لڑکے عبداللہ ابن حسن الرشید کے اُس عظیم الشان قصر کا ہوا جہاں کبھی داد و دہش کا میلہ لگتا تھا اور دعوتوں کا زور ہوتا تھا۔ لیکن آج اس کے گردا گرد گدڑی بازار لگتا ہے۔

Marfat.com

# سلطان محمود غزنوی کی پیدائش

سلطان محمود غزنوی عاشورے کی رات 357 ہجری مطابق یکم نومبر 971ء میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی کی پیدائش سے کچھ دیر پہلے سبکتگین نے خواب دیکھا کہ اس کے محل کے آتش خانے میں ایک بڑا گھنا درخت پیدا ہوا۔ وہ درخت اس قدر طویل اور عریض تھا کہ تمام دنیا کے لوگ اس کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ صبح کو جب سبکتگین بیدار ہوا تو اسے خواب کی تعبیر مل گئی۔ اور اس نے پیدا ہونے والے بچے کا نام ''محمود'' رکھا۔

محمود اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ محمود کو بچپن ہی سے اپنے باپ کے ساتھ جنگی مہمات میں شریک ہونے کا موقعہ ملا جس سے اس کی طبیعت کے جوہر کھلنے شروع ہوئے اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک نڈر سپاہی اور تجربہ کار مجاہد بن گیا۔ اس کی فہم و فراست اور شجاعت کا ثبوت اس معرکہ سے بخوبی مل جاتا ہے جو سبکتگین اور راجہ جے پال والی پنجاب کے درمیان برپا ہوا اور محمود نے بطور ایک شہزادے کے اپنے باپ کے ہمراہ اس معرکہ میں حصہ لیا۔

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ جس زمانہ میں امیر سبکتگین وسط ایشیاء اور اس کے قریب و جوار کے علاقے میں فتوحات حاصل کر رہا تھا۔ پنجاب میں اس وقت راجہ جے پال کی ایک طاقتور اور زبردست حکومت قائم تھی اور اس کی سرحدیں مشرق میں سر ہند، شمال و مغرب میں پشاور اور غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں اور شمال میں کشمیر بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ ملتان تک اس کی حکومت قائم تھی۔ اُس کا صدر مقام ''بھٹنڈہ'' تھا۔ غرض کہ راجہ جے پال کی حکومت نہایت وسیع اور مضبوط تھی۔

Marfat.com

راجہ جے پال جو رسن پال کا بیٹا اور برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ امیر سبکتگین والی غزنہ کی فتوحات کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر خوف کھانے لگا کہ کہیں امیر سبکتگین اس کی حکومت پر قبضہ نہ کر لے حالانکہ امیر کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ پنجاب کا رخ کرے۔ وہ اس وقت افغانستان اور ملحقہ علاقوں کی مہم میں مصروف تھا۔ راجہ جے پال نے توسیع سلطنت کے ذوق میں امیر سبکتگین سے سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی جو کافی عرصہ تک جاری رہی اور ان کے سرحدی علاقوں کے جھگڑوں کا سہارا لے کر راجہ جے پال کئی لاکھ سوار کئی لاکھ پیدل سپاہ اور کئی ہزار ہاتھی لے کر غزنہ پر چڑھ آیا۔

سلطان محمود اُس وقت نیشاپور میں سلطنت کے باغیوں سے نبرد آزما تھا اور جے پال نے اس موقعہ کو اپنے لیے غنیمت سمجھا اور بجلی جیسی تیزی سے لاہور سے پشاور اور پشاور سے لمغان میں رزم آزمائی کے لیے جا پہنچا۔ واضح رہے کہ پشاور سے جلال آباد تک جو علاقہ آتا ہے ان تاریخوں میں ''لمغان'' کہا گیا ہے۔ اگرچہ امیر سبکتگین کا لشکر تعداد میں بہت کم تھا اس کے برعکس مخالف فوج امیرؒ کے لشکر سے چار پانچ گنا زیادہ تھی۔ تاہم امیر کے لشکریوں کے دل بے حد مضبوط اور حوصلے بے حد بلند تھے اور سب سے بڑھ کر انہیں اپنے زور بازو کے بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا اور یہی وہ صفت تھی جس سے امیر سبکتگین کی چند ہزار فوج جے پال کی فوج کے لاکھوں سواروں اور ہزاروں ہاتھیوں کے گروہ کو قطعاً خاطر میں نہ لائی تھی۔

لمغان کا علاقہ آندھیوں اور طوفانوں کا علاقہ تھا۔ جے پال کی فوج ان دشواریوں میں چلنے کی عادی نہ تھی لہٰذا ہاتھی سپاہی اور گھوڑے اس برفانی اور پہاڑی علاقے کی سردی سے اکڑ کر مرنے لگے اور جے پال کو اپنی طاقت اور فوج کی کثرت پر جو گھمنڈ اور غرور تھا وہ ٹوٹ گیا اور اس نے امیر سبکتگین کے مقابلے میں بری طرح شکست کھائی۔ اب جے پال نے سبکتگین سے اس کی طاقت وقوت کا اندازہ کر کے کہ اسے شکست دینا غیر ممکن ہے، نہایت عجز و انکسار اور لجاجت کے ساتھ درخواست کی۔ اس نے جو غزنی پر حملہ کر کے سخت غلطی کی ہے اس کے لیے وہ اب معافی چاہتا ہے اور آئندہ کے لیے وعدہ کرتا ہے کہ تمام عمر آپ کا فرمانبردار اور طاعت گزار بن کے گزارے گا۔ اس کے علاوہ جے

Marfat.com

پال نے یہ بھی کہا کہ معافی کے صلے میں وہ بے اندازہ سونا ، چاندی، جواہرات اور دس لاکھ درہم نقد اور پچاس ہاتھی اور کئی ایک شہر اور سرحدی قلعے تاوان جنگ کے طور پر دینے کو تیار ہے اور یہ تمام چیزیں پنجاب پہنچتے ہی حضور بادشاہ کے قابل اعتماد افراد کے ہاتھ حضور شاہ کی خدمت میں بھجوائے گا اور میرے چند ایک امیر بطور یرغمال حضور کے پاس رہیں گے۔

جب امیر سبکتگین نے یہ تمام شرطیں خود جے پال کی زبانی سنیں تو ایک سچے بہادر فاتح کی طرح اسے معاف کر دیا اور جے پال کے کہنے کے مطابق اپنے چند ساتھی اس کے ہمراہ کر دیئے۔

اگر چہ اس موقعہ پر سلطان محمود غزنوی بہت کمسن تھا مگر شجاعت اور بہادری کے ساتھ ساتھ فہم وفراست سے بھی بہرہ ور تھا۔ وہ اس بات کے خلاف تھا کہ جے پال کو نہ صرف معاف ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ امیر کے چند امراء بھی پنجاب چلے جائیں۔

بس سلطان محمود نے کہا۔

''جے پال مکار اور بدعہد معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے چکر دیا ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے امراء کو جے پال کے ہمراہ نہ بھیجا جائے لیکن امیر سبکتگین نے اس سے کہہ دیا تھا اس لئے اس سے پھر جانا اس نے مناسب خیال نہ کیا اور جے پال کے ساتھ چند امرا بھیج دیئے۔

لیکن راجہ جے پال نے پنجاب پہنچتے ہی وہی کچھ کیا جس کا سلطان محمود کو پہلے ہی خطرہ تھا۔ چنانچہ جے پال نے امیر سبکتگین نے امرا کو قید میں ڈال دیا اور نئے سرے سے پھر جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ہندوستان کے تمام راجاؤں کو مسلمانوں کے خطرے سے ڈرا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ راجہ نے انہیں یقین دلایا کہ ہندو مذہب کو مسلمانوں سے سخت خطرہ ہے۔ اس طرح اس نے دوسرے راجاؤں سے ان کے خزانوں کے منہ کھلوا دیئے۔ اجمیر کالنجر اور قنوج کے راجاؤں نے روپے، پیسے اور سازو سامان اور فوجی طاقت سے اس کی دل کھول کر مدد کی۔ مختصر یہ کہ 986ء میں جے پال تین لاکھ پیادے اور سپاہ معہ جنگی ہاتھیوں کے آندھی اور طوفان کی طرح غزنی کی طرف بڑھا اور

Marfat.com

سبکتگین کو اس کی جنگی تیاریوں کا اس وقت پتہ چلا جب وہ غزنی کی طرف کوچ کر چکا تھا۔
یہ اطلاع پاتے ہی امیر سبکتگین ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ فوج لے کر جے پال کے مقابلے کے لیے اسی وقت روانہ ہو گیا۔ وہ ابھی دارالسلطنت غزنی سے کچھ ہی دور پہنچا تھا کہ جے پال کے لشکر نے اسے آ لیا۔ اور پھر وہیں یعنی لمغان کے میدان میں جنگ شروع ہو گئی۔ امیر سبکتگین نے اپنی تیغ خارا شگاف کے جب جوہر دکھائے تو جے پال کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور جے پال میدان جنگ سے بھاگ نکلا، اور بے شمار سامان جنگ اور دوسری چیزیں اپنے پیچھے میدان میں چھوڑ گیا تھا مثلاً بے شمار گھوڑے، اناج کا ذخیرہ ہاتھی، کپڑے یہاں تک کہ خود اور جوتے بھی وہ چھوڑ بھاگا تھا۔ اس مال غنیمت سے امیر سبکتگین کے نہ صرف جنگ سے پہلے کے اخراجات پورے ہو گئے بلکہ آئندہ جنگی تیاریوں کے لیے اس کے ہاتھ بے پناہ ذخیرہ آ گیا۔
ادھر سلطان محمود غزنوی کی عمر 23 سال ہو چکی تھی۔ امیر سبکتگین نے اسے خراساں کا گورنر مقرر کر دیا اور پھر ایک سال کی مدت میں اس نے اپنے زور بازو اور فضل ربی سے سیستان کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر خلیفہ بغداد نے امیر محمود کو افغانستان، سیستان اور خراساں کی سند حکومت عطا کر دی اور یمین الدولہ اور امین السلطنت کے خطابات سے نوازا۔

راجہ جے پال اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے شکست کا انتقام لینے کے لیے ابھی جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سلطان محمود کے والد امیر سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔ یہ 997ء کا زمانہ تھا۔ سبکتگین کو غزنی ہی میں دفن کیا گیا۔ اس نے 56 سال کی عمر پائی تھی۔

## تخت نشینی کی کشمکش

سبکتگین کے مرنے کے بعد اُس کا چھوٹا بیٹا اسمٰعیل، محمود کے سامنے آیا اور اس نے غزنی کی حکومت سنبھالنے کی کوشش کی۔ سلطان محمود نے بھائی سے سمجھوتہ کرنے کے لیے اسے بلخ اور خراساں کے علاقے پیش کئے مگر اسمٰعیل نہ مانا۔ آخر نوبت جنگ تک پہنچی۔
اس وقت دونوں بھائیوں کی فوجی طاقت تقریباً برابر تھی لیکن جنگی صلاحیت میں سلطان

Marfat.com

اپنے بھائی سے کہیں زیادہ سمجھدار اور سیانا تھا۔ پس جنگ ہوئی اور اسمٰعیل نے شکست کھائی۔ محمود نے اسے صرف نظر بند کر دیا۔ جس سے مقصد صرف یہ تھا کہ وہ دوبارہ امن و امان کو تباہ نہ کرے اور سکون و اطمینان سے زندگی گزارے۔

سلطان محمود ستائیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا اور تینتیس برس تک کامیاب حکومت کی۔ ابتدا میں اسے ہر چند کہ سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر یہ سب اس کے ایک حوصلہ مند جری اور بہادر ہونے کا ثبوت تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ اس کے ایک طرف کاشغر میں ایلخانی مسلمانوں کی حکومت تھی۔ دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیوں کی بخارا میں حکومت تھی جو اگرچہ اسلامی علم و ادب کی سرپرستی کرنے میں بہت مشہور تھے۔ مگر اب ان کا رویہ کمزور ہو رہا تھا تیسری سمت ویلیوں اور طبرستان کے آل زیاد کی حکومت تھی اور چوتھی طرف ''غوری'' تھے۔ غرض یہ کہ سلطان محمود ہر طرف سے گھرا ہوا تھا اور ہر خاندان یہی چاہتا تھا کہ غزنی میں اس کی حکومت ہو۔ ایسے حالات میں جبکہ ہر حکومت غزنی کی طرف لپک رہی تھی کہ راجہ جے پال نے اپنی توسیع سلطنت کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ اس نے سوچا کہ ''محمود'' اس وقت چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے اور اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے 1001ء میں پورے لاؤ لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ کر دیا۔ اس دفعہ جے پال کے ہمراہ بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی تھے۔ وہ دریائے سندھ کو پار کر کے پشاور کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سلطان محمود بمشکل تمام دس ہزار فوج لے کر پشاور کی طرف چلا۔ پشاور کے قریب ایک میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ وہ گھمسان کا رن پڑا کہ الاماں الحفیظ۔ باآخر جے پال کی فوجیں بری طرح پسپا ہوئیں جس میں پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور جے پال سمیت پندرہ بڑے بڑے سورما پکڑے گئے اور ساری فوج سامان جنگ چھوڑ کے لاہور کی طرف بھاگ نکلی۔

سلطان محمود جنگی قیدیوں کو لے کر غزنی چلا گیا۔ جے پال نے جاں بخشی کی درخواست پیش کی اور نہایت عجز و انکساری سے وعدہ کیا کہ اگر اس دفعہ اسے معاف کر دیا جائے اور میری آخری غلطی بھی نظر انداز کر دی جائے تو میں تمام عمر آپ کا احسانمند

Marfat.com

رہوں گا اور شکر گزاری کے طور پر خراج کی رقم باقاعدہ ادا کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ پنجاب کو غزنی کا صوبہ خیال کرتے ہوئے آپ کی طرف سے اپنے آپ کو گورنر تصور کروں گا۔ چونکہ سلطان محمود ابھی جوان تھا۔ صاحب دل بلند حوصلہ، عالی ظرف اور بہادر تھا۔ بالآخر جے پال کی باتوں پر اعتبار کر کے اسے چھوڑ دیا۔

جے پال نے رہائی پانے کے بعد اگرچہ غزنی پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کی تاہم اپنے آپ کو زندہ چتا میں ڈال دیا۔ چتا میں جل مرنے سے پہلے وہ اپنے بیٹے آنند پال کو وصیت کرتا گیا کہ وہ سلطان محمود کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے اور خراج کی رقم باقاعدہ ادا کرتا رہے۔

آنند پال اگرچہ بظاہر سلطان کا باجگزار بن گیا لیکن باطنی طور پر سلطانؒ کے خلاف سازشوں کے جال بننے اور ان کے راستے میں کانٹے بچھانے میں برابر لگا رہا۔ چنانچہ اب آنند پال نے مسلمانوں کو براہ راست زک پہنچانے کے بجائے ہر ایسے گروہ جماعت یا فرقے کی حمایت کر کے بالواسطہ نقصان پہنچانے کی مہم شروع کر دی۔ جو سلطان محمود کے خلاف تھیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرامطیوں کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کے استیصال کے لیے سلطان محمود کو بارہا معرکہ آرائی کرنا پڑی۔

## قرامطیوں کی اصلیت

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے لیکن باطن میں فرقہ عبداللہ اور میمون کی وضع کردہ پالیسی کے مطابق مسلمانوں کو جھوٹ موٹ کے مسلمانوں کی طرح بن کر دھوکہ دیتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ نیکی اور بدی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے نہ اس کی کوئی سزا ہے اور نہ جزا۔ زندہ رہو اور عیش کرو حرام حلال سب ڈھکوسلے ہیں۔ جو ہاتھ لگے سب کھاؤ پیو اور مزے کرو۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ درحقیقت یہ فرقہ عیسائی مبلغوں کی ایک سازش تھی اور اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی تخریب کاری اور بربادی مقصود تھی۔ لہٰذا سلطان محمود جب معرکہ پنجاب سے فارغ ہو کر اپنے ملکی انتظامات میں مصروف ہوا تو قرامطیوں نے تین

Marfat.com

سال کی مدت میں خوب قدم جمائے اور اس کے بعد قرامطیوں نے سلطان محمود کے خلاف ہندوستان کے شمالی مغرب میں سازشوں کے جال پھیلانے شروع کر دیئے۔

قرامطیوں کے کارناموں کا مختصر حال یہ ہے کہ وہ اصل کے اعتبار سے ایک ایرانی فرقہ ہے۔ جے پال کے زمانہ میں وہ وارد ہند ہوا اور آنند پال کے زمانہ میں تقویت پائی۔ قرامطیوں نے 290 ہجری میں شام کے مسلمانوں کو تباہ کیا حتی کہ 311 ھ میں کوفہ اور بصرہ کو خوب لوٹا اور ایک بد قماش آدمی ''ابو طاہر'' کو خلیفہ بنا کر مکہ کے شہر پر قبضہ کر لیا اور خانہ کعبہ سے مشہور تاریخی پتھر حجرا سود اٹھا کر لے گئے تھے جو پورے بیس برس تک ان کے پاس بصرہ میں پڑا رہا۔ آخر کار ان پر عذاب الٰہی آیا اور ان کا بیشتر حصہ ہلاکو خاں اور منگولوں کی تلواروں کی نذر ہو گیا مگر کچھ لوگ جان بچانے میں کامیاب ہو گئے اور ایران سے بھاگ کر سندھ اور بلوچستان میں آ کر آباد ہو گئے اور یہیں انہوں نے اپنے فرقہ کی تحریک دوبارہ جاری کی۔ جے پال اور ریاست بھاتنہ سے مل کر منصورہ اور ملتان وغیرہ ریاستوں کو ختم کیا۔ اب اس کے بعد قرامطیوں نے سلطان محمود کو نشانہ بنایا اور آنند پال سے مل کر سازشیں شروع کر دیں۔

سلطان محمود ہر چند کہ اپنی ملکی مہمات میں مصروف تھا تاہم اسے بیرونی دنیا کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اسے جب معلوم ہوا کہ آنند پال نے قرامطیوں سے گٹھ جوڑ کر کے پھر طبل جنگ بجانے کا ارادہ کر لیا ہے اس کے علاوہ قرامطیوں نے اپنے مرکزی مقام بحرین سے ایک جماعت جہازوں میں بٹھا کر دیبل اور ٹھٹھہ روانہ کی۔ نیز سندھ کے راجاؤں سے بھی امداد حاصل کرنے کے لیے معاہدے کر لیے ہیں اور ریاست بھاتنہ کا راجہ اور ملتان کا حاکم داؤد بن نصر قرامطی جس کا دادا حمید خاں لودھی قرامطی تھا جس نے کسی زمانہ میں ملتان کو تباہ و برباد کیا تھا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر پیش پیش ہے تو سلطان محمود غزنوی نے قرامطیوں اور ان کے بہی خواہ آنند پال کو کچل ڈالنے کا ایک بار پھر تہیہ کر لیا۔

اگرچہ آنند پال نے قرامطیوں کو اپنے یہاں داخل نہ ہونے دیا تاہم ان کی مدد ضرور کی۔ قرامطیوں کا چونکہ اصل مرکز ملتان اور بھاتنہ تھا اس لیے سلطان محمود نے راجہ کو کہہ

Marfat.com

بھیجا کہ جب تم ہمارے باجگزار ہو پھر ہمارے دشمن قرامطہ سے کیوں میل ملاپ رکھتے ہو اور انہیں اپنے یہاں کیوں پناہ دیتے ہو۔

لیکن راجہ نے سلطان کو اس کا بہت سخت جواب دیا اور قرامطہ کی حمایت کی اس لیے سلطان پر لازم ہو گیا کہ وہ بھاتنہ کے راجہ بجے رائے کا مزاج درست کرنے کے لے جلد سے جلد آگے بڑھے۔ چنانچہ 1004ء میں راجہ بھاتنہ (بھیرہ) اور سلطان محمود کے درمیان پھر معرکہ آرائی ہوئی جس میں راجہ نے شکست فاش کھائی اور بھاگ نکلا مگر پھر خود ہی ذلت کے خوف سے اپنے سینے میں خنجر مار کر ملک عدم کا راہی ہو گیا۔

سلطان اس معرکہ سے فارغ ہو کر بھیرہ اور اس کے مضافات کو غزنہ کی سلطنت میں شامل کر کے ملتان کی طرف بڑھا کہ داؤد بن نصر حاکم ملتان کو راجہ بھاتنہ کی ناکام مدد کرنے کے جرم کی سزا دے۔ چنانچہ راجہ آنند پال فوجیں لے کر اس کی مدد کو آ گیا لیکن جب معرکہ آرائی ہوئی تو وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور داؤد بن نصر قرامطی نے اطاعت کا اقرار کر کے معافی مانگ لی اور تاوان کا وعدہ کیا۔

اس معرکے سے جب فراغت ہوئی تو آنند پال کے بیٹے سکھ پال جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسے بھیرہ کا گورنر مقرر کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ ایک دم دین اسلام سے پھر گیا۔ چنانچہ اس کی سرکوبی کے لیے سلطان کو 1007ء میں پنجاب میں پھر آنا پڑا۔ سلطان نے سکھ پال کو گرفتار کیا اور حبس دوام کی سزا دی۔

آنند پال کا خبث باطن ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اس لیے سلطان اسے اپنا باجگذار سمجھتے ہوئے اُس سے مطمئن رہا لیکن اب حاکم ملتان کی مدد کے لیے سلطان کے خلاف کھلم کھلا فوجیں لے کر آنا نیز ایک طرح سے آنند پال کے اس اقدام نے دعوت جنگ دیدی۔

آخر 1008ء میں سلطان محمود اور آنند پال کی فوجوں میں اٹک کے قریب حضرو کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں سلطان کے بہت سے آدمی مارے گئے لیکن جب سلطان نے آنند پال کے تیس ہزار کھوکھر سپاہیوں پر ایک نئے انداز سے بجلی کی طرح لپک کر حملہ کیا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہزاروں سپاہی قتل ہوئے جو بچ رہے وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انہی میں ایک آنند پال کا ہاتھی بھی تھا جو اپنے ہی سپاہیوں کو

Marfat.com

روندتا ہوا آنند پال کو کسی طرف لے بھاگا۔

سلطان محمود غزنوی نے فتح پانے کے بعد آنند پال کے بیٹے (ترلوچن پال) کو لاہور (پنجاب) کی حکمت پر بحال رہنے دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اسے باجگذار بنا لیا۔ اور پھر غزنی واپس چلا گیا۔ اس جنگ میں سلطان کو بیش بہا خزانہ اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے علاوہ بہت سے جواہرات بھی ہاتھ آئے۔

باوجود اس تباہی کے سلطان نے شکست خوردہ دشمن کو پھر لاہور کے تخت پر ایک باجگذار کی حیثیت سے بٹھا دیا اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ریاست کانگڑہ نے جس میں کانگڑہ ہوشیار پور اور جالندھر وغیرہ کے علاقے شامل تھے نے پھر سلطان کے خلاف لڑنے کے منصوبے بنائے۔ جے پال کے زمانہ میں یہاں کا راجہ چونکہ اس کا باجگذار تھا اس لئے جے پال کو جب کبھی سلطان کے خلاف معرکہ پیش آتا تو کانگڑہ کے سپاہی اس کی مدد کے لیے ہتھیار لے کر نکلتے اور سلطان کے خلاف لڑتے اور جب شکست ہوتی تو سلطان کے خلاف سخت غم وغصہ اور بغض وغضب لے کے آتے۔

سلطان نے انہیں بھی آمادہ جنگ پایا تو 1010ء میں پھر فوج لے کر نگر کوٹ کے مقام پر راجپوت فوجوں سے نبرد آزما ہوا جس میں راجپوتوں نے شکست کھائی اور انہوں نے جان کی امان مانگی جسے سلطان نے بہ طیب خاطر قبول کر لیا اور ان کے ساتھ نہایت فیاضی کا سلوک کیا۔

ابھی صرف دو تین سال گزر پائے تھے کہ تھانیسر کی جنگ پیش آ گئی۔ بالا آخر سلطان کو دشمنوں کا سر کچلنے کے لیے 1015ء میں آگے بڑھنا پڑا۔ پھر کشمیر کی مہم پیش آئی۔ کشمیر کا راجہ سنگرام جو سمجھتا کہ سلطان کے خلاف پنجاب کے راجہ کی معرکہ آرائی ایک مذہبی جنگ ہے اور وہ اسی اعتبار سے راجہ کی مدد کو پہنچتا تو وہ باوجود ہزار شکستوں کے ابھی تک ذہنی طور پر شکست کو شکست نہ سمجھتا۔ چنانچہ سلطان کے آتے ہی راجوری (کشمیر) کے قریب ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا مگر برفباری کے باعث اسے کامیابی نہ ہو سکی۔

دوسری طرف شمالی ہند کی ریاستیں اس فکر میں تھیں کہ جیسے بھی ہو سکے سلطان کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس کی سلطنت غزنی کو لونڈی بنایا جائے۔ اس کے برخلاف سلطان نے

Marfat.com

یہ سوچا کہ اس روز روز کی جنگ سے تو یہ بہتر ہے کہ ایک ایک کر کے تمام ریاستوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

پس 1017ء میں سلطان محمود غزنوی نے دریائے جمنا پار کر کے برن (بلند شہر) پر حملہ کیا اور جلدی وہاں کے راجہ نے سلطان کی اطاعت کر لی اور وہ سلطان کے ہاتھ پر دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان نے متھرا پر فتح حاصل کی پھر اُس نے قنوج کا رخ کیا جہاں راجپوتوں کی ایک زبردست طاقت تھی۔ وہاں کا راجہ راجپال تیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادہ فوج کے ساتھ مقابلے میں آیا مگر شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ سلطان نے اسے اطاعت اور خراج کے ادا کرنے کے وعدے پر چھوڑ دیا۔

مگر شمال ہند کے راجاؤں نے ہندوؤں کی اس روش کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ ان کے خیال میں یہ ان کی توہین اور ذلت تھی۔ پس کالنجر کا راجہ گنڈا نے راجپال کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس غریب پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ راجپال نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لیے راجپال کے قتل نے سلطان کو غیرت دلائی اور اس نے کالنجر پر چڑھائی کر دی۔ سلطان نے ان کی طرف رخ کیا کالنجر کے ساتھ گوالیار اور دوسری کئی ریاستیں متحد ہو کر سلطان کے مقابلے پر نکلیں مگر سلطان کے ہاتھوں شکست کھا کر میدان چھوڑ بھاگیں۔

اب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب کا پہلا گورنر اپنے وفادار اور مشہور غلام یعنی "ایاز" کو مقرر کیا اور لاہور دارالسلطنت قرار پایا۔ سلطان نے ایک ایک کر کے تمام راجپوت راجاؤں کے زعم باطل کو ختم کر دیا۔ اس طرح سلطان محمود دنیائے اسلام کے تمام فاتحین اور اسلامی تعلیمات کی تربیت کے طفیل امن پسند صلح کل منصف مزاج اور عدل پرور فاتح ثابت ہوا اور پھر سب سے آخر میں سلطان محمود نے کاٹھیاوار میں واقع ہندوستان کے سب سے بڑے بت کدے پر 1025ء میں حملہ کیا۔ اس پر حملہ کرنا پورے ہندوستان کی دشمنی مول لینا تھی۔

مسلمانوں کے عظیم فاتح سلطان محمود غزنوی کے حالات اور واقعات تقریباً ہر مضمون نگار اور مورخ نے لکھے ہیں جن میں واقعات تو تقریباً یکساں ہیں مگر انداز بیان مختلف

Marfat.com

ہے۔ ذیل میں ہم ایک مؤرخ کے محمود غزنوی پر لکھے گئے حالات اور واقعات پیش کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی اچھے تبصرے اور مضامین ہیں جن کا اقتباس بھی ہم آگے پیش کریں گے۔

اب ملاحظہ ہو تبصرہ اس کا عنوان ہے ''سلطان محمود غزنوی فاتح سومنات''

''میری آرزو ہے کہ قیامت کے دن میں محمود بت شکن کے نام سے پکارا جاؤں۔ محمود بت فروش نہ کہلاؤں۔''

یہ وہ جواب ہے جو سلطان محمود نے ان پجاریوں اور برہمنوں کو دیا تھا جو اس کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ سومنات کے سب سے بڑے بت کو نہ توڑا جائے اور اس کے بجائے بے شمار دولت قبول کر لی جائے۔ سلطان محمود کا یہ جواب تاریخ کے صفحات میں یادگار اور ضرب المثل ہو گیا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر میں خلافت عباسیہ کی سیاسی قوت میں زوال آیا تو ترکستان میں سامانی خاندان کی ترک سلطنت قائم ہوئی۔ خراساں کابل اور غزنی اس کے ماتحت تھے اور اس کا پایہ تخت بخارا تھا۔ انہی بادشاہوں کا ایک ترک غلام امیر الپتگین گزرا ہے جس نے چوتھی صدی ہجری میں اپنی حکومت غزنی میں قائم کی۔ اس سلطنت کا چوتھا جانشیں ناصر الدین سبکتگین مشہور بادشاہ تھا۔ محمود غزنوی سبکتگین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ وہ پہلی اور دوسری نومبر 971ء کی درمیانی شب کو پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت اس طرح کی گئی جیسے اس زمانہ میں شہزادوں کی کی جاتی تھی۔ اس کے لیے بڑے بڑے عالموں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ محمود بڑا ذہین اور ہوشیار نکلا اس نے بہت جلد علوم دین کی تکمیل کر لی۔ وہ حافظ قرآن تھا اور حدیث وفقہ میں مکمل واقفیت رکھتا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت کے سیاسی پہلو کی طرف خود سبکتگین نے توجہ کی۔ اس کے علاوہ اسے جنگ کے طور طریقوں میں پوری طرح تربیت دی گئی۔ تلوار چلانے میں محمود بہت ماہر تھا۔ نشانہ بازی اور تیر چلانے میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔

محمود نے صرف پندرہ سال کی عمر میں اپنے باپ کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ سپاہی اور جرنیل کی حیثیت سے اس نے ایسے کارنامے دکھلائے کہ سبکتگین بے حد خوش ہوا

Marfat.com

اور اسے نہ صرف ''سیف الدولہ'' کا خطاب دیا بلکہ خراساں کی فوجوں کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا۔ اس وقت ساسانی سلطنت ختم ہو رہی تھی اور وہاں بڑی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

997ء میں امیر سبکتگین کا انتقال ہوا اور محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا تخت حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے بھائیوں سے لڑنا بھی پڑا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ محمود حکومت کا زیادہ حقدار ہے تو سب نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

محمود نے سب سے پہلے اپنی توجہ خراساں، وسط ایشیاء اور ایران کی طرف مبذول کی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہ رہے اور کوئی بھی اس کی برابری کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے خراساں پر مکمل قبضہ کر لیا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ کئی سال کے عرصہ میں خوارزم اور غرجستان فتح کیا۔ سلجوقی ترکوں کو شکست فاش دی۔ ترکستان سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے۔ سیستان، ہمدان اور اصفہان پر قبضہ کیا گیا۔ اسے یہ کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے کئی شدید جنگیں لڑنا پڑیں۔ کئی زبردست معرکے ہوئے مگر محمود کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا اور اس کی فتح ہوئی۔ اس کا رعب اور دبدبہ اتنا تھا کہ جب وہ ان علاقوں سے دور دراز فاصلوں پر ہوتا تھا تب بھی کسی کو سرکشی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ یہ سب لڑائیاں اور معرکے بہت اہم ہیں مگر محمود غزنوی نے ہندوستان پر جو حملے کئے اور فتوحات حاصل کیں وہ زیادہ مشہور ہیں۔ نہ صرف مشہور بلکہ حیرت انگیز اور پر لطف بھی۔

ہندوستان شروع سے الپتگین اور اس کے جانشینوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ اُس وقت وہاں بہت سے راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے مگر ان میں راجہ جے پال بہت مشہور تھا جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ امیر سبکتگین سے جے پال کے کئی معرکے ہوئے اور اس نے اپنی سلطنت کی سرحد ہندوستان کی طرف لمغان تک بڑھا دی۔ محمود نے اپنے والد کے اس کام کو جاری رکھا اور جب خلیفہ بغداد نے اسے خودمختار سلطان مان لیا تو اس نے عہد کر لیا کہ ہر سال ہندوستان پر ایک نہ ایک حملہ ضرور کرے گا۔ ہندوستان پر محمود کے بارہ حملے مشہور ہیں مگر وہ سترہ دفعہ یہاں آیا۔ ان کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔

Marfat.com

# سلطان کا عہد

اپنا عہد پورا کرنے کے لیے محمود غزنوی نے 1000ء میں ہندوستان کا رخ کیا۔ اس کی پہلی جنگ پرانے دشمن راجہ جے پال سے پشاور کے قریب ہوئی۔ غزنی کے سواروں نے چن چن کے ہندی سپاہیوں کو مارا۔ راجہ جے پال گرفتار ہوا۔ محمود نے آگے بڑھ کر نندونہ پر جو دریائے جہلم کے کنارے مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔ اس پر قبضہ کر لیا۔ راجہ جے پال نے محمود کی خدمت میں بیس لاکھ دینار اور پانچ ہاتھی پیش کئے اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ غزنی کا فرمانبردار رہے گا۔ اس پر اسے رہا کر دیا گیا مگر جلد ہی اس نے شرم کے مارے اپنے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر اپنا خاتمہ کر لیا۔ اس کے مرنے پر آنند پال اس کا جانشیں ہوا۔

پنجاب میں آگے بڑھنے سے پہلے محمود نے ملتان اور مشرقی سندھ کا رخ کیا۔ اس سے اگلے سال اس نے راجہ بھاٹیا پر چڑھائی کی۔ اسے اپنی فوجی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ جب محمود اس کے پایہ تخت کی طرف بڑھا تو وہ بھی مقابلہ کے لیے آیا۔ تین روز تک لگاتار لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے روز محمود نے خدا کی درگاہ میں فتح کی دعا کی اور ہندوؤں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ راجہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ نکل بھاگا اور ایک جنگل میں جا کر چھپ گیا۔ سلطانی فوج کے ایک دستے نے جنگل کو گھیر لیا۔ راجہ نے جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو اپنے سینے میں خنجر مار کر خودکشی کر لی۔

ملتان کا حاکم اس وقت ابو الفتح داؤد تھا۔ اس کا دادا امیر سبکتگین کے بہی خواہوں میں تھا اور اس کی پوری اطاعت کرتا تھا۔ مگر اس کے پوتے نے اپنے باپ دادا کی روش کو چھوڑ دیا اور بے دین ہو گیا۔ اس کے علاوہ ابو الفتح ہندوؤں کو بھڑکاتا اور مسلمانوں کے خلاف مدد پہنچاتا تھا۔ جب محمود، ملتان کی طرف بڑھا تو راجہ آنند پال نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر جب مقابلہ ہوا تو بدحواس ہو کر بھاگا اور چناب تک کہیں نہ ٹھہرا اور ڈر کے مارے کشمیر میں جا چھپا۔ جب غزنوی فوجیں ملتان کے سامنے پہنچیں تو ابو الفتح نے اپنے قصور کی معافی مانگی اور برے عقیدوں سے توبہ کی۔ محمود نے اسے معاف کر دیا۔

Marfat.com

وہ چاہتا تھا کہ آس پاس کے علاقوں کو بھی فتح کرے۔ مگر اسی دوران اسے خبر ملی کہ ترکستان کا امیر ایلک خاں خراساں پر چڑھ آیا ہے۔ محمود فوراً ادھر روانہ ہوا اور مغربی پنجاب کا حاکم ایک نومسلم سکھ پال کو بنا دیا۔

محمود خراساں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ ایلک خاں نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ اس نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی اور فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ بلخ کے قریب بڑی خونریز جنگ لڑی گئی۔ جس میں محمود کو فتح ہوئی۔ اس فتح نے بہادر سے بہادر دشمن کے دل میں بھی محمود کی دھاک بیٹھ گئی۔

سلطان محمود کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر آنند پال بہت پریشان تھا۔ وہ اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ متحد ہو کر محمود کا مقابلہ کیا جائے۔ اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج اور اجمیر کے راجہ فوراً تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنی فوجیں آنند پال کے پاس بھیج دیں۔ اس طرح ایک زبردست لشکر تیار ہو گیا۔ اس کو لے کر وہ پشاور کی طرف بڑھا۔ سلطان محمود نے اس حملہ کی خبر سنی تو وہ غزنی سے روانہ ہوا۔ دریائے سندھ کو عبور کیا اور ویہند کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ چالیس روز تک فوجیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی رہیں لیکن لڑائی کی ابتدا کسی جانب سے نہ ہوئی۔ ہندوؤں کا لشکر روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔

سلطان محمود کو پتہ چل گیا تھا کہ اس دفعہ ہندو سر دھڑ کی بازی لگا کر آئے ہیں۔ چنانچہ اس نے بھی احتیاط سے کام لیا۔ اس نے حکم دیا کہ فوج کے دونوں طرف ایک خندق کھودی جائے کہ کسی طرف سے بھی ہندوؤں کو حملہ کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ اس کے بعد محمود نے جنگ شروع کی۔ ایک ہزار تیر انداز محمود کے حکم سے آگے بڑھے اور ہندوؤں پر تیر برسانے لگے۔ ہندوؤں نے بھی زور سے حملہ کیا۔ کھوکھر قوم کے سپاہی ننگے سر، ننگے پاؤں لڑتے ہوئے خندق کو پھاند گئے۔ اور سلطانی لشکر میں گھس آئے۔ انہوں نے وہاں کھلبلی مچا دی۔ قریب تھا کہ محمود کی فوج کے پیر اکھڑ جاتے کہ اس نے اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ وہ دشمن پر پیچھے سے حملہ کر دے۔ اس حملے سے دشمن میں بدحواسی پھیل گئی

Marfat.com

اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دو سرداروں نے ان کا پیچھا کیا۔ آٹھ ہزار ہندو مارے گئے۔ یہ بڑی زبردست فتح تھی۔ اتنی بڑی جنگی طاقت اب تک کسی میدان میں جمع نہیں ہوئی تھی۔

اب شمالی پنجاب کا سارا میدان خالی تھا۔ محمود منزل بہ منزل مشرقی سرے تک آگے بڑھا اور نگرکوٹ (کانگڑہ) کا قلعہ گھیرلیا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا جس کے اندر سینکڑوں بتوں کے علاوہ بے شمار دولت بھی تھی۔ دو ہی روز میں راجہ اماں کا طالب ہوا۔ محمود نے اس کی جان بخشی کر دی پھر قلعہ میں داخل ہوا جہاں سے اسے سات لاکھ اشرفیاں سات سومن سونے چاندی کے آلات اور سومن خالص سونا، دو ہزار من خالص چاندی اور بیس من طرح طرح کے قیمتی جواہرات ملے۔

اس موقعہ پر سلطان محمود نے اعلان کیا کہ جو ہندو سلطانی فوج میں بھرتی ہونا چاہے وہ خوشی سے ہوسکتا ہے۔ یہ سنتے ہی دس ہزار ہندو سلطانی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ سلطان نے انہیں میں سے ایک کو سپہ سالار بنا دیا۔ نگرکوٹ کی فتح کے دو سال بعد تھانیسر کے بڑے مندر کو بھی ڈھایا گیا اور جنوبی پنجاب اور دہلی کے راجہ تلوار میں توقع رہ گئے۔

اگلے سات سال میں سلطان محمود نے افغانستان سیستان اور بلوچستان کے سرکشوں کو تلوار کے زور سے مطیع کیا۔ دوسری طرف ایران میں قزوین اور شمال میں خوارزم تک ایسی یلغاریں کیں کہ اسلامی دنیا میں اس کی فتوحات کا غلغلہ بلند ہوگیا۔ اب سلطان نے ہندوستان کے مشہور شہر قنوج پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ اس مہم میں سلطان کی فوج میں ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ ان میں سمرقند اور بخارا کے ملکوں کے باشندے تھے۔ پنجاب میں اب کوئی دشمن نہ رہا تھا مگر کشمیر کی طرف سے اطمینان کرنا ضروری تھا۔ تین سال پہلے بھی اس نے کشمیر پر حملہ کیا تھا مگر برف کی زیادتی کے پیش نظر وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس مرتبہ راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور سلطانی لشکر قنوج کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں سب سے پہلے برن (بلند شہر) کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے راجہ نے اپنے دس ہزار ساتھیوں سمیت اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد وہ متھرا کے سامنے پہنچا اگرچہ یہ ہندوؤں کا بڑا مقدس شہر تھا اور آس پاس کئی راجے حکومت کرتے تھے مگر کسی میں ہمت نہ

Marfat.com

ہوئی کہ مقابلے کے لیے نکلتا۔ یہاں سے منوں سونا چاندی اور بیش قیمت جواہرات اونٹوں پر لاد کر غزنی بھیج دیئے گئے۔ غرض یہ کہ سلطان کو کسی نے روکنے کی ہمت نہ کی۔ حالت یہ تھی کہ راستے کا جو راجہ محمود غزنوی کا نام سنتا وہ خبر سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا۔

قنوج شہزادوں کی راجدھانی تھا۔ یہ شہزادے شمالی ہندوستان کے سردار گنے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں شہر پناہ، پندرہ کوس کے گھیرے میں تھی۔ راجہ کا نام راج پال تھا۔ اس کی فوج میں پانچ لاکھ پیادے، تیس ہزار زرہ پوش تھے مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب محمود قنوج کے سامنے نمودار ہوا تو راجہ نے سفیر بھیج کر اطاعت کا اقرار کیا پھر خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر نذر پیش کی سلطان نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور آئندہ محض اس کے دشمنوں کو سزا دینے کی خاطر ان علاقوں پر دوبارہ فوج کشی کی۔

ہندوستان کے تمام راجہ، سلطان محمود سے تو دبتے تھے اور اس کے سامنے نہ ٹھہر سکتے تھے لیکن جب وہ غزنی واپس چلا گیا تو وہ قنوج پر چڑھ دوڑے اور وہاں کے راجہ راج پال کو مسلمانوں سے مل جانے کے قصور پر بے دردی سے ہلاک کر دیا۔ اس کا بانی مبانی کالنجر کا راجہ گنڈا تھا۔ محمود کو جب یہ خبر ملی تو اسے سخت غصہ آیا اور راجہ گنڈا کو سزا دینے کی خاطر اسے پھر ہندوستان آنا پڑا۔ کالنجر پر حملہ کرنے سے پہلے اس نے گوالیار کے مضبوط قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ بہت بدحواس تھا۔ چار روز بعد اس نے صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ ادھر سے اطمینان کر کے سلطان محمود، بندیل کھنڈ آیا۔ گنڈا نے بھاگ کے جنگلوں میں پناہ لی۔ سلطان شمال کی طرف پلٹا اور اُن راجوں کو جو راج پال کے قتل میں شامل تھے سخت سرکوبی کی اس کے بعد پلٹ کر پھر بندیل کھنڈ پہنچا اور کالنجر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ بہت بڑا اور مضبوط تھا۔ سلطان نے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے تاکہ ایک دانہ بھی اندر نہ جا سکے۔ گنڈا نے مجبور ہو کر اماں طلب کی اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ سلطان نے اُس کی درخواست منظور کر لی۔ موقعہ پر گنڈا نے ہندی کا ایک شعر سلطان محمود کی تعریف میں لکھ کر بھیجا جس سے محمود اتنا خوش ہوا کہ اس نے گنڈا کو پندرہ قلعوں کا حکمراں بنا دیا اور بہت سا مال اور ساز و سامان لے کر غزنی واپس ہوا۔

جب سلطان محمود غزنوی واپس غزنی پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ ان فتوحات کے

Marfat.com

شکرانے میں ایک جامع مسجد بنائی جائے۔ چنانچہ غزنی میں ایک نہایت خوبصورت مسجد بنائی گئی۔ اس کے ساتھ ایک مدرسہ اور کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔ محمود نے ہندوستان کے تمام معرکوں کا تفصیلی حال خلیفہ بغداد کی خدمت میں بھیجا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا۔ سارے اسلامی ملکوں میں خوشیاں منائی گئیں۔

راجہ آنند پال وارث پنجاب میں شورش پیدا کر رہے تھے۔ سلطان نے اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی ٹھانی۔ وہ پنجاب آیا اور لاہور کو فتح کر کے اس صوبے کو سلطنت غزنی میں شامل کر لیا۔ یہاں کا گورنر اس نے اپنے عزیز ترین غلام ایاز کو مقرر کیا۔

پنجاب کا انتظام ٹھیک کرنے کے بعد اس ان تھک مجاہد نے سومنات پر حملہ کی تیاری شروع کی۔ سومنات ''بت'' کا نام بھی تھا اور شہر کا بھی۔ جس مندر میں سومنات تھا وہاں باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔ ہیرے جواہرات دیواروں میں جڑے ہوئے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہوئے تھے۔ ان کی جگمگاہٹ سے وہاں دن رات برابر تھے۔ چھپن ستون جواہرات سے مرصع تھے۔ دو سو من وزن سونے کی زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں گھنٹے اور گھڑیال تھے۔ اس کے خرچ کے واسطے دو ہزار گاؤں کا لگان مخصوص تھا۔ دو ہزار پنڈت اس کی حفاظت پر مقرر تھے۔

دروازے کے سامنے سومنات کا بت کھڑا تھا۔ پورا پانچ گز لمبا دو گز زمین کے اندر اور تین گز باہر دریائے گنگا اگرچہ ایک سو کوس کے فاصلے پر تھا مگر سومنات کو نہلانے کے لیے روزانہ گنگا کا پانی آتا تھا۔ دولت اس مندر میں اس قدر جمع تھی کہ کسی راجہ کے خزانے میں کیا ہو گی۔ اس کے علاوہ سومنات نہ صرف جنگی بلکہ سازش کا مرکز تھا۔ سومنات ایک نہایت محفوظ اور قلعہ بند جزیرہ تھا۔ گجرات کے مغربی ساحل سے ایک پتلی سی پٹی اسے خشکی سے ملائی تھی۔ اس پٹی پر فصیلیں بنا دی گئی تھیں۔ غزنی ۔۔ یہاں آنے کا راستہ جنوبی سندھ اور ''کچھ'' سے تھا مگر محمود راجپوتانہ کے راستوں سے آیا جن کا وہاں کے باشندوں کو خیال بھی نہ آیا ہو گا۔ چنانچہ جب وہ یکا یک کاٹھیاوار کے پایہ تخت انہل واڑہ (موجودہ پٹن) کے میدانوں میں نمودار ہوا تو راجہ اور پرجا سب حیران رہ گئے۔ راجہ بھاگ کے کہیں دور نکل گیا۔ سلطانی لشکر بے روک ٹوک گجرات میں داخل ہو کر

Marfat.com

سومنات کے سامنے آ پہنچا۔ یہ سارا سفر غیر معمولی جرأت اور سلطان کی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت ہے۔

سلطان محمود نے دیکھا کہ یہاں کا قلعہ بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ اسے یہ دیکھ کر بھی حیرت ہوئی کہ اہل سومنات قلعہ کی دیواروں پر کھڑے اس کی فوج کو دیکھ کر اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں۔

''ہمارا بڑا بت مسلمانوں کو یہاں کھینچ لایا ہے تاکہ سب کو ایک ہی بار ہلاک کر ڈالے۔''

سلطانی فوج نے قلعہ کی طرف حرکت کی اور قلعہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ کر لڑائی شروع کی۔ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کی دلیری دیکھی تو تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے قلعہ کی دیوار سے نیچے اترے اور اندر جا کر ''سومنات'' سے فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ ادھر مسلمان کئی سیڑھیاں لگا کر قلعہ کے ایک حصہ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ اس دن صبح سے شام تک لڑائی کا بازار گرم رہا جب اندھیرا ہوا تو سلطانی لشکر واپس ہوا۔ دوسرے دن پھر انہوں نے قلعہ پر حملہ کیا اور تیروں کی بارش اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعہ کے اس حصہ سے پسپا کر دیا اور پھر پہلے روز کی طرح سیڑھیاں لگا کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ اہل سومنات نے مختلف گروہ بندیاں کیں۔ سومنات سے لپٹ لپٹ کر روتے اور فریاد کرتے ہوئے سلطانی فوج پر پل پڑے اور اتنا لڑے کہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

تیسرے دن ہندو راجاؤں کے وہ لشکر جو سومنات کی مدد کو آئے گئے۔ سلطانی فوج کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ سلطان محمود نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو ادھر روانہ کیا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی۔ میدان میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ہندو بڑے جم کر لڑ رہے تھے۔ آخر سلطان محمود نے ایک عام ہلّہ کا حکم دیا۔ اس حملے سے دشمن نہ سنبھل سکا اور اسے سخت شکست ہوئی۔ پانچ ہزار تو صرف میدان میں کام آئے۔ باقی کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگے سلطان نے پہلے ہی فوج کا ایک دستہ ادھر بھیج دیا تھا چنانچہ بہت سے ہندو سمندر میں غرق ہو گئے۔ اندر قلعہ والوں کا دل بیٹھ گیا اور انہوں نے ہار مان لی۔

Marfat.com

جب قلعہ فتح ہو گیا تو سلطان محمود اپنے امیروں اور وزیروں کے ساتھ مندر میں داخل ہوا۔ پجاری جو مندر میں رہ گئے تھے وہ گڑگڑائے کہ بہت سا مال قبول کر لیا جائے اور بت نہ توڑا جائے کئی امیروں نے بھی یہی مشورہ دیا مگر محمود نے جو جواب دیا وہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یعنی

''میری آرزو ہے کہ قیامت کے دن محمود بت شکن کے نام سے پکارا جاؤں۔ محمود بت فروش نہ کہلاؤں۔''

پھر آگے بڑھ کر اپنا فولادی گرز گھما کر اس زور سے مارا کہ وہ بت جس کو صدیوں سے سجدے کئے جاتے تھے وہ پاش پاش ہو کر نیچے گرا۔ اس کے چند ٹکڑے مکہ اور بغداد بھیج دیئے گئے اور چند غزنی تاکہ وہاں جامع مسجد اور شاہی محل کے سامنے رکھ دیئے جائیں۔ محمود نے وہاں سے بے انتہا دولت سمیٹی اور غزنی واپس ہوا۔ سومنات کی بربادی بت پرستی پر اسلام کی ایک بڑی فتح تھی۔ اسلامی دنیا نے محمود کے اس کارنامے کو سراہا شاعروں نے بڑھ چڑھ کر نظمیں لکھیں۔

سلطان محمود کے ہندوستان پر حملے اور جنگیں اس کی فوجی قابلیت اور ذہانت کے بہترین کارنامے ہیں اس نے ایسے ملک پر حملے شروع کئے تھے جس میں بڑے بڑے دریا تھے۔ گھنے جنگلات، چٹیل میدان اور مخالف قوم کے باشندے کوئی اور شخص ہوتا تو سراسیمہ ہو جاتا مگر محمود نے کسی خطرے کی پرواہ نہ کی۔ اس نے شروع ہی میں دور اندیشی سے کام لیا اور جلدی اس کا رعب اور دبدبہ اور ہیبت سارے ہندوستان پر چھا گئی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے دشمن پر گرتا اور اسے ایسی سخت شکست دیتا کہ وہ پھر نہ سنبھل سکتا۔

بعض متعصب مورخ سلطان محمود پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے جبراً ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ اور اگر کسی نے انکار کیا تو اسے قتل کر دیا۔ یہ سب بالکل جھوٹ ہے۔ تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جبراً مسلمان کیا ہو۔ ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ کے سوا اس نے کسی ہندو کو قتل کرایا ہو۔ اس نے کہیں کہیں بت ضرور توڑے مگر صرف انہی مندروں میں جہاں اس کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں۔

سلطان محمود غزنوی نے تقریباً بتیس برس کی حکومت کے بعد اس دنیا سے 1030ء

Marfat.com

میں پردہ کیا اور غزنی کی چھوٹی سی ریاست کو اپنے زمانہ میں بڑی سلطنت بنا دیا جس میں موجودہ افغانستان، خراساں، ایران، ترکستان کے وسیع علاقے کرمان اور مغربی پاکستان شامل تھے۔ ہندوستان میں ایک طرف قنوج اور دوسری طرف گجرات تک کے اکثر راجے مہاراجے فرمانبرداری کا دم بھرتے تھے۔

(ختم شد)

Marfat.com

## تصوف کے موضوع پر بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات پر مشتمل بہترین تصانیف

- اللہ کے سفیر ............ خان آصف ............ 500/-
- اللہ کے ولی ............ خان آصف ............ 500/-
- سفیرانِ حرم ............ خان آصف ............ 350/-
- اذکارِ اولیاء ............ سیّد الدین ہاشمی ............ 250/-
- مقربین خدا ............ صوفی اول شاہ ............ 200/-

## ولولہ انگیز تاریخی ناول

- شعلوں کا کفن ............ خان آصف ............ 400/-
- فاتح اعظم صلاح الدین ایوبی ............ خان آصف ............ 400/-
- حجاج بن یوسف ............ اسلم راہی ایم اے ............ 450/-
- قرطاجنہ ............ ادریس آزاد ............ 300/-
- سلطان شمس الدین التمش ............ ادریس آزاد ............ 250/-
- سلطان محمد فاتح ............ ادریس آزاد ............ 350/-
- اُندلس کے قزاق ............ ادریس آزاد ............ 250/-
- ابنِ عطاش ............ ادریس آزاد ............ 250/-
- بحر اسود کے اس پار ............ ادریس آزاد ............ 275/-
- ابلیس مصر ............ الماس ایم اے ............ 150/-
- سلطان محمود غزنوی ............ الماس ایم اے ............ 250/-
- موسیٰ بن نصیر ............ الماس ایم اے ............ 200/-
- فلسطین ............ الماس ایم اے ............ 180/-

Marfat.com

## اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

| | | | |
|---|---|---|---|
| سلطان محمود غزنوی | اسلم راہی ایم اے | 600/- | |
| سلطان اُور خان | اسلم راہی ایم اے | 550/- | |
| شیبانی خان | اسلم راہی ایم اے | 550/- | 969-38-0511-6 |
| ابو مسلم خراسانی | اسلم راہی ایم اے | 550/- | 969-38-0510-9 |
| نادر شاہ افشار | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0508-6 |
| عقبہ بن نافع | اسلم راہی ایم اے | 550/- | 969-38-0506-2 |
| چاند بی بی | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0504-8 |
| سائرس اعظم | اسلم راہی ایم اے | 450/- | 969-38-0507-0 |
| شیطان کے گماشتے | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0505-5 |
| خالدؓ بن ولید | اسلم راہی ایم اے | 700/- | 969-38-0502-x |
| محمد شاہ رنگیلا | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0515-4 |
| یلغار | اسلم راہی ایم اے | 400/- | 969-38-0499-6 |
| سکندرِ اعظم | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0501-1 |
| بے منزل مسافر | اسلم راہی ایم اے | 350/- | 969-38-0484-4 |
| گوالیار کی راجکماری | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38-0488-4 |
| ہارون الرشید | اسلم راہی ایم اے | 450/- | 969-38-0482-1 |
| ریزہ گر | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38/-39-3 |
| برقائی خان | اسلم راہی ایم اے | 325/- | 969-38-04481-3 |
| گل گامش | اسلم راہی ایم اے | 550/- | 969-38-0369-6 |
| اندھیروں کے ساربان | اسلم راہی ایم اے | 550/- | 969-38/-14-1 |
| تاریک رزم گاہ | اسلم راہی ایم اے | 500/- | 969-38/-18-4 |
| صقلیہ کا مجاہد | اسلم راہی ایم اے | 450/- | 969-38/-17-6 |
| حقاب | اسلم راہی ایم اے | 400/- | |
| صحرا کی آگ | اسلم راہی ایم اے | 400/- | 969-38/-12-6 |

Marfat.com

Marfat.com

# خان آصف کی بہترین تصانیف

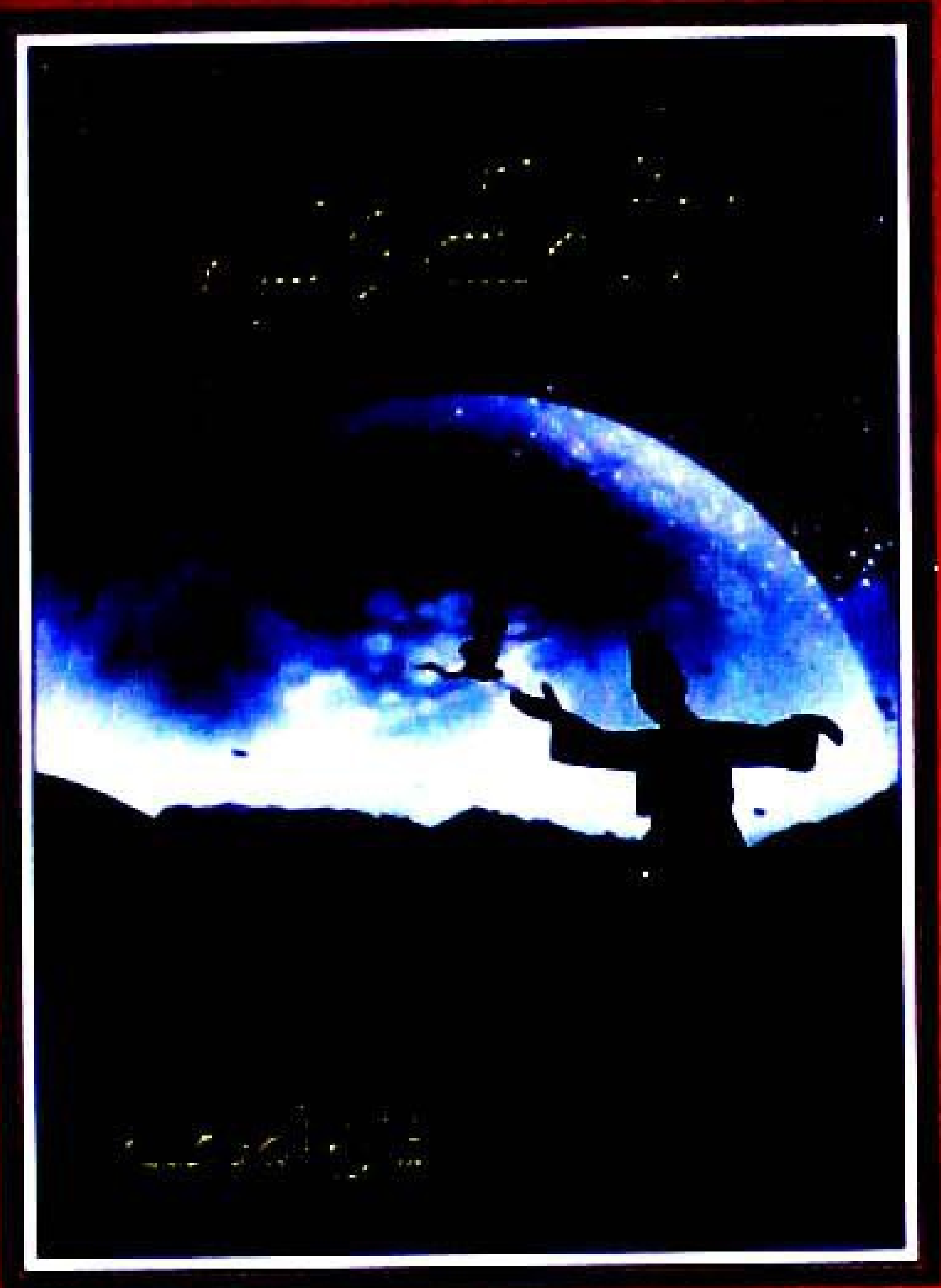

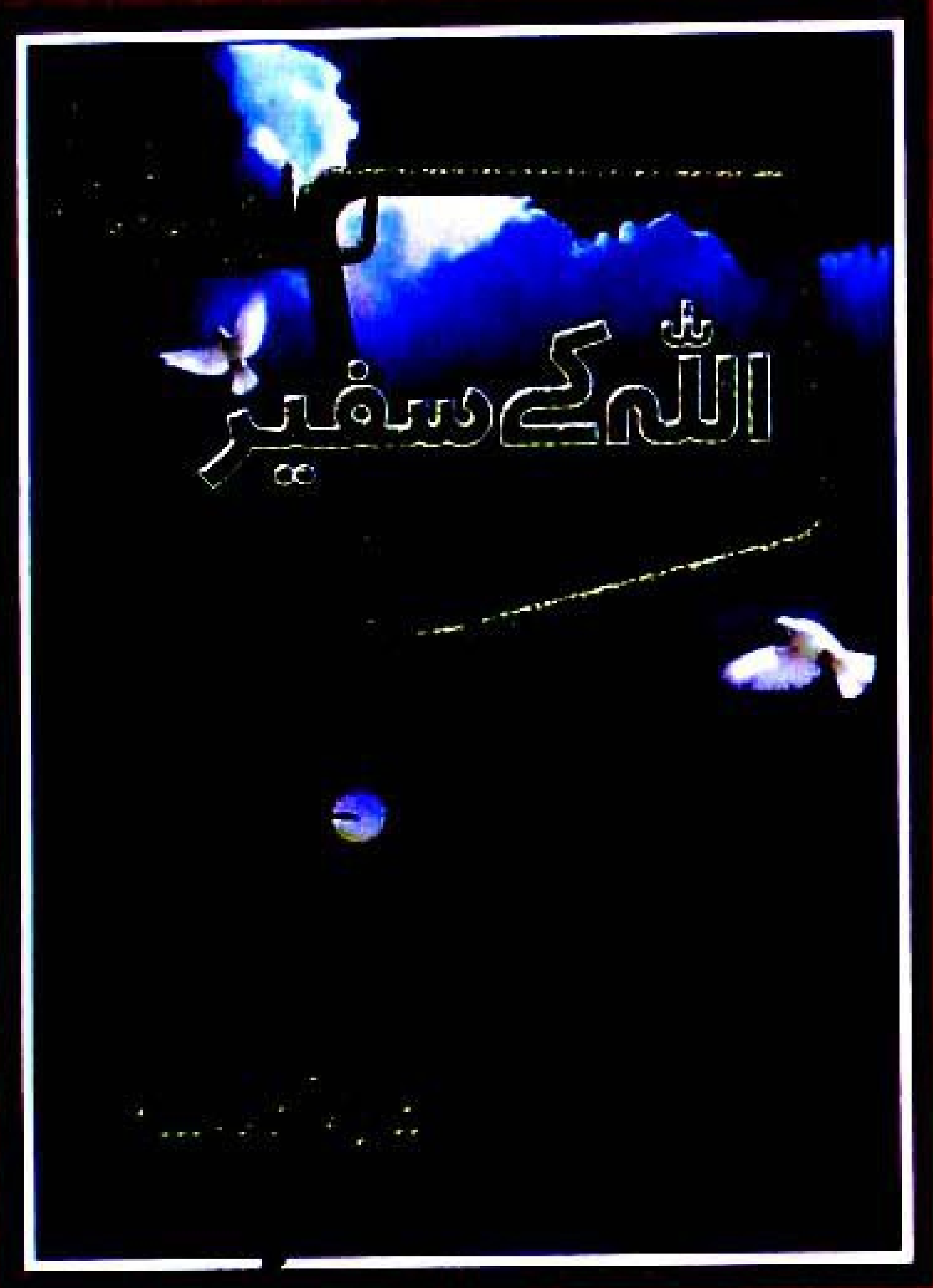


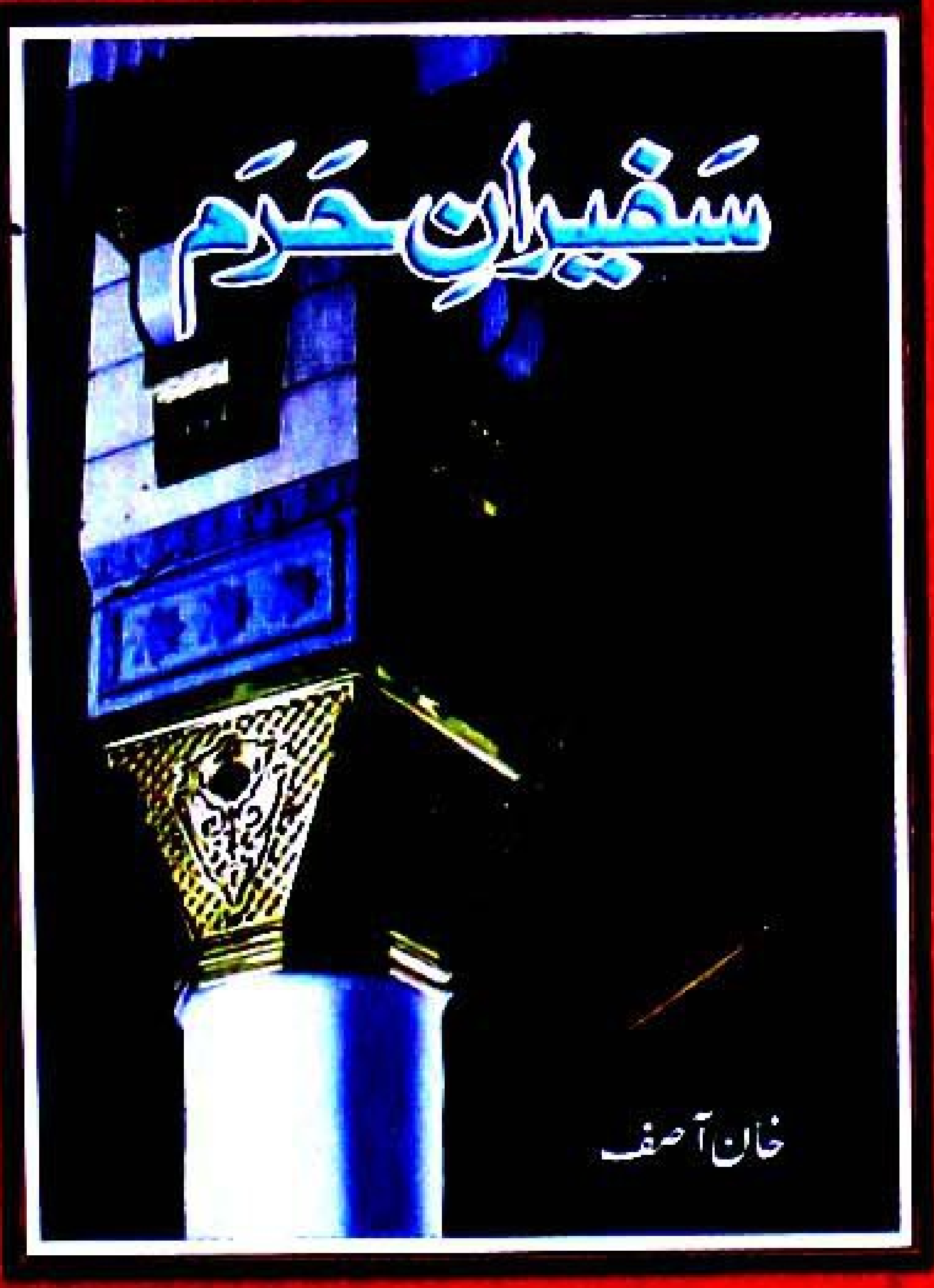


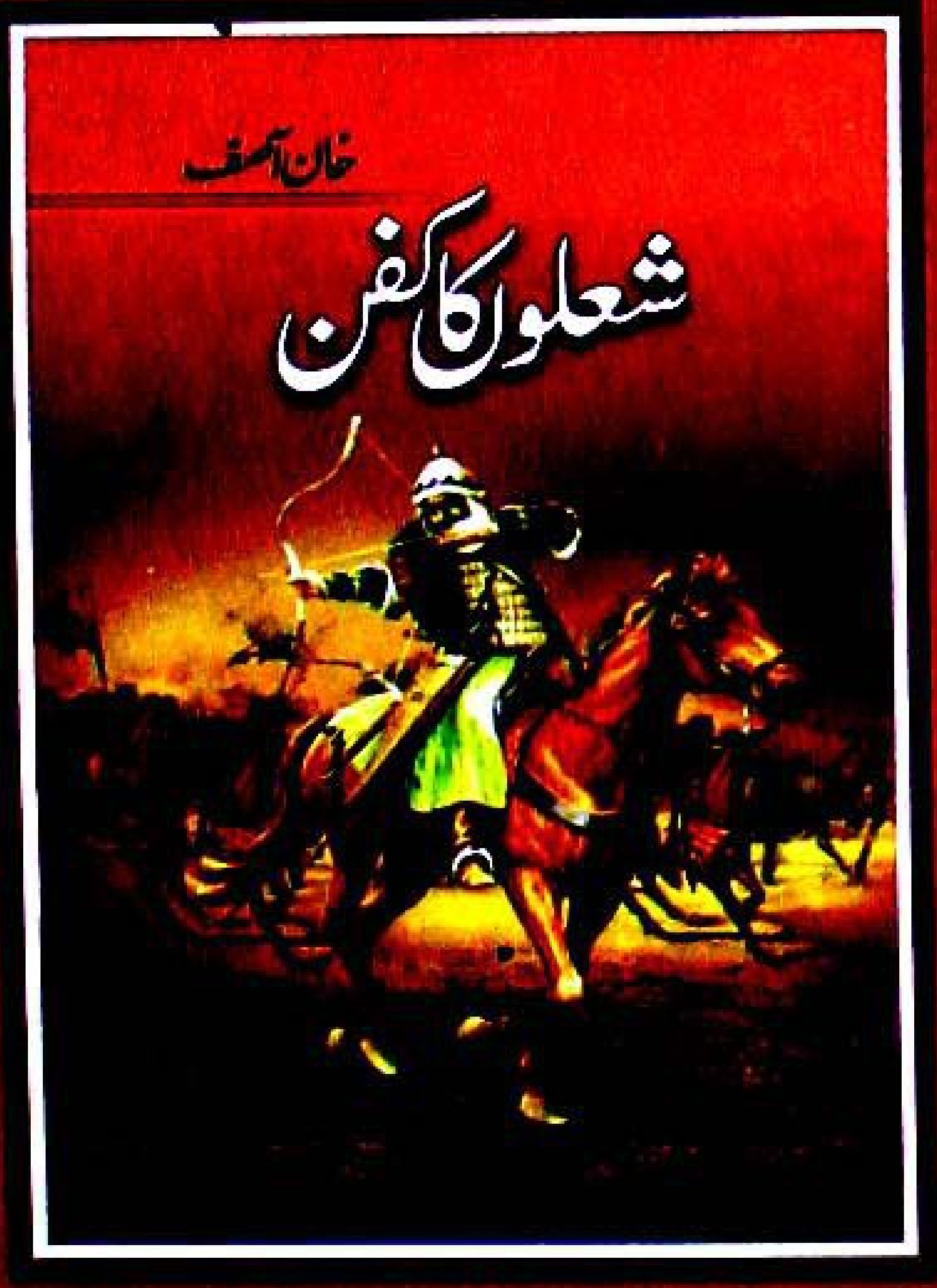


ISBN: 978-969-602-000-4

**القریش پبلی کیشنز**

سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور۔

فون: 042-37652546, 37668958

www.alquraish.com

mail: info@alquraish.com

Marfat.com